میمن اسلامک بکس

تقریرِ ترمذی

حصۂ معاملات

جلد دوم

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

تخریج احادیث و مسائل
مولانا سجاد احمد فیصل آبادی
مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی

میمن اسلامک پبلشرز

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

تقریر ترمذی (حصہ معاملات) جلد ثانی
درس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب: محمد عبداللہ میمن
تخریج احادیث و مسائل:
مولانا سجاد احمد فیصل آبادی
مولا عبداللہ فیصل آبادی
ناشر: میمن اسلامک پبلشرز
باہتمام: ولی اللہ میمن
تاریخ اشاعت: اپریل ۱۹۹۹ء

ملنے کے پتے:

- میمن اسلامک پبلشرز۔ نایاب جامع مسجد لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی۔ لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار، کراچی
- مکتبۂ دارالعلوم کراچی ۱۴
- مکتبۃ العارفی، جامعہ امدادیہ۔ فیصل آباد
- مکتبۂ فریدیہ، جامعہ فریدیہ۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادائے شکر

محسن انسانیت، فخر بشریت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث کی اس مختصر اور عاجزانہ خدمت پر حق تعالیٰ شانہ کا شکر بجالاتا ہوں۔ اور اس خدمت کو اس ذات بابرکات کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے عطر فزا چمن سے یہ گلدستہ تیار ہوا۔

دست بدعا ہوں کہ یہ خدمت قبول ہو

محمد عبداللہ میمن
دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

اجمالی فہرست ابواب

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۸۴	اس باب کی دوسری حدیث
۸۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ
//	باب ماجاء فی الرجم علی الثیب
۸۶	ایک مرتبہ اعتراف کافی ہونے پر شافعیہ کا استدلال
۸۷	اس باب کی دوسری حدیث
//	زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم کیوں دیا؟
۸۸	محصن کی دو سزائیں، سو کوڑے اور رجم
۸۹	محصن کی دو سزائیں، سو کوڑے اور جلاوطنی
//	باب منہ
۹۰	باب ماجاء فی رجم اهل الکتاب
۹۱	باب ماجاء فی النفی
۹۲	باب ماجاء ان الحدود کفارة لاهلها
//	باب ماجاء فی اقامة الحد علی الاماء
۹۳	کیا آقا اپنے غلام پر خود حد جاری کر سکتا ہے؟
//	عذر کی وجہ سے کوڑے کی سزا کو مؤخر کیا جاسکتا ہے؟
۹۴	باب ماجاء فی حد السکران
//	شراب کی حد کتنے کوڑے ہیں، ۴۰ یا ۸۰؟
۹۵	مسلک حنفی کی وضاحت
۹۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں دونوں احتمال تھے؟
//	حنفیہ کی تائید میں ایک اور حدیث
۹۷	باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه الخ
//	باب ماجاء فی کم یقطع السارق
۹۸	نصاب سرقہ کیا ہے؟ فقہاء کا اختلاف
//	حدیث باب کا جواب

عنوان	صفحہ
ایک دینار اور دس درہم کی قیمت تفاوت ہو جائے تو اعتبار کس کا ہوگا؟	۹۹
قطع ید کی سزا پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۰
باب ما جاء في تعليق يد السارق	〃
قطع ید کے بعد چور کو دوبارہ ہاتھ جڑوانے کی اجازت ہوگی؟	۱۰۱
قصاصاً کاٹے گئے عضو کو دوبارہ جڑوانا جائز ہے	〃
جنایت کا ایک مسئلہ	۱۰۲
ہاتھ پاؤں کو دوبارہ جوڑنا تقریباً ناممکن ہے	〃
ہاتھ جوڑنے کے مسئلہ میں دو نقطہ ہائے نظر	۱۰۳
باب ما جاء في الخائن والمختلس والمنتهب	〃
یہ تینوں سارق کی تعریف سے خارج ہیں	۱۰۴
باب ما جاء لا قطع في ثمر ولا كثر	〃
سرقہ کے ثبوت کے لئے مال کا محرز ہونا ضروری ہے	〃
باب ما جاء ان لا يقطع الايدي في الغزو	۱۰۵
باب ما جاء في الرجل يقع على جارية امراته	〃
باب ما جاء في المراة اذا استكرهت على الزنا	۱۰۶
حدیث پر ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۰۷
جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے اس پر سزا نہیں	۱۰۸
حضرت علقمہ کا سماع اپنے والد وائل سے ثابت ہے	〃
باب ما جاء فيمن يقع على البهيمة	۱۰۹
مزنیہ جانور کو ذبح کرنے کی حکمت اور اس کے گوشت کا حکم	〃
باب ما جاء في حد اللوطي	۱۱۰
باب ما جاء في المرتد	〃
مرتد کی سزا قتل ہے، تمام فقہاء کا اتفاق	۱۱۱

عنوان	صفحہ
باب فیمن یرمی الصید فیجدہ میتا فی الماء	۱۳۵
حلت اور حرمت کے دونوں احتمال ہوں تو جانب حرمت کو ترجیح ہوگی	۱۳۶
اس باب کی دوسری حدیث	″
باب ما جاء فی صید المعراض	۱۳۷
باب ما جاء فی الذبح بالمروۃ	″
باب ما جاء فی کراھیۃ اکل المصبورۃ	۱۳۸
باب فی ذکوۃ الجنین	۱۳۹
جنین کی ذکاۃ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف	″
حدیثِ باب کا جواب	۱۴۰
باب کراھیۃ کل ذی ناب وذی مخلب	۱۴۱
باب ما جاء ما قطع من الحی فھو میت	۱۴۲
باب فی الذکوۃ فی الحلق واللبۃ	۱۴۳
باب فی قتل الوزغ	″
باب فی قتل الحیات	۱۴۴
چھوٹے سانپوں کو مارنے کی ممانعت	″
گھر کے اندر رہنے والے سانپوں کو مارنے کا حکم	۱۴۵
باب ما جاء فی قتل الکلاب	۱۴۶
باب من امسک کلبا ما ینقص من اجرہ	″
باب فی الذکاۃ بالقصب وغیرہ	۱۴۸
ناخن اور دانت سے ذبح کا حکم	۱۴۹
باب (بلا ترجمۃ)	″
اگر جانور وحشی ہوجائے تو اس کی ذکاۃ اضطراری ہوجائے گی	۱۵۰

عنوان	صفحہ

ابواب الاضاحی ۱۵۱

صفحہ	عنوان

ابواب النذور والایمان ١٧٥

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ
باب قضاء النذر عن المیت	۱۹۶
میت کی نذر کو پورا کرنے کے بارے میں حکم	۱۹۷
باب ما جاء فی فضل من اعتق	۱۹۸
ابواب السیر	۱۹۹
"سیر کے معنی اور مطلب"	〃
جہاد کی تعریف	〃
عیسائیوں کو شکست فاش	۲۰۰
صلیبی جنگیں	〃
بایزید یلدرم کا عجیب واقعہ	۲۰۱
بایزید یلدرم کی گرفتاری اور انتقال	〃
مسلمانوں نے میدان جنگ میں کبھی شکست نہیں کھائی	〃
کیا اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے؟	۲۰۲
جہاد کا مقصد کیا ہے؟	〃
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا؟	۲۰۳
متجددین کے نزدیک جہاد صرف دفاعی ہے	〃
جہاد کے احکام تدریجاً آئے ہیں	۲۰۴
ابتداءً جہاد بھی جائز ہے	۲۰۵
دیندار حلقوں میں ایک اور غلط فہمی اور اس کا جواب	〃
مطلق جہاد کا منکر کافر ہے	۲۰۷
اسلام پر خونخوار مذہب ہونے کا الزام کیوں؟	〃
جہاد کے لئے تین شرطیں	۲۰۸
جہاد کے بارے میں تبلیغی جماعت کا موقف	۲۰۹

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

ابواب الجهاد ۲۹۹

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
باب ما جاء فی القمیص	۳۵۸
باب ما یقول اذا لبس ثوبا جدیدا	۳۵۹
باب ما جاء فی لبس الجبة	〃
زندگی گزارنے کا معیار کیا ہونا چاہئے؟	۳۶۰
تنگ اور کف والی آستین کا حکم	۳۶۱
کسی عمل کا سُنّت نہ ہونا اور کسی عمل کا خلاف سُنّت ہونا دونوں الگ ہیں	〃
قمیض کے کالر کا حکم	۳۶۲
باب ما جاء فی شد الاسنان بالذهب	۳۶۳
باب ما جاء فی النهی عن جلود السباع	〃
باب ما جاء فی نعل النبی صلی الله علیه وسلم	۳۶۴
باب ما جاء فی کراهیة المشی فی النعل الواحدة	〃
باب ما جاء فی الرخصة فی النعل الواحدة	۳۶۵
باب ما جاء بای رجل یبدا اذا انتعل	〃
باب ما جاء فی ترقیع الثوب	〃
اغنیاء کی مجالست سے بچو	۳۶۶
آسودہ زندگی کے لئے بہترین اصول	۳۶۷
آج کل مالداروں سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے	〃
ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ	۳۶۸
باب (بلا ترجمة)	۳۶۹
باب (بلا ترجمة)	〃
باب (بلا ترجمة)	۳۷۰
باب (بلا ترجمة)	〃

عنوان	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابواب الدیات

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب ماجاء فی الدیة کم ھی من الابل

﴿عن خشف بن مالک قال: سمعت ابن مسعود رضی الله عنه قال: قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دیة الخطاء عشرین ابنة مخاض وعشرین بنی مخاض ذکورا وعشرین بنت لبون وعشرین جذعة وعشرین حقة﴾ (۱)

حضرت خشف بن مالک سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت اس طرح مقرر فرمائی کہ بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض مذکر، بیس بنت لبون، بیس جذعے اور بیس حقے۔ اس طرح کل سو اونٹ ہوجائیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن مخاض کی جگہ ابن لبون دیئے جائیں گے اور حنفیہ ابن مخاض ہی کہتے ہیں۔ اور حدیثِ باب حنفیہ کی دلیل ہے۔

قتل عمد کی دیت

﴿عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: من قتل متعمدا دفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا، وان شاؤا اخذوا الدیة وهی ثلثون حقة وثلثون جذعة واربعون خلفة وما صالحوا علیه فهولهم وذلک لتشدید

العقل (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو وہ قاتل اولیاء مقتول کے حوالے کردیا جائے گا اگر وہ اولیاء چاہیں تو قصاصاً اس کو قتل کریں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت لے لیں۔ وہ دیت تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوگی۔ اور جس چیز پر وہ صلح کرلیں وہ ان کو ادا کی جائے گی اور یہ دیت کو سخت کرنے کے لئے ہے۔

اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء مقتول کو اختیار ہے، چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء مقتول کا اصل حق قصاص ہے، البتہ دیت پر مصالحت ہوسکتی ہے، لہٰذا ایک طرفہ طور پر اولیاء مقتول دیت لازم نہیں کرسکتے، بلکہ اگر قاتل کے ساتھ یہ مصالحت ہوجائے کہ ہم تم سے قصاص نہیں لیں گے، تم ہمیں دیت دے دو اور قاتل منظور کرلے تو دیت ادا کرنی ہوگی۔ لہٰذا حدیث باب میں یہ جو فرمایا کہ: ان شاؤا اخذوا الدية اس کا مطلب یہ ہے کہ: ان شاؤا اخذوا الدية برضا القاتل، وبمصالحة من القاتل اس لئے کہ اگر قاتل دیت کو اور مصالحت کو منظور نہ کرے تو اس صورت میں اولیاء کو صرف قصاص ہی کا حق باقی رہے گا۔

اس حدیث میں جو دیت بیان کی گئی ہے، اس کو "دیت مغلّظہ" کہتے ہیں۔ اس سے پہلے جو حدیث گزری، اس میں دیت اخماساً تھی۔ یعنی بیس بنت مخاض، بیس بنی مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقے، بیس جذعے، یہ قتل خطاء کی دیت تھی۔ اور قتل عمد میں "دیت مغلّظہ" ہوتی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "دیت مغلّظہ اسی طرح ہے جیسے حدیثِ باب میں اثلاثاً بیان کی گئی۔ یعنی تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں۔ حنفیہ کے نزدیک دیت مغلّظہ ارباعاً ہوتی ہے۔ یعنی پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے، پچیس جذعے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات میں دیت مغلّظہ اسی طرح ارباعاً منقول ہے۔ حنفیہ حدیثِ باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ابتداء میں دیت مغلّظہ اسی طرح اثلاثاً تھی، لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارباعاً دیت مغلّظہ کا فیصلہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں عمل ارباعاً ہوگیا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر شافعیہ کے قول کے مطابق چالیس اونٹنیاں ایسی دی جائیں جس کے پیٹ میں بچے ہوں تو اس صورت میں دیت سو اونٹ نہیں رہے گی، بلکہ ایک سو چالیس اونٹ ہوجائے گی۔ حالانکہ دیت سو اونٹ ہیں۔ اس لئے حنفیہ نے حضرت عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔(۳)

باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الدراھم

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ جعل الدیۃ اثنی عشر الفا﴾ (۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی۔ بعض روایات میں دس ہزار درہم کا ذکر ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو قسم کے درہم رائج تھے۔ جو درہم کم وزن کا تھا، اس سے دیت بارہ ہزار درہم بنتی تھی اور جو درہم زیادہ وزن کا تھا اس سے دیت دس ہزار بنتی تھی۔

باب ماجاء فی الموضحۃ

﴿عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فی المواضح خمس خمس﴾ (۵)

"موضحہ" اس زخم کو کہتے ہیں، جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور ہڈی نظر آنے لگے، "موضحہ" کی جمع "مواضح" ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مواضح" میں پانچ پانچ اونٹ واجب ہیں۔ پوری دیت سو اونٹ ہیں، یہ کل دیت کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ لہذا یا تو دیت میں پانچ اونٹ دے یا دس ہزار درہم کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم دے۔

باب ماجاء فی دیۃ الاصابع

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: دیۃ اصابع الیدین والرجلین سواء عشرۃ من الابل لکل اصبع﴾ (۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ یا پاؤں کی انگلی کاٹ دے تو پوری دیت کا دسواں حصہ دینا ہوگا، یا تو دس اونٹ دے دے، یا ایک ہزار درہم دے دے۔

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: هذه وهذه سواء یعنی الخنصر والابهام﴾ (۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اور یہ برابر ہیں، یعنی خنصر اور ابہام برابر ہیں۔ دونوں کی دیت دس دس اونٹ ہیں۔

باب ماجاء فی العفو

﴿حدثنا ابوالسفر قال: دق رجل من قریش سن رجل من الانصار فاستعدی علیه معاویة فقال لمعاویة: یا امیر المؤمنین ان هذا دق سنی فقال معاویة: انا سنرضیک والح الاخر علی معاویة فابرمه فقال له معاویة شانک بصاحبک وابوالدرداء جالس عنده فقال ابوالدرداء: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: مامن رجل یصاب بشئی فی جسده فیتصدق به الارفعه الله به درجة وحط عنه به خطیئة فقال الانصاری: انت سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال: سمعته اذنامی ووعاه قلبی قال: فانی اذرهاله قال معاویة: لاجرم لااخیبک فامرله بمال﴾ (۸)

حضرت ابوالسفر تابعین میں سے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ قریش کے ایک صاحب نے انصار کے ایک صاحب کا دانت توڑ دیا، جن کا دانت ٹوٹا تھا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فریاد کی، اور کہا کہ اے امیرالمؤمنین! اس نے میرا دانت توڑ دیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہیں راضی کر دیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کے عوض تمہیں پیسے دلوادیں گے، جس کے ذریعہ تم راضی ہوجاؤ گے۔ لیکن دوسرے شخص نے یعنی جس کا دانت ٹوٹا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اصرار کیا، یہاں تک کہ ان کو زچ کر دیا۔ یعنی اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ مجھے

قصاص ہی دلوایا جائے، اور اتنا اصرار کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عاجز آگئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم جانو اور تمہارا ساتھی جانے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کو تمہارے حوالے کرتے ہیں، تم قصاص لے لو۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تکلیف پہنچانے والے کو معاف کردیتا ہے، یعنی قصاص نہیں لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا درجہ بلند فرمادیتے ہیں اور اس کا گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ یہ حدیث سن کر اس انصاری نے جس کا دانت ٹوٹا تھا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ بات سنی ہے اور میرے دل نے یہ بات محفوظ رکھی۔ ان انصاری صاحب نے فرمایا کہ میں ان کو چھوڑتا ہوں یعنی قصاص نہیں لیتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لامحالہ میں تم کو ناکام نہیں کروں گا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے معاف کرنے کے صلے میں ان کو کچھ مال دینے کا حکم دیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث اس بات کو بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ ولی قصاص کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے اور معاف کرنا افضل ہے اور اس پر اجر کا وعدہ ہے۔

باب ماجاء فی من رضخ راسه بصخرة

﴿عن انس رضی الله عنه قال: خرجت جارية عليها اوضاح فاخذها يهودی فرضخ راسها واخذ ماعليها من الحلی قال فادركت وبها رمق فاتی النبی صلی الله عليه وسلم فقال: من قتلك؟ افلان؟ فقالت براسها لاقال ففلان؟ حتی سمی اليهودی فقالت براسها نعم قال: فاخذ فاعترف فامربه رسول الله صلی الله عليه وسلم فرضخ راسه بين حجرين﴾ (۹)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی اپنے گھر سے نکلی اور اس پر کچھ زیور تھے۔ "اوضاح" عام طور پر چاندی کے زیور کو کہتے ہیں۔ یہ "وضح" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ چونکہ چاندی کے زیور دور سے نظر آجاتے ہیں، اس لئے ان کو "اوضاح" کہا جاتا ہے۔ ایک یہودی نے اس لڑکی کو پکڑ کر اس کا سر کچل ڈالا، اور جو زیور لڑکی پر تھے وہ اس نے لے لئے۔

لوگ اس لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ اور اس لڑکی میں زندگی کی رمق باقی تھی، ابھی انتقال نہیں ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ نے اس لڑکی سے پوچھا: تمہیں کس نے قتل کیا؟ پھر آپ نے نام لے کر پوچھا کہ کیا فلاں شخص نے؟ اس لڑکی نے سر سے اشارہ کیا "نہیں"۔ لفظ "قال" یہاں اشارہ کے معنی ہیں۔ "قال" بہت سے معنی کے لئے آتا ہے۔ حتی کہ ابن جنی نے کہا: لفظة "قال" بحر لفظ قال سمندر ہے، اس کے بہت سے معانی ہیں۔ لغت میں قال کے باون معنی لکھے ہیں۔ اس میں سے ایک معنی "اشارہ کرنا" ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی لوگوں کے نام اس لڑکی کے سامنے لئے۔ ہر نام سن کر وہ نفی میں اشارہ کردیتی حتی کہ جب اس یہودی کا نام لیا جس نے قتل کیا تھا، تو اس لڑکی نے اشارہ سے کہا: "ہاں"۔ روای کہتے ہیں کہ پھر اس یہودی کو پکڑ لیا گیا۔ اس نے اعتراف کرلیا کہ ہاں میں نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا گیا۔

پتھر وغیرہ سے قتل کرنا موجب قصاص ہے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف

یہاں اس حدیث سے متعلق دو مسئلے ہیں: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس حدیث سے جمہور فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر آلہ قتل دھار دار نہ ہو، مثلاً پتھروں کے ذریعہ کسی کو ہلاک کردیا جائے تو اس صورت میں اگر وہ پتھر اتنے بڑے ہیں کہ ان کے مارنے سے عموماً ہلاکت ہوجاتی ہے تو اس طریقے سے ہلاک کرنا بھی موجب قصاص ہے۔ گویا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قتل موجب قصاص کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے ذریعہ سے دوسرے کو ہلاک کرنا جو ذریعہ عام طور سے موت واقع کرنے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہو۔ چاہے وہ تلوار ہو، چاقو ہو، خنجر ہو، یا کوئی بڑا پتھر ہو، یا بڑا ڈنڈا اور عصا ہو، جس کو دیکھ کر ہر آدمی یہ کہے گا کہ عام طور سے اس کے مارنے سے آدمی کی موت واقع ہوجائے گی۔ اس قتل کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک وہ قتل، قتل عمد میں شمار ہوگا جس میں قتل کرنے کا آلہ دھار دار ہو، کوئی ہتھیار ہو، مثلاً تلوار، چاقو، خنجر وغیرہ۔ لیکن اگر کسی وزنی چیز سے کسی کو قتل کردیا گیا، مثلاً بڑا پتھر یا بڑا عصا، تو یہ قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ العمد ہوگا۔ لہٰذا اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ کا مشہور مسلک ہے۔

امام صاحبؒ کا صحیح مسلک

لیکن امام صاحب کے اس مسلک کو سمجھنے میں اکثر غلطی ہوجاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا تعلق انسان کے اپنے دل کے ارادے سے ہے کہ آیا اس شخص کا واقعۃً قتل کرنے کا ارادہ تھا یا نہیں؟ اور دل کا ارادہ ایسی چیز ہے جو مخفی ہے۔ اس لئے ہم اس آلے کے ذریعہ استدلال کریں گے جو آلہ اس نے استعمال کیا۔ لہٰذا اگر اس شخص نے قتل کرنے کے لئے تلوار، چھری وغیرہ استعمال کی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ اس نے عمداً قتل کیا، اس لئے کہ یہ آلات قتل ہی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، تأدیب کے لئے استعمال نہیں ہوتے، چنانچہ کوئی استاد اپنے شاگرد کی تأدیب کے لئے خنجر، چاقو اور چھری وغیرہ استعمال نہیں کرتا، نہ باپ اپنے بیٹے کی تأدیب کے لئے یہ آلات استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا ان آلات کے استعمال میں قتل کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے۔ اس لئے ہم یہ کہیں گے کہ یہ قتل عمد ہوا، بخلاف لاٹھی اور پتھر کے، کہ یہ اصلاً قتل کرنے کے لئے وضع نہیں ہوئے، بلکہ یہ آلات تأدیب کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو چونکہ ان آلات کے اندر دونوں احتمال موجود ہیں، ایک یہ کہ اس کے ذریعہ ہی قتل کرنا مقصود ہو، دوسرے یہ کہ قتل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ صرف چوٹ لگانی مقصود ہو، اس لئے اس میں شبہ پیدا ہوگیا۔ اس شبہ کی وجہ سے قتل عمد ثابت نہیں ہوگا اور قصاص ساقط ہوجائے گا۔

یہ اس وقت ہے جب قاتل خود اس بات کا اعتراف نہ کرے کہ میرا قتل کا ارادہ تھا، لیکن اگر وہ اعتراف کرلے کہ میرا ارادہ قتل ہی کرنے کا تھا اور پھر اس نے قتل میں لاٹھی یا پتھر استعمال کیا ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی قتل عمد ہوگا اور موجب قصاص ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لا قود الا بالسیف﴾ (۱۰)

اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں: لا قود الا بالحدیدۃ یعنی قصاص نہیں ہوتا مگر تلوار

سے، یا فرمایا کہ قصاص نہیں ہوتا مگر دھار دار آلے سے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تلوار اور دھار دار آلے کے ذریعہ قتل موجب قصاص ہوتا ہے۔

جمہور فقہاء کا استدلال

جمہور فقہاء حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی نے بچی کو پتھر سے اس کا سر کچل کر قتل کیا اور یہ پتھر دھار دار آلہ نہیں تھا، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کو عمد قرار دے کر موجب قصاص قرار دیا اور اس یہودی سے قصاص لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے پتھر سے کسی کو قتل کیا تو وہ بھی قتل عمد اور موجب قصاص ہوتا ہے۔ اور امام صاحب نے استدلال میں جو حدیث پیش کی تھی لاقود الا بالسیف اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ اور اپنی تائید میں ایک تو حدیثِ باب پیش کرتے ہیں اور دوسری قرآنی آیت پیش کرتے ہیں: ان النفس بالنفس یعنی جان کے بدلے جان، اور اس آیت میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ آلہ دھار دار ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کا دوسرا استدلال

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿الا ان قتیل قتل العمد قتیل الحجر والعصا اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم﴾ (۱۱)

یعنی قتل عمد کا مقتول وہ ہے جو پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو۔ اور جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے تو یہ حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دو وجہ سے حجت نہیں بن سکتی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں اس یہودی نے خود اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے اور اعتراف کرنے کے بعد تعمد ثابت ہوگیا، اور امام صاحب کا یہ مسلک اس صورت میں ہے کہ جب قاتل تعمد کا اعتراف نہ کرے، لیکن اگر قاتل اعتراف کرلے تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا۔ لہٰذا یہ معاملہ متنازعہ امر سے خارج ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگرچہ پتھر یا لاٹھی

سے قتل کیا ہوا قتل عمد نہیں ہے اور شرعاً موجب قصاص نہیں ہے، لیکن اگر امام اور حاکم یہ محسوس کرے کہ اس کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس سے دوسرے مجرموں کی ہمت افزائی ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں فتنے کو ختم کرنے کے لئے تعزیراً قتل کا حکم دے دے تو ان کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اس صورت میں وہ قتل قصاصاً نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ تعزیراً اور سیاستاً سمجھا جائے گا۔ لہٰذا حدیثِ باب میں حضور اقدس علیہ وسلم نے اس یہودی کو جو قتل کرایا وہ تعزیراً تھا، قصاصاً نہیں تھا۔(۱۲)

موجودہ دور میں صاحبین کے قول پر فتویٰ مناسب ہے

اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب یہی ہے کہ مثقل سے قتل کرنے میں قصاص نہیں ہوتا، لیکن جمہور کا مذہب بھی مضبوط اور قوی ہے۔ اور جس طرح ہمارے دور میں قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے، اس میں مجرموں کی حوصلہ شکنی اور مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اگر جمہور فقہاء کا مسلک اختیار کیا جائے تو مناسب ہے۔ چنانچہ متأخرین حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو زہر پلا کر ہلاک کردے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصل مذہب میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ قاتل نے زہر پلایا ہے، دھار دار آلہ استعمال نہیں کیا، اس لئے قتل عمد نہیں ہے، بلکہ شبہ عمد ہے۔ لیکن متأخرین حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے۔ لہٰذا جس طرح زہر کے مسئلے میں متأخرین حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتوی دیا ہے، اسی طرح اگر ہمارے دور میں مطلقاً انہی کے قول پر فتوی دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کرے گا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا، تو ایسا کرنا مناسب ہوگا، تاکہ صحیح معنوں میں مجرموں کی سرکوبی ہوسکے۔

قاتل کو کس طرح قتل کیا جائے؟ فقہاء کا اختلاف

اس حدیث کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قاتل کو بھی اسی طریقے سے قتل کیا جائے گا جس طریقے سے اس نے

مقتول کو قتل کیا تھا، مثلاً اگر کسی قاتل نے خنجر سے قتل کیا تھا تو قاتل کو بھی خنجر ہی سے قتل کیا جائے گا، اور اگر قاتل نے گولی ماری تھی تو قاتل کو بھی گولی ماری جائے گی۔ اور اگر قاتل نے پتھر سے ہلاک کیا تھا تو قاتل کو بھی پتھر سے ہلاک کیا جائے گا۔ گویا کہ ان کے نزدیک قصاص بمثل ذلك الفعل ہوگا۔ الآ یہ کہ وہ فی نفسہ حرام ہو، تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص دوسرے کو لواطت کے ذریعے یا زنا کر کے قتل کردے تو چونکہ یہ دونوں فعل بذات خود حرام ہیں، اس لئے ان میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا۔ اور حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کا سر کچل کر قصاص لیا، اس لئے کہ اس نے سر کچل کر قتل کیا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصاص لیتے وقت قتل کے طریقے میں تماثل کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ قاتل نے مقتول کو کسی بھی طریقے سے قتل کیا ہو لیکن قاتل کو قصاصاً ہمیشہ تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا، اور "لا قود الا بالسیف" والی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں۔ سابقہ مسئلے میں جب اس حدیث سے استدلال کیا تھا تو اس کے معنی یہ تھے کہ "قصاص اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک تلوار سے قتل نہ کیا گیا ہو۔" اور اس مسئلہ میں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ "قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے"۔ اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث کے دو مختلف معانی کیسے لئے جاسکتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ "عموم مشترک" ہے، اور خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "عموم مشترک" جائز نہیں ہے، یعنی ایک ہی لفظ سے بیک وقت دو معنی مراد نہیں لئے جاسکتے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لا قود الا بالسیف کا جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ کئی مواقع پر استعمال فرمایا۔ ایک موقع پر جب آپ نے استعمال فرمایا تو آپ کی مراد یہ تھی کہ لا یجب القصاص الا بالقتل بالسیف۔ اور دوسرے موقع پر جب آپ نے استعمال فرمایا تو اس وقت آپ کی مراد یہ تھی کہ لا یستوفی القصاص الا بالسیف۔ اس طرح آپ نے علیحدہ علیحدہ مواقع پر الگ الگ معنی مراد لئے اس لئے یہ اشکال درست نہیں۔

حدیثِ باب کا جواب

حدیثِ باب کا جواب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی کا سر

کچل کر قتل کیا گیا، یہ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ قصاص بالمثل واجب تھا، بلکہ تعزیراً اور سیاستاً آپ نے اسی طرح قتل کرنے کو مناسب سمجھا۔ چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اصلاً قصاص تلوار سے ہی لیا جائے گا لیکن اگر حاکم کسی خاص واقعہ میں یہ محسوس کرے کہ جس سنگدلانہ طریقے سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا تھا وہ بھی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے تو حاکم اس طریقے سے قتل کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ چونکہ زیر بحث واقعہ میں اس بچی کے ساتھ بڑی سخت زیادتی ہوئی تھی اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے تعزیراً اس کا سر کچلنے کا حکم دیا۔ ورنہ اصل حکم یہ نہیں تھا، اصل حکم وہی تھا جو آپ نے لا قود الا بالسیف والی حدیث میں بیان کیا۔(۱۳)

باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن

﴿عن عبدالله بن عمرو ان النبی صلی الله علیه وسلم قال:
لزوال الدنیا اهون علی الله من قتل رجل مسلم﴾ (۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پوری دنیا کا زائل ہوجانا، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں زیادہ اہون ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ بڑا گناہ اور اس سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کوئی اور نہیں۔ اور آج یہ حال ہے کہ انسان مکھی اور مچھر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو کر رہ گیا ہے۔

باب الحکم فی الدماء

﴿عن عبدالله رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان اول مایحکم بین العباد فی الدماء﴾ (۱۵)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے پہلے جس چیز کا بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ وہ خون کا ہوگا، یعنی اگر کسی کا خون کیا اور جان لی، اس کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا۔ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اور جن روایتوں میں یہ آتا ہے کہ نماز کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا، اس سے مراد یہ ہے کہ حقوق اللہ میں نماز کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔

اگر کئی افراد مل کر قتل کریں تو سب سے قصاص لیا جائے گا

﴿سمعت اباسعيد الخدری واباهريرة رضی الله عنهما يذكران عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: لوان اهل السماء واهل الارض اشتركوا فی دم مؤمن لاكبهم الله فی النار﴾ (۱۶)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے میں نے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر سارے آسمان والے اور سارے زمین والے کسی ایک مؤمن کے خون کرنے میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ جہنم میں گرادے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے قتل میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں اور ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اس قتل کی وجہ سے جہنم کا عذاب دے گا۔ معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کے قتل میں کئی افراد شریک ہوں تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔

باب ماجاء فی الرجل يقتل ابنه يقادمنه ام لا

﴿عن سراقة بن مالك رضی الله عنه قال: حضرت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقيد الاب من ابنه ولا يقيد الابن من ابيه﴾ (۱۷)

حضرت سراقۃ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس حال میں کہ آپ باپ کو اس کے بیٹے سے قصاص دلواتے تھے، لیکن بیٹے کو اس کے باپ سے قصاص نہیں دلواتے تھے۔ یعنی اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

باب ماجاء لايحل دم امرامسلم الا باحدی ثلث

﴿عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله

صلی الله علیه وسلم: لا یحل دم امرا مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارك لدینه المفارق للجماعة ﴾ (۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی دیتا ہو، مگر تین باتوں میں سے ایک کی وجہ سے: "ایک یہ کہ ثیب زنا کرلے ـــــ العیاذ باللہ ـــــ اور دوسری یہ کہ جان کے بدلے جان۔ یعنی اگر اس نے کسی کی جان لی ہو تو اس کے بدلے میں اس کی جان لی جاسکتی ہے۔ اور تیسری یہ کہ وہ شخص جو اپنے دین کو چھوڑنے والا ہو۔ یعنی مرتد ہوجائے اور جماعت سے الگ ہوجائے، اس کی سزا بھی قتل ہے۔

مرتد کی سزا قتل ہے

ہمارے دور میں بعض متجددین نے قتل مرتد سے انکار کیا ہے اور یہ کہا کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم شریعت میں نہیں ہے اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿ لا اکراه فی الدین ﴾ (البقرة : ۲۵۶)

یعنی دین کے بارے میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور حدیثِ باب سے بھی استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں المفارق للجماعة یہ التارك لدینه کے لئے قید ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محض مرتد ہوجانا یہ موجب قتل نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ مفارقت جماعت یعنی بغاوت نہ پائی جائے۔ لہٰذا جب کوئی شخص مرتد ہو کر بغاوت کا ارتکاب کرے تب وہ موجب قتل ہوگا، تنہا ارتداد موجب قتل نہیں ہوگا۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ دوسری روایات میں مطلقاً فرمایا گیا کہ من بدل دینه فاقتلوه۔ اس کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور کے بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں بغاوت نہ ہونے کے باوجود مرتد کو قتل کیا گیا۔ اور المفارق للجماعة درحقیقت التارك لدینه کے لئے صفت کاشفہ ہے، مستقل قید نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

"المفارق للجماعة" کا کیوں اضافہ کیا گیا؟

ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ حدیثِ باب میں المفارق للجماعة کی جو صفت لائی گئی ہے اس صفت کا کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ التارك لدينه میں ہر مرتد داخل ہے اور جو مرتد ہوجائے گا وہ جماعت سے بھی الگ ہوجائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ صفت کاشفہ ہے اور صفت کاشفہ کے لئے کوئی نیا فائدہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ سابق کی محض ایک تفسیر ہوتی ہے۔ یہ تو ایک ضابطے کا جواب تھا۔

مرتد کی دو قسمیں

لیکن سوال یہ ہے کہ پھر صفت کاشفہ لانے کی حکمت کیا ہے؟ کیونکہ التارك لدينه کا لفظ بالکل واضح تھا، پھر المفارق للجماعة کے ذریعہ اس کی تفسیر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک مرتد وہ ہوتا ہے جو کھلم کھلا اسلام کو چھوڑ دے اور یہ کہے کہ میں اسلام میں نہیں رہتا اور مثلاً نصرانی مذہب اختیار کرلے یا یہودی مذہب اختیار کرلے اور مرتد ہونے کے بعد اپنے آپ کو مسلمان نہ کہے۔ دوسرا مرتد وہ ہے جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرتا تو ہے اور اس کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے اور مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہے، اور اسلام سے خارج ہونے کا اعتراف نہیں کرتا جیسے قادیانی، یہ لوگ اسلام سے تو خارج ہیں لیکن اپنے مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں، اور یہ نہیں کہتے کہ ہم اسلام سے خارج ہوگئے ہیں۔

لہٰذا اگر صرف "التارک لدینہ" کہا جاتا، اور "المفارق للجماعۃ" کی قید نہ لگاتے تو صرف مرتد کی پہلی قسم اس میں داخل ہوتی اور دوسری قسم داخل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ "التارک لدینہ" وہ ہے جو کھلم کھلا یہ کہے کہ میں اسلام کو چھوڑتا ہوں، لیکن جب "المفارق للجماعۃ" کا لفظ بڑھادیا تو اس سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ چاہے وہ مرتد اسلام سے خارج ہونے کا اعتراف نہ کررہا ہو، لیکن اگر اس نے کوئی ایسا عقیدہ اختیار کرلیا ہے جو جماعت المسلمین کے عقیدے سے مختلف ہے اور ضروریات دین کا انکار کرارہا ہے تب بھی وہ مرتد کے حکم میں داخل ہے۔ لہٰذا "المفارق للجماعۃ" کا فائدہ یہ ہوا کہ اس میں مرتد کی دوسری قسم بھی داخل ہوگئی، چاہے وہ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ دونوں صورتیں اس میں داخل ہوگئیں۔ اگر

"المفارق للجماعۃ" کا لفظ نہ ہوتا اور صرف "التارک لدینہ" ہوتا تو اس صورت میں اس بات کا احتمال تھا کہ اس سے وہ مرتد مراد ہوتا جو کھلم کھلا یہ کہے کہ میں اسلام کو نہیں مانتا۔ اس لئے "المفارق للجماعۃ" کی صفت سے یہ فائدہ حاصل ہوگیا۔

باب ماجاء فیمن یقتل نفسا معاهدا

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: الا من قتل نفسا معاهدة له ذمة الله وذمة رسوله فقد اخفر بذمة الله فلا يرح رائحة وان ريحها لتوجد من مسيرة سبعين خريفا﴾ (۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی معاہدے والی جان قتل کی جس کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ تھا کہ اس کی جان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، تو اس شخص نے اللہ کے ذمے کی عہد شکنی کی، لہٰذا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا اور جنت کی خوشبو ستر خریف یعنی ستر سال کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔ گویا کہ جس شخص نے کسی ذمی کو قتل کیا، وہ جنت کے قریب بھی نہیں آئے گا۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی صلی الله عليه وسلم ودی العامريين بدية المسلمين وكان لهما عهد من رسول الله صلی الله عليه وسلم﴾ (۲۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عامری شخصوں کی وہی دیت دلوائی جو مسلمانوں کی دیت ہوتی ہے۔ یعنی مسلمان اور ذمی کی دیت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا عہد تھا، یعنی وہ دونوں ذمی تھے۔

مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے

حدیثِ باب میں جمہور فقہاء کی دلیل ہے، ان کے نزدیک ذمی کی بھی وہی دیت ہے جو دیت

مسلمان کی ہے، کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل دلیل قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله﴾

یعنی جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے، اگر وہ مقتول اس میں سے ہو تو اس کی دیت اس کے خاندان والوں کے سپرد کردی جائے گی۔ اس آیت میں دیت کا لفظ مطلق آیا ہے، اور مسلمان کی دیت اور ذمی کی دیت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ البتہ آگے بعض روایات آرہی ہیں جن میں ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت سے یا تو نصف قرار دیا گیا ہے یا ثلث قرار دیا گیا ہے، اور بعض فقہاء نے ان کو اختیار کیا ہے۔ لیکن وہ تمام روایات اس آیت قرآنی اور حدیثِ باب کے مقابلے میں مرجوح ہیں، اور سند کے اعتبار سے بھی ضعیف ہیں، اس لئے جمہور نے ان کو اختیار نہیں کیا۔(۲۱)

باب ماجاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو

﴿حدثنی ابوهریرة رضی الله عنه قال: لما فتح الله علی رسوله مکة قام فی الناس فحمد الله واثنی علیه ثم قال: ومن قتل له قتیل فهو بخیر النظرین اما ان یعفو واما ان یقتل﴾ (۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے مکہ فتح کرادیا تو آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: اگر کسی شخص کا کوئی عزیز قتل کردیا گیا ہے تو اس کو دو اختیار ہیں: یا تو معاف کردے یا قاتل کو قتل کردے۔

مکہ مکرمہ کو صرف حضور ﷺ کے لئے تھوڑی دیر کے لئے حلال کیا گیا تھا

﴿عن ابی شریح الکعبی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان الله حرم مکة ولم یحرمها الناس من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلا یسفکن فیها دما ولا یعضدن فیها شجرا فان ترخص مترخص فقال احلت لرسول الله صلی الله علیه وسلم فان الله احلها لی ولم یحلها للناس وانما احلت لی ساعة من

نھار ثم ھی حرام الی یوم القیامۃ ثم انکم معشر خزاعۃ قتلتم ھذا الرجل من ھذیل وانی عاقلہ فمن قتل لہ قتیل بعد الیوم فاھلہ بین خیرتین: اما ان یقتلوا اویاخذوا العقل ﴾ (۲۳)

حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت عطا کی ہے، لوگوں نے نہیں دی۔ لہٰذا جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ ہرگز اس میں کوئی خون نہ بہائے اور نہ کسی خود رو درخت کو کاٹے، اور اگر کوئی رخصت حاصل کرنے والا رخصت حاصل کرنا چاہے۔ یعنی کوئی شخص فتح مکہ کے واقعہ سے استدلال کر کے یہ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ حلال کیا گیا تھا۔ تو (یاد رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کیا تھا اور لوگوں کے لئے حلال نہیں کیا۔ اور میرے لئے بھی صرف دن کے ایک حصے میں حلال کیا تھا اور پھر قیامت تک یہ حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر اے قبیلہ خزاعہ کے لوگو! تم نے قبیلہ ہذیل کے اس شخص کو قتل کیا اور میں اس کی دیت دے رہا ہوں۔ یہ قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے، انہوں نے فتح مکہ کے زمانے میں زمانہ جاہلیت کے خون کے بدلے میں قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو قتل کردیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ اگر اسی طرح بدلے کا سلسلہ جاری رہا تو یہ دشمنی کی آگ بھڑکتی رہے گی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت خود ادا کردی۔ پھر فرمایا کہ جس شخص کا کوئی آدمی مارا جائے تو اس کے ورثاء کو دو اختیار ہوں گے، یا تو قاتل کو قتل کردیں یا دیت وصول کرلیں۔

اسی باب کی دوسری حدیث

﴿ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قتل رجل فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدفع القاتل الی ولیہ فقال القاتل: یارسول اللہ! واللہ ما اردت قتلہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اما انہ ان کان صادقا فقتلتہ دخلت النار فخلاہ الرجل وکان مکتوفا بنسعۃ قال: فخرج یجر نسعتہ فکان یسمی ذاالنسعۃ ﴾ (۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک

شخص کا قتل ہوگیا، قاتل کو ولی مقتول کے حوالے کردیا گیا تاکہ وہ قصاص لے لے۔ قاتل نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی مقتول سے فرمایا کہ اگر یہ اپنے اس قول میں سچا ہے کہ اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں تھا پھر بھی تم نے اس کو قصاصاً قتل کردیا تو تم جہنم میں داخل ہو گے۔ چنانچہ ولی مقتول نے قاتل کو چھوڑ دیا، قصاص نہیں لیا۔ اس قاتل کے کندھے پر ایک تسمہ بندھا ہوا تھا، جب اس کو چھوڑا گیا تو وہ اپنا تسمہ کھینچتا ہوا لے جارہا تھا، اس کی وجہ سے اس قاتل کا لقب "تسمے والا" پڑ گیا۔

کسی کو ناحق قصاص میں قتل نہ کیا جائے

اس حدیث میں یہ بتادیا گیا کہ اگر کسی کو ناحق قصاص میں قتل کردیا جائے تو اس صورت میں قتل کرنے والے پر الٹا عذاب ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا بے گناہ ہونا اور غیر مستوجب قصاص ہونا واضح ہوجائے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیانۃً یہ حکم بیان فرمایا، قضاءً نہیں، قضاءً تو یہ حکم ہے کہ جب قاتل ہونا ثابت ہوجائے تو محض اس کے قسم کھالینے سے قصاص ساقط نہیں ہوگا، لیکن اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہ قاتل ٹھیک کہہ رہا ہے تو اس صورت میں دیانۃً اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔

باب ماجاء فی النهی عن المثلة

﴿عن سليمان بن بريدة عن ابيه رضی الله عنه قال: كان رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا بعث اميرا علی جيش اوصاه فی خاصة نفسه بتقوی الله ومن معه من المسلمين خيرا فقال: اغزوا بسم الله وفی سبيل الله قاتلوا من كفر بالله اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا وفی الحديث قصة﴾ (۲۵)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اس کو خاص طور پر اللہ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے، اور

اس کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے کہ اللہ کے راستے میں اللہ کے نام سے جہاد کرو۔ کافروں سے قتال کرو، جہاد کرو اور مال غنیمت میں خیانت مت کرو اور عہد شکنی نہ کرو اور نہ کسی کو مثلہ کرو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو۔

عن شداد بن اوس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان الله کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة ولیحد احدکم شفرته ولیرح ذبیحته (۲۶)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ جب تم کسی کو قتل کرو تو قتل کرنے کی ہیئت اچھی بناؤ۔ "قتلہ" "بکسر القاف" "فعلہ" کے وزن پر ہے، یہ اسم ہیئت ہے۔ جیسے "جلسہ" بیٹھنے کی ہیئت، اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کی ذبح کرنے کی ہیئت اچھی بناؤ۔ یعنی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، اور چاہئے کہ تم اپنی چھری کو تیز کرلو۔ "شفرۃ" چھری، پھل، اور آج کل استرے کو بھی "شفرۃ" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ کند ہوگی تو جانور کو تکلیف زیادہ ہوگی۔ اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔

باب ماجاء فی دیة الجنین

عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه ان امراتین کانتا ضرتین فرمت احدهما الاخری بحجر او عمود فسطاط، فالقت جنینها فقضی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الجنین غرة عبدا او امة وجعله علی عصبه المراة (۲۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں جو آپس میں سوکنیں تھیں۔ ایک ہی آدمی کی بیویاں تھیں اور سوکنوں میں لڑائی ہونا ضروری ہے۔ تو ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر یا خیمے کا ستون پھینک مارا، اس کے نتیجے میں جس عورت کو مارا تھا، اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) گر گیا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین میں "غرۃ" کا فیصلہ فرمایا۔ یعنی غلام یا باندی اس عورت کو دی جائے گی جس کا جنین گرایا گیا اور یہ "غرۃ" عورت کے عصبہ پر واجب

فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنین گرادے تو اس کے ذمے "غرة" یعنی ایک غلام یا ایک باندی دینا واجب ہوگا، اور جہاں غلام باندی نہ ہو جیسے آج کل موجود نہیں ہیں، تو اس صورت میں پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم دینے ہوں گے۔

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قضی رسول الله صلی الله عليه وسلم فی الجنين بغرة عبداوامة فقال الذی قضی عليه: انعطی من لا شرب ولا اكل ولا صاح فاستهل، فمثل ذلك يطل فقال النبی صلی الله عليه وسلم: ان هذاليقول بقول الشاعر بلی فيه عرة عبداوامة﴾ (۲۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے بارے میں "غرة" غلام یا باندی دینے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا: کیا ہم اس کی دیت دیں جس نے نہ پیا، نہ کھایا، اور نہ چیخا اور نہ رویا، اس جیسا تو ہدر ہونا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آدمی تو شاعری کررہا ہے، کیوں نہیں، اس میں ایک "غرة" واجب ہے، غلام یا باندی۔

باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر

﴿حدثنا ابوجحيفة قال: قلت لعلی رضی الله عنه: يا امير المؤمنين! هل عندكم سوداء فی بيضاء ليس فی كتاب الله؟ قال: والذی فلق الحبة وبرا النسمة ماعلمته الا فهما يعطيه الله رجلا فی القرآن وما فی الصحيفة قال: قلت: ومافی الصحيفة؟ قال: فيها العقل وفكاك الاسيروان لايقتل مؤمن بكافر﴾ (۲۹)

حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، یا امیر المؤمنین! کیا آپ حضرات کے پاس کوئی کالی چیز ہے جو سفید چیز میں لکھی ہوئی ہو؟ سفید سے مراد ہے کاغذ، کالی سے مراد ہے سیاہی۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو۔ یہ سوال اس لئے کیا کہ روافض اور سبائیوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، اور آپ نے ان کو ایسی وصیتیں فرمائی ہیں اور ایسی باتیں لکھوائی ہیں جو اوروں کو نہیں لکھوائیں اور نہ اوروں کو بتائیں، تو حضرت ابوجحیفہ نے رافضیوں کے اس پروپیگنڈے کو ختم کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا۔ جب دانہ زمین میں ڈالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پھاڑتے ہیں، ان اللہ فالق الحب والنوی۔ اور جس ذات نے روح کو پیدا کیا، میرے علم میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کتاب اللہ میں نہ ہو، اور مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر بتائی ہو، سوائے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو قرآن میں عطا فرمادیں۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن کریم میں فہم عطا فرمادیتے ہیں اور وہ قرآن کریم میں تدبر کرتا ہے تو بعض اوقات اس پر قرآن کریم کے ایسے لطائف اور اسرار منکشف ہوتے ہیں کہ جو اس سے پہلے لوگوں کو معلوم نہیں تھے، وہ فہم اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمادے، اور میں قرآن کریم کی تفسیر اور تاویل میں کوئی بات کہوں جو اوروں کو معلوم نہیں ہے تو وہ الگ بات ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی الگ سے احکام نہیں دیئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اشتثناء تو فہم کا کیا۔

کیا حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو کوئی خاص وصیت فرمائی تھی؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا اشتثناء صحیفہ کا فرمایا کہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ارشادات ہیں جو میں نے لکھ لئے تھے۔ انہوں نے پھر سوال کیا اچھا اس صحیفے میں کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے کیا کہ تاکہ غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کا یہ منشاء اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ اس صحیفے میں تو خاص وصیت لکھی ہوئی تھی کہ تم میرے بعد خلیفہ بنو گے۔ اس لئے آپ سے پوچھ لیا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں، اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں، یعنی کن حالات میں قیدی کو چھوڑا جائے اور کن حالات میں نہ چھوڑا جائے، اور یہ کہ کوئی مؤمن کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

ذمی کے قتل کا قصاص مسلمان سے لیا جائے گا؟ فقہاء کا اختلاف

اس حدیث کے آخری جملے وان لایقتل مؤمن بکافر سے ائمہ ثلاثہ نے اس بات پر

استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمّی کو قتل کر دے تو مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک ذمّی کو قتل کرنا بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کو قتل کرنا۔ لہٰذا جس طرح مسلمان کے قتل سے قصاص لازم آتا ہے ایسے ہی ذمّی کو قتل کرنے سے بھی قصاص لازم آجائے گا۔

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کی پہلی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے: ان النفس بالنفس اس آیت میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ذمّہ کو قتل کرنے پر کیسی شدید وعیدیں بیان فرمائیں، یہاں تک فرمایا کہ جو شخص اہل ذمّہ کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔ حالانکہ وہ اہل ذمّہ کافر ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے قتل پر اتنی شدید وعید بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنا۔

اور یہ کہ جب ذمّی سے یہ کہہ دیا گیا کہ اس کی جان محفوظ ہے تو اب اس کی جان میں اور مسلمان کی جان میں دنیاوی احکام کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہ رہا، چنانچہ اسی وجہ سے متعدد صحابہ کرام سے اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ذمّی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا۔ یہ حنفیہ کی دلیل ہے۔

حدیثِ باب کا جواب

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے، جس میں فرمایا کہ "لا یقتل مؤمن بکافر" حنفیہ کی طرف سے اس جملے کی تین توجیہات کی گئی ہیں: ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے، یعنی کسی مؤمن کو کسی حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایات میں اس جملے کے بعد ایک جملہ اور ہے ولا ذوعهد فی عهده یعنی کسی ذمّی کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں ذوعهد کا عطف "کافر" پر ہے۔ اور عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "کافر" سے مراد "حربی" ہے اور "ذوعہد" سے مراد "ذمی" ہے۔

اس حدیث کی دوسری توجیہ یہ کی ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی گواہی پر قتل نہیں کیا جائے

گا۔

تیسری توجیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے، وہ یہ کہ اس جملے کی مراد یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: الا ان دماء الجاهلية موضوعة یعنی جاہلیت کے خون اب معاف کردیئے گئے ہیں۔ اگر زمانہ جاہلیت میں کسی کو کسی نے قتل کیا تھا تو اس کے بدلے میں مسلمان ہونے کے بعد اب قتل نہیں کیا جائے گا۔ اب اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ مؤمن کو اس کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا جس کو اس مؤمن نے زمانہ جاہلیت میں قتل کیا تھا۔ (۳۰)

باب ماجاء فی الرجل یقتل عبده

﴿عن سمرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه﴾ (۳۱)

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے، ہم اس کو قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹے، ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مولیٰ اپنے غلام کے خلاف کوئی جنایت کرے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

اپنے غلام کو قتل کرنے سے قصاص نہیں آئے گا

لیکن یہ حدیث ائمہ اربعہ کے ہاں معمول بہ نہیں ہے، تمام ائمہ یہ کہتے ہیں کہ اپنے غلام کو قتل کرنے سے قصاص نہیں آتا۔ اور بعض روایات بھی اس پر شاہد ہیں۔ اور عقلی وجہ یہ ہے کہ غلام کا قصاص لینے کا حق مولیٰ کو ہوتا ہے، اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر قاتل خود ایسا ہے جس کو استیفاء قصاص کا حق حاصل ہے تو اس کا قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ مطالب اور مطالب ایک نہیں ہوسکتے۔

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے۔ اس میں جمہور فقہاء یہ تاویل کرتے ہیں کہ "عبدہ" سے مراد "عبدہ السابق المعتق" ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے آزاد کردہ غلام کو قتل کرے۔ وہ غلام مراد نہیں جو اس وقت اس کی رقیت میں موجود ہے۔ بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ

حکم محض زجر کے لئے آپ نے دیا تھا تاکہ لوگ ایسا اقدام نہ کریں۔ لیکن یہ توجیہ میرے نزدیک درست نہیں، اس لئے کہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محض زجر کے لئے خلاف واقعہ ایک بات کہہ دی۔ البتہ اس تاویل کی یہ توجیہ کرسکتے ہیں کہ زجر سے مراد یہ ہے کہ وہ مولیٰ اگرچہ مستوجب قصاص تو نہیں ہوتا لیکن تعزیراً ہم اس کو قتل کرسکتے ہیں۔

باب ماجاء فی المراة ترث من دیة زوجها

﴿عن سعید بن المسیب ان عمر رضی الله عنه کان یقول: الدیة علی العاقلة ولا ترث المراة من دیة زوجها شیئا حتی اخبره الضحاك بن سفیان الکلابی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کتب الیه ان ورث امراة اشیم الضبابی من دیة زوجها﴾ (۳۲)

حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت عاقلہ پر واجب ہوگی۔ اور عورت اپنے شوہر کی دیت سے بطور میراث کے کچھ حصہ نہیں پائے گی۔ یہاں تک کہ حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اپنے شوہر کی دیت سے وارث بناؤ۔ یہ حدیث سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور بیوی کو شوہر کی دیت میں حصہ دار بنانے لگے۔ چنانچہ اب تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دیت کے مالک تمام ورثاء ہوتے ہیں، چاہے مذکر ہوں یا مونث ہوں۔

مقتول شوہر کی دیت بیوی کو بھی ملے گی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شبہ کا منشاء یہ تھا کہ دیت عاقلہ سے وصول کی جاتی ہے، اور عاقلہ میں صرف مذکر داخل ہوتے ہیں، مونث نہیں۔ لہٰذا جب دیت دینے میں عورت شامل نہیں تو لینے میں کیوں شامل ہو۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شروع میں یہ فیصلہ کیا، لیکن بعد میں جب نص سامنے آگئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت میں سے عورت کو دینے کا حکم فرمایا تھا تو آپ نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔

عاقلہ کون ہوں گے؟

قتل خطا اور قتل شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عاقلہ کون ہوں گے؟ خاص طور پر ہمارے دور میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا ہے۔ جب قبائلی زندگی تھی اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلے کے لوگ قریب قریب رہتے تھے، اور ان کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا تھا، اس لئے ہر شخص کا قبیلہ اس کی "عاقلہ" تھی، وہ دیت ادا کرتا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاقلہ ہونے کا دارومدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کے درمیان باہم تعاون اور تناصر ہے، وہ اس کی عاقلہ ہے۔ لہٰذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں، اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے تو وہ قبیلہ اس کی عاقلہ ہے، وہ اس کی دیت ادا کرے۔ اور اگر قبیلہ نہیں ہے، لیکن منظم برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے۔ اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کی عاقلہ اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں تو دیت عاقلہ پر ہوتی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اہل دیوان کو عاقلہ مقرر کردیا تھا۔ اہل دیوان کا مطلب یہ ہے ایک دیوان (رجسٹر) میں جن لوگوں کے نام درج ہیں۔ مثلاً وہ ایک محکمے کے ملازم ہیں۔ یا مثلاً ایک فوجی یونٹ کے سپاہی ہیں۔ ان سب کو آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ قرار دے دیا تھا۔ چاہے قبیلے کے لحاظ سے وہ آپس میں متحد ہوں، یا نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار تعاون اور تناصر پر ہے۔ لہٰذا جس گروہ کے درمیان باہم تعاون اور تناصر پایا جائے گا، اس کو اس کی عاقلہ کہہ سکتے ہیں۔ اور جہاں یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کی عاقلہ کون ہے؟ تو اس صورت میں دیت خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔

دیت عاقلہ پر اس لئے واجب کی ہے تاکہ عاقلہ اس کو اس قسم کے جرائم سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمادہ نہ ہو، اور اگر کبھی قتل پر آمادہ ہو تو عاقلہ اس کو روکے۔ اور یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی۔ اور ایک فرد سے ایک سال میں تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کئے جائیں گے۔

باب ماجاء فی القصاص

﴿عن عمران بن حصین رضی الله عنه ان رجلا عض ید رجل فنزع یده فوقعت ثنیتاه فاختصما الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: یعض احدکم اخاه کما یعض الفحل لادیة لک فانزل الله تعالی: والجروح قصاص﴾ (۳۳)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا، یعنی دانتوں سے چک مارا، تو جس شخص کا ہاتھ کاٹا تھا اس نے اپنا ہاتھ کھینچا، اس کے نتیجے میں کاٹنے والے کے دو دانت گر پڑے۔ چنانچہ وہ دونوں فیصلے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جس کے دانت ٹوٹ گئے تھے، اس نے قصاص کا مطالبہ کیا ہوگا کہ مجھے اس سے قصاص دلوایا جائے، اس لئے کہ اس نے میرے دانت توڑ دیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو اس طرح کاٹتا ہے جس طرح اونٹ کاٹتا ہے، تمہارے لئے کوئی دیت نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جس شخص نے تمہارے دانت توڑے اس نے اپنی مدافعت کا حق استعمال کیا، اگر اس دفاع کی وجہ سے تم کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس نقصان کا ضمان دفاع کرنے والے پر نہیں ہے، نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے۔

اپنے دفاع کا حق کس حد تک حاصل ہوگا؟

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہم اصول بتادیا کہ ہر انسان کو اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اپنے دفاع کے لئے وہ کوئی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے تو وہ ضامن نہیں، بشرطیکہ اس نے اپنے دفاع میں اتنا ہی عمل کیا ہو جتنا عمل دفاع کے لئے ضروری تھا۔ مثلاً ایک شخص نے تمہاری کلائی موڑ دی تو تم اپنے دفاع میں اس کو ایک مکہ مار دو تو دفاع ہوجاتا، لیکن تم نے اٹھ کر گولی مار دی تو یہ دفاع میں تجاوز ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے دفاع کے اس حق میں تجاوز کرے تو پھر دفاع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس صورت میں عدالت اور قاضی یہ فیصلہ کرے گا کہ اس شخص نے اپنے دفاع میں جن حالات میں یہ عمل کیا تھا، کیا ان حالات میں دفاع کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ یہ عمل کرتا؟ یا اس سے کم میں کام چل سکتا تھا، مگر اس نے تجاوز کرکے دوسرے کو قتل کردیا تو اس صورت میں قصاص لیا جائے گا۔

باب ماجاء فی الحبس فی التهمة

﴿عن بهز بن حکیم عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم حبس رجلا فی تھمة ثم خلی عنه﴾ (۳۴)

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت میں قید فرمایا۔ یعنی کسی شخص پر کوئی تہمت تھی کہ اس نے فلاں جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اور ابھی وہ جرم ثابت نہیں ہوا تھا، آپ نے اس کو قید کرلیا اور بعد میں اس کو چھوڑ دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص متہم بالجرم ہے تو اس کو قید کیا جاسکتا ہے حالات کی تحقیق کے لئے، مگر صرف قید کیا جائے، کوئی سزا نہ دی جائے۔ پھر تحقیق کے بعد اگر جرم ثابت ہوجائے تو اس جرم کے مطابق سزا جاری کی جائے۔ اگر جرم ثابت نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

باب ماجاء فی من قتل دون ماله فهو شهید

﴿عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من قتل دون ماله فهو شهید ومن قتل دون دمه فهو شهید ومن قتل دون دینه فهو شهید ومن قتل دون اهله فهو شهید﴾ (۳۵)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کے مال پر حملہ آور ہوا، اور اس نے اپنے مال کو بچانے کے لئے اس کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں مارا گیا تو وہ شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے خون کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کی جان پر حملہ آور ہوا، اور وہ دوسرا شخص اپنے دفاع میں لڑتا ہوا مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے، اور جو شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

یہ سب شہداء وہ ہیں جو دنیاوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے

بھی شہید ہیں۔ لہٰذا ان کو غسل نہیں دیا جائے گا اور ان کو ان کے کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے گا۔ بعض شہداء وہ ہوتے ہیں جو دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے، لیکن آخرت کے اعتبار سے شہید ہوتے ہیں۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص اوپر سے گر کر مرجائے تو وہ شہید ہے۔ یا حادثے میں کسی کا انتقال ہوجائے تو وہ شہید ہے۔ یا طاعون میں انتقال ہوجائے تو وہ شہید ہے۔ یہ سب آخرت کے اجر و ثواب کے اعتبار سے تو شہید ہیں، لیکن دنیاوی احکام کے اعتبار سے ان پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ لہٰذا ان کو غسل دیا جائے گا۔

باب ماجاء فی القسامة

﴿عن سهل بن ابی حثمة قال قال يحيی: وحسبت عن رافع بن خديج انهما قالا: خرج عبد الله بن سهل بن زيد ومحيصة بن مسعود بن زيد حتی اذا كانا بخيبر تفرقا فی بعض ما هناك ثم ان محيصة وجد عبد الله بن سهل قتيلا قد قتل فاقبل الی رسول الله صلی الله عليه وسلم هو وحويصة ابن مسعود وعبدالرحمن بن سهل وكان اصغرالقوم ذهب عبدالرحمن ليتكلم قبل صاحبه قال له رسول الله صلی الله عليه وسلم: كبر الكبر فصمت وتكلم صاحباه ثم تكلم معهما فذكروا لرسول الله صلی الله عليه وسلم مقتل عبدالله بن سهل فقال لهم: اتحلفون خمسين يمينا فتستحقون صاحبكم اوقا تلكم قالوا: كيف نحلف ولم نشهد؟ قال: فتبرئكم يهود بخمسين يمينا قالوا: كيف نقبل ايمان قوم كفار؟ فلما رای ذلك رسول الله صلی الله عليه وسلم اعطی عقله﴾ (۳۶)

حضرت سہل بن ابی حثمہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما یہ دونوں صحابی یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید رضی اللہ عنہما (یہ دونوں صحابی آپس میں چچا زاد بھائی تھے) یہ دونوں صحابی ایک ساتھ نکلے، یہاں تک کہ دونوں خیبر پہنچ کر جدا ہوگئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا۔ چنانچہ یہ خود حضرت محیصہ اور ان کے بھائی حضرت حویصہ بن مسعود اور

عبدالرحمٰن بن سہل جو مقتول حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ یہ تینوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ عمر میں تینوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بولنا چاہا۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ مقتول کے بارے میں بات کرنی ہے اور مقتول میرے حقیقی بھائی ہیں، اور محیصہ اور حویصہ یہ دونوں چچا زاد بھائی ہیں، اس لئے قرابت کے اعتبار سے میرا زیادہ حق ہے کہ میں بات کروں۔ اس لئے انہوں نے بات کرنی شروع کی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے کو بڑائی دو، یعنی جو آدمی عمر میں بڑا ہے اس کو مقدم رکھو۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو یہ بتائیں کہ تم چھوٹے ہو اور اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ آئے ہو، اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تم گفتگو نہ کرو بلکہ جو تمہارے ساتھ بڑے آئے ہیں وہ گفتگو کریں۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ جب کوئی چھوٹا بڑے کے ساتھ جائے تو اس کو چاہئے کہ گفتگو کرنے میں پہل نہ کرے بلکہ بڑوں کو اس بات کا موقع دے کہ وہ گفتگو کا آغاز کریں۔ چنانچہ یہ خاموش ہوگئے اور ان کے چچا زاد بھائیوں نے بات کرنی شروع کی۔ اور پھر انہوں نے ان دونوں کے ساتھ بات کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر گفتگو کا آغاز بڑے نے کردیا تو اب اثناء گفتگو میں چھوٹا بھی بول لے تو یہ ادب کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا واقعہ ذکر کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھانے کو تیار ہو جس کے نتیجے میں تم اپنے صاحب کے مستحق بن جاؤ؟ راوی کو شک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "صاحب" کا لفظ فرمایا تھا یا "قاتل" کا لفظ فرمایا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تم پچاس قسمیں کھا کر یہ کہہ دو کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو تم کو قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم کیسے قسمیں کھالیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے جب کہ قتل کا واقعہ ہم نے دیکھا نہیں ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو خیبر کے یہودی پچاس قسمیں کھا کر تم کو بری کردیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے قسمیں لیں گے اس بات پر کہ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: ہم کیسے کافر لوگوں کی قسموں کو قبول کرلیں؟ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دیکھی تو آپ نے ان کی دیت بیت المال سے ادا کردی۔

قسامت کا مسئلہ

یہ واقعہ "قسامت" کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ "قسامت" ایک بہت پیچیدہ فقہی مسئلہ ہے۔ اور اس کی تفصیلات میں فقہاء کرام کے درمیان اتنا شدید اختلاف ہے کہ امام ابن المنذر جنہوں نے اجماع کے موضوع پر "کتاب الاجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "قسامت کے بارے میں کوئی مسئلہ متفق علیہ اور مجمع علیہ نہیں ہے سوائے ایک مسئلے کے، وہ یہ کہ "قسم اللہ کی کھائی جائے گی" اس پر صرف اتفاق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مسئلہ بھی متفق علیہ نہیں ہے، اتنا شدید اختلاف ہے اور پھر ہر فقیہ کے ہاں "قسامت" کا تصور مختلف ہے۔ اور پھر اس مسئلے کے سمجھنے میں بھی بہت غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔ اور حدیث کی شروح میں اس مسئلے کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ سے بھی بڑا خلجان واقع ہوا ہے اور ایک دوسرے کے مذاہب بیان کرنے میں غلطیاں ہوئی ہیں۔

قسامت کب مشروع ہوتی ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ قسامت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی جگہ مقتول پایا جائے اور اس کے قتل کے واقعہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو۔ اب حنفیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ کار یہ ہے کہ قسامت اس وقت واجب ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر مقتول پایا جائے جو جگہ یا تو کسی فرد واحد کی ملکیت میں ہے یا کچھ افراد کی مشترک ملکیت میں ہے۔ مثلاً کوئی مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا گیا، تو بھی قسامت واجب ہوگی، یا مقتول محلے میں ایسی جگہ پر پایا گیا جو پورے محلے کی مشترک ملکیت سمجھی جاتی ہے، اس وقت بھی قسامت واجب ہوگی۔ لیکن اگر وہ جگہ اہل محلہ کی مشترک ملکیت نہیں ہے۔ مثلاً شارع عام ہے اور اس پر کوئی مقتول پایا گیا تو اب قسامت واجب نہیں ہوگی۔ یا مثلاً دارالعلوم کا یہ احاطہ ہے، اس احاطے میں کوئی مقتول پایا جائے ــــ خدا نہ کرے ــــ تو قسامت ہوگی، اس لئے کہ یہ جگہ اہل دارالعلوم کی مشترک سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اگر دارالعلوم سے باہر سامنے والی سڑک پر کوئی مقتول پایا جائے تو قسامت واجب نہیں ہوگی۔

قسامت کا طریقہ

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اولیاء مقتول اس محلے کے لوگوں کو متہم کریں جس محلے سے مقتول

کی لاش برآمد ہوئی ہے، اس وقت قسامت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اولیاء مقتول یہ کہیں کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اہل محلہ نے قتل کیا ہے یا کوئی اور شخص قتل کر کے یہاں ڈال گیا ہے اور اہل محلہ کو متہم نہ کریں تب بھی قسامت نہیں ہوگی۔ اور اگر اولیاء مقتول یہ کہیں کہ ہمارا غالب گمان تو یہی ہے کہ جس محلے میں لاش ملی ہے اسی محلے کے لوگوں نے قتل کیا ہے، یا کم از کم ان اہل محلہ کو قاتل کا پتہ ہے۔ تو اس صورت میں قاضی اولیاء مقتول سے کہے گا کہ تم اہل محلہ میں سے پچاس آدمی منتخب کرو جن پر تمہیں شبہ ہے۔ چنانچہ اولیاء مقتول اہل محلہ میں سے پچاس آدمی منتخب کریں گے۔ پھر قاضی ان پچاس آدمیوں سے یہ کہے گا کہ تم سب ان الفاظ کے ساتھ قسم کھاؤ: باللہ ماقتلناہ وما علمنا لہ قاتلا یعنی ہم قسم کھاتے ہیں کہ نہ تو ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا پتہ ہے کہ کس نے قتل کیا ہے۔ اگر وہ لوگ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان کو قید میں رکھا جائے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ ان میں سے کوئی قتل کا اعتراف نہ کرے، یا قاتل کا پتہ بتادیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے، یا قسم کھانے پر راضی ہو جائیں۔ اور اگر وہ پچاس افراد مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ قسم کھالیں تو اس کے نتیجے میں پورے اہل محلہ پر اس مقتول کی دیت واجب کردی جائے گی۔ یہ طریقہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قسامت کا طریقہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قسامت اس وقت واجب ہوگی جب اولیاء مقتول اہل محلہ میں سے کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے بارے میں باقاعدہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے قتل کیا ہے، اور قرائن بھی اولیاء مقتول کے دعوے کی تائید کرتے ہوں۔ مثلاً یہ قرینہ ہو کہ جن لوگوں کے خلاف دعویٰ ہے ان کے ساتھ مقتول کی پرانی عداوت چلی آرہی تھی، یہ قرینہ ہے کہ ان کا دعویٰ صحیح ہے۔ یا مثلاً یہ قرینہ موجود ہے کہ اس مقتول کی اہل محلہ کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی، اور اس لڑائی کے بعد یہ شخص مقتول پایا گیا۔ یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قتل کرنے والے اسی محلے کے لوگ ہیں۔ ایسے قرینے کو شافعیہ "لوث" کا نام دیتے ہیں۔ لہٰذا شافعیہ کے نزدیک اگر دعویٰ کے ساتھ قرائن بھی موجود ہوں تو اس میں اولیاء مقتول کو قسم دی جائے گی، اور وہ اپنی قسم میں کہیں گے کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہی شخص یا یہ لوگ قاتل ہیں۔ اگر اولیاء مقتول نے قسم کھالی تو اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر صرف اولیاء مقتول کا دعویٰ ہو، لیکن تائید میں کوئی قرینہ موجود نہ ہو، تو اس صورت

میں اہل محلّہ سے انہی الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے گی کہ: باللہ ما قتلناہ وما علمنا لہ قاتلا۔
یا اگر دعویٰ کے ساتھ اس کی تائید میں کوئی قرینہ تو موجود ہو، لیکن اولیاء مقتول خود قسم کھانے سے انکار کردیں تو اس صورت میں بھی اہل محلّہ سے قسمیں لی جائیں گی کہ: باللہ ماقتلناہ وما علمنا لہ قاتلا اگر اہل محلّہ قسم کھالیں تو اہل محلّہ بری ہوجائیں گے، اور اب ان سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا۔

اور اگر اہل محلّہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو ان کا یہ انکار اس بات کا قرینہ بن جائے گا کہ اولیاء مقتول کا دعویٰ صحیح ہے اور اس صورت پر قرینہ پائے جانے والے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا اب پھر اولیاء مقتول کو قسم دی جائے گی کہ تم اس بات پر قسم کھاؤ کہ انہوں نے قتل کیا ہے۔ اگر اولیاء مقتول قسم کھالیں تو اہل محلّہ پر دیت واجب ہوجائے گی۔ اور اگر اولیاء مقتول نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو پھر دیت واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ بری ہوجائیں گے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اس مسلک میں آپ نے دیکھا کہ اگر اولیاء مقتول قسم کھالیتے ہیں تو اس صورت میں اہل محلّہ پر دیت آجاتی ہے۔ لیکن امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر دعویٰ قتل عمد کا تھا اور اولیاء مقتول قسم کھالیں تو اس صورت میں قصاص واجب ہوجائے گا، دیت نہیں آئے گی۔ گویا کہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک "قسامت" جرم کے اثبات کا ایک طریقہ ہے اور اس کے نتیجے میں مدعیٰ علیہ پر جرم ثابت ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اگر دعویٰ قتل عمد کا تھا تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو قصاص آجائے گا، البتہ شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں جرم تو ثابت ہوجائے گا لیکن قصاص نہیں آئے گا بلکہ دیت آئے گی۔

دوسرے یہ کہ شافعیہ کے مسلک میں آپ نے دیکھا کہ اگر اہل محلّہ قسم کھالیتے ہیں کہ باللہ ما قتلناہ وما علمنا لہ قاتلا تو اس صورت میں وہ بری ہوجاتے ہیں نہ ان پر دیت آئے گی اور نہ قصاص۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک قسم کھانے کے باوجود دیت واجب ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک "قسامت" جرم کو ثابت کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ذریعہ اہل محلّہ کے خلاف جرم ثابت نہیں ہوتا، لیکن اہل محلّہ پر ایک اجتماعی ذمہ داری عائد کردی جاتی ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ تم نے قتل نہیں کیا لیکن تمہارے محلّے میں قتل ہوا۔ اس لئے کہ تمہارا فرض تھا کہ اگر کوئی شخص تمہارے محلّے میں آکر کسی کو قتل کررہا ہے تو اس کو روکتے اور اپنے محلّے کا انتظام ایسا کرتے کہ یہاں پر کسی شخص کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہو۔ چونکہ تم نے حفاظت میں

کوتاہی کی، لہذا تم پر دیت واجب ہوگی۔

کیا قسامت کے لئے معین افراد کے خلاف دعویٰ ضروری ہے؟

آپ نے اوپر کی تفصیل میں دیکھ لیا کہ ہر امام کے نزدیک قسامت کی صورت مختلف ہے، اس لئے مواضع اختلاف کی تعیین بھی آسان نہیں ہے۔ البتہ بنیادی طور پر اختلافی مسئلے تین ہیں: پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ کیا قسامت کی مشروعیت کے لئے معین فرد یا افراد کے خلاف دعویٰ ضروری ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک معین فرد یا افراد کے خلاف دعویٰ ضروری ہے، دعویٰ کے بغیر قسامت نہیں ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معین افراد کے خلاف دعویٰ ضروری نہیں، البتہ صرف اتنا ضروری ہے کہ اولیاء مقتول اہل محلّہ کو اجمالاً متہم کریں۔ مثلاً یہ کہیں کہ ہمیں تو شبہ یہ ہے کہ اسی محلّے کے افراد میں سے کسی نے مارا ہے۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ قاضی کے پاس کوئی مقدمہ دعویٰ کے بغیر نہیں آسکتا، جب تک مدعی اور مدعا علیہ موجود نہ ہوں تو دعویٰ نہیں ہوسکتا۔ اور قاضی بھی اس وقت دخل اندازی کرتا ہے جب مدعی اور مدعیٰ علیہ متعین ہوں۔ اگر مدعی اور مدعا علیہ متعین نہیں ہیں تو پھر مقدمہ کیسے چلے گا اور قاضی کے پاس کیسے آئے گا؟ مثلاً کوئی شخص عدالت میں مقدمہ دائر کرے کہ میری کتاب چوری ہوگئی ہے تو قاضی یہ سوال کرے گا کہ کس نے چوری کی ہے؟ وہ مدعی کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کس نے چوری کی ہے، بس آپ مقدمہ چلاؤ۔ ظاہر ہے کہ قاضی اس طرح مقدمہ نہیں چلاسکتا جب تک کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ نہ کرے کہ فلاں نے چوری کی ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک مدعیٰ علیہ کی تعیین ضروری ہے۔

قسامت کے لئے دعویٰ ضروری نہیں ہے

حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ "قسامت" کا معاملہ عام مقدمات سے مختلف ہے، اس لئے عام مقدمات پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ معاملہ درحقیقت کسی کے خلاف کسی دعوے کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اجتماعی ذمہ داری کا اصول متعین کرنا ہے کہ اہل محلّہ پر نصرت اور حفاظت کا جو فریضہ عائد ہوتا تھا وہ انہوں نے پوری طرح ادا کیا یا نہیں کیا؟ لہٰذا اس میں کسی متعین مدعیٰ علیہ کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ اور حدیثِ باب میں خیبر کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھا کہ تمہارا دعویٰ کس کے خلاف ہے، اور نہ ہی

دعویٰ کرنے والوں نے یہ بتایا کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے، بلکہ صرف اتنا کہا کہ فلاں جگہ پر ہمارا مقتول پایا گیا ہے، لیکن کوئی متعین دعویٰ موجود نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپ نے قسامت جاری فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسامت کے لئے متعین دعویٰ ضروری نہیں، بلکہ مطلق اتہام پر بھی قسامت ہو سکتی ہے۔ یہ پہلا اختلافی مسئلہ تھا۔(۳۷)

قسمیں کون کھائے گا؟ فقہاء کا اختلاف

دوسرا مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اہل محلہ کو قسمیں دی جائیں گی، اگر وہ قسمیں کھالیں گے تو ان پر دیت بھی واجب ہوجائے گی۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خیبر والے واقعہ سے استدلال فرماتے ہیں کہ جب ان تین حضرات نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہی فرمایا کہ کیا تم پچاس قسمیں کھا سکتے ہو؟ جس کے نتیجے میں تم قاتل کے مستحق بن جاؤ۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اولیاء مقتول پر قسمیں پیش کیں۔ البتہ جب انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو پھر آپ نے فرمایا کہ پھر یہودی پچاس قسمیں کھا کر تم کو بری کر دیں گے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال اس واقعہ سے ہے جو بیہقی وغیرہ میں منقول ہے، وہ یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مقتول دو بستیوں "وادعہ" اور "شاکر" کے درمیان پایا گیا، آپ نے حکم دیا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ مقتول دونوں بستیوں میں سے کس بستی سے زیادہ قریب ہے۔ پیمائش وغیرہ سے پتہ چلا کہ وہ مقتول "وادعہ" سے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ آپ نے "وادعہ" کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ تم میں سے پچاس آدمی ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائیں:

﴿باللہ ما قتلناہ وما علمنا لہ قاتلا﴾

جب پچاس آدمی قسم کھا چکے تو آپ نے فرمایا کہ اب اس مقتول کی دیت ادا کرو، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ:

﴿لا ایماننا دفعت عن اموالنا ولا اموالنا دفعت عن ایماننا﴾

یعنی نہ تو ہماری قسموں نے ہمارے مال کا دفاع کیا اور نہ ہمارے مال نے ہماری قسموں کا دفاع کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے خلاف مثلاً رقم کا دعویٰ کرے، اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے قسم لی جاتی ہے اگر وہ قسم کھالے تو دعویٰ خارج، ورنہ جس رقم کا دعویٰ کیا ہے مدعیٰ علیہ وہ رقم ادا کرے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مدعیٰ علیہ قسم کھالے تو پیسے واجب نہیں ہوتے اور اگر پیسے دے دیتا ہے تو قسم واجب نہیں ہوتی۔ دونوں چیزیں یکجا جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایمان اموال کو دفع کردیتے ہیں اور اموال ایمان کو دفع کردیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:

﴿اما ایمانکم فلدفع القصاص عنکم﴾

یعنی تم سے جو قسم لی گئی، وہ اس لئے کہ تاکہ تم سے قصاص کو دفع کیا جائے۔ لہٰذا قسم کھانے کا فائدہ یہ ہوا کہ تم پر قصاص نہیں آیا۔ واما اموالکم فلان القتیل وجد بین ظهرانیکم اور دیت اس لئے لی جارہی ہے کہ مقتول تمہارے پاس پایا گیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کذالک قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مرفوع کے حکم میں ہوگیا۔ اور یہ حدیث حنفیہ کا مذہب بیان کرنے میں بالکل صریح ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایمان اہل محلہ کو دی گئیں اور پھر دیت بھی ان پر واجب کی گئی۔

شافعیہ کا استدلال اور اس کا جواب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں یہ مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، لیکن میں دس سے زیادہ مرتبہ "وادعہ" اور "شاکر" کی بستیوں میں گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو ہر شخص نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ واقعہ مستند معلوم نہیں ہوتا۔ حنفیہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اس واقعہ کی سند صحیح ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اس کو رد کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے کم

از کم ڈیڑھ سو سال بعد آئے۔ اور اگر کسی بستی میں جاکر اس واقعہ کی تحقیق کی جائے جو ڈیڑھ سو سال پہلے پیش آیا تھا اور اس واقعہ کو جاننے والا کوئی شخص نہ ملے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا، جب کہ اس کی سند بھی اس لئے قابل اعتماد ہے کہ یہ واقعہ متعدد طرق سے منقول ہے۔

خیبر کے واقعہ کا جواب

جہاں تک خیبر کے واقعہ کا تعلق ہے کہ اس میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اولیاء مقتول کو ابتداءً قسمیں دی گئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے واقعہ کے بیان میں روایات اتنی مختلف اور مضطرب ہیں کہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینا اور دوسری کو مرجوح قرار دینا مشکل ہے۔ حدیثِ باب میں جو روایت آئی ہے اس میں بیشک اولیاء مقتول کو قسمیں دی گئیں، لیکن دوسری روایات میں، جو میں نے تفصیل سے "تکملہ فتح الملہم" میں جمع کردی ہیں، ان روایات میں یہ ہے کہ قسمیں ابتداءً ہی یہودیوں کو دی گئیں۔ اور صحیح بخاری میں بھی ایک روایت ہے کہ ابتداءً قسمیں اہل محلہ ہی کو دی جائیں گی۔ اور جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ابتداءً اولیاء مقتول کو قسمیں دی گئیں تو ان کے بارے میں میرا غالب گمان یہ ہے ـــ واللہ سبحانہ اعلم ـــ کہ درحقیقت یہ اولیاء مقتول یعنی محیصہ اور حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس جوش کے ساتھ آئے تھے کہ ہمیں یہودیوں سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ ان کو یہودیوں نے قتل کیا ہے تو تمہیں چاہئے کہ تم بینہ پیش کرو۔ گواہ لاؤ۔ اور اگر گواہ نہیں ہے تو تم خود گواہی دو کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔ یہ مطالبہ آپ نے ان سے اس لئے کیا تاکہ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اور اتمام حجت ہوجائے کہ جب تمہارے پاس گواہ نہیں اور تم قسم کھانے کو بھی تیار نہیں تو پھر کسی پر قصاص کا دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت کے لئے ان سے قسم کا مطالبہ کیا، بطور مشروعیت کے مطالبہ نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے جواب میں کہا: کیف نحلف ولم نشهد؟ بہرحال، اصل مطالبہ ان سے یہ کیا گیا تھا کہ تم گواہی دو، لیکن بعض راویوں نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے گواہی کے لفظ کو یمین کے لفظ سے تعبیر کردیا کہ ان سے مطالبہ کیا گیا تم قسم کھاؤ۔ اور گواہی دینا اور قسم کھانا یہ دونوں معنی کے اعتبار سے اتنے قریب ہیں کہ ان میں صرف فنی فرق ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں گواہی کا لفظ موجود ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایک

راوی شہادت کا لفظ استعمال کررہا ہو، اور اسی کو بیان کرنے کے لئے کسی راوی نے یمین کا لفظ استعمال کرلیا ہو۔ ایسے موقع پر لفظ یمین بحیثیت یمین استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ بحیثیت شہادت استعمال ہوا ہے۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال اس معروف حدیث سے ہے کہ البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ اور قسامت میں مدعی اولیاء مقتول ہوتے ہیں اور اہل محلہ منکر ہوتے ہیں۔ اس لئے اس قاعدہ کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اہل محلہ کو قسم دی جائے۔(۳۸)

شافعیہ کی طرف سے اعتراض اور اس کا جواب

شافعیہ کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب آپ کے نزدیک اولیاء مقتول پر قسم نہیں بلکہ اہل محلہ پر قسم آئے گی، اس لئے کہ وہ منکر دعویٰ ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب اہل محلہ قسم کھالیں تو ان پر کچھ واجب نہ ہو، نہ قصاص اور نہ دیت، حالانکہ آپ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ اگر اہل محلہ قسم کھالیں تو ان پر دیت واجب ہوگی۔ حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس اشکال کا جواب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیا ہے، وہ یہ کہ قسم ان سے اس لئے لی گئی تاکہ ان پر سے قصاص ختم ہوجائے، اور دیت اس لئے واجب ہے کہ ان کی طرف سے حفاظت میں تقصیر اور کوتاہی پائی گئی۔ اس وجہ سے ان پر دیت واجب ہوئی۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیت ادا فرمائی اور اہل محلہ پر واجب نہیں کی۔ حنفیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیت بیت المال سے اس لئے ادا کی کہ وہ یہودی دیت ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ دیت اہل محلہ پر واجب ہوتی ہے --- چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے یہودیوں پر ہی دیت واجب کی تھی، لیکن بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمزوری کو مد نظر رکھتے ہوئے بیت المال سے دیت دے دی۔(۳۹)

قسامت کے نتیجے میں دیت آئے گی یا قصاص؟ فقہاء کا اختلاف

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قسامت کے نتیجے میں دیت واجب ہوتی ہے یا قصاص واجب ہوتا ہے؟

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دیت واجب ہوتی ہے۔ اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصاص بھی آجاتا ہے، مالکیہ اور حنابلہ حدیث باب کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں:

﴿اتحلفون خمسين يمينا فتستحقون صاحبكم﴾

یعنی تم نے اگر قسمیں کھالیں تو تم قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اور یہ الفاظ عموماً اس وقت استعمال کئے جاتے ہیں جب قاتل کو قصاص لینے کے لئے اولیاء مقتول کے حوالے کر دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسامت کے نتیجے میں قصاص بھی آسکتا ہے۔ لیکن حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ دوسری روایات میں اس بات کی صراحت ہے کہ قسامت کے نتیجے میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قسامت اثبات کا ایک ضعیف طریقہ ہے، اس سے قصاص اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک گواہی اور بینہ نہ ہو۔ شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

الحمد لله على منه وكرمه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب الحدود

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ماجاء فیمن لایجب علیہ الحد

﴿عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة : عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یشب وعن المعتوہ حتی یعقل﴾ (۴۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ یعنی ان پر سے تکلیف ساقط ہے۔ ایک سونے والا جب تک بیدار نہ ہوجائے، اس کو کسی بات کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دوسرا بچہ جب تک جوان اور بالغ نہ ہوجائے۔ تیسرے پاگل جب تک اس کے اندر عقل نہ آجائے۔ یہ تینوں مرفوع القلم ہیں۔ اس لئے ان میں سے کوئی جرم کا ارتکاب کرلے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

باب ماجاء فی درء الحدود

﴿عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم، فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ۔ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة﴾ (۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاں تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اسی وجہ سے یہ اصول ہے کہ اگر جرم کے ثبوت

میں ذرا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کے لئے حد سے نکلنے کا کوئی راستہ نکلتا ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، اس لئے کہ امام کا معافی میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ سزا میں غلطی کرے۔ یعنی غلطی سے کسی مجرم کو چھوڑ دے یہ اس کے بہ نسبت بہتر ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا دے دے۔ اس لئے اگر ذرا بھی شبہ پیدا ہو تو پھر سزا جاری نہ کی جائے۔

شبہ فی المحل اور شبہ فی الفعل

شبہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شبہ فی المحل اور دوسرے شبہ فی الفعل، مثلاً کسی شخص نے بیوی کی اجازت سے بیوی کی جاریہ سے زنا کرلیا، اس صورت میں زنا تو ہوا لیکن چونکہ وہ بیوی کی جاریہ تھی اور خود بیوی نے اجازت دے دی تھی، اس کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا کہ شاید اس کی اجازت ہو۔ اس کو شبہ فی المحل کہتے ہیں۔ ایسے شبہ کے موقع پر سیاستاً سزا تو دی جاسکتی ہے لیکن حد جاری نہیں ہوگی۔ دوسرا شبہ وہ ہے کہ ثبوت جرم ہی میں شبہ ہو کہ اس نے یہ فعل کیا ہے یا نہیں؟ اس صورت میں نہ تو حد جاری ہوگی اور نہ سیاستاً اور تعزیراً اس پر کوئی سزا جاری ہوگی۔ اس کو "شبہ فی الفعل" کہتے ہیں۔

باب ماجاء فی الستر علی المسلم

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب الاخرة ، ومن ستر علی مسلم ستره الله فی الدنیا والاخرة ۔ والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیه﴾ (۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کی دنیا کی ایک مصیبت دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی مصیبت دور کردیں گے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن سالم عن ابیه رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه۔ ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته۔ ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیامة، ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة﴾ (۴۳)

حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ (باقی ترجمہ وہی ہے جو حدیث سابق میں گزرا)

باب ماجاء فی التلقین فی الحد

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لماعز ابن مالک: احق مابلغنی عنک؟ قال: ما بلغک عنی؟ قال: بلغنی انک وقعت علی جاریة آل فلان، قال: نعم، فشهد اربع شهادات، فامربه فرجم﴾ (۴۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: کیا وہ بات سچ ہے جو تمہارے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے؟ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا بات پہنچی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے آل فلاں کی جاریہ سے صحبت کی ہے۔ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے چار مرتبہ گواہی دی۔ (یعنی اقرار کیا) پھر آپ نے حکم جاری کردیا اور ان کو رجم کردیا گیا۔

دونوں روایات میں تطبیق

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور آکر جب انہوں نے جرم

کا اعتراف کیا تو آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور دوسری طرف منہ موڑ لیا۔ انہوں نے پھر دوسری طرف سے آکر اعتراف کیا تو آپ نے پھر اعراض فرمایا۔ اس طرح چار دفعہ انہوں نے اعتراف کیا اور آپ نے اعراض فرمایا۔ جبکہ حدیثِ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو پہلے سے اطلاع پہنچ گئی تھی اور پھر آپ نے ان کو بلا کر پوچھا ــــ دونوں روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ کو اطلاع تو پہلے مل گئی تھی اور پھر آپ نے ان کو بلایا تھا، اور آپ کا خیال یہ تھا کہ وہ اگر انکار کر دیں گے تو معاملہ ختم کر دیں گے، لیکن انہوں نے آکر اقرار کر لیا کہ میں نے یہ جرم کیا ہے، اس وقت آپ نے اعراض فرمایا، پھر انہوں نے دوسری طرف سے آکر اقرار کیا تو آپ نے پھر اعراض فرمایا، یہاں تک کہ چار مرتبہ انہوں نے اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ نے رجم کا حکم دیا۔ اس طرح دونوں روایتیں اپنی جگہ درست ہیں۔

باب ماجاء فی درء الحد عن المعترف اذا رجع

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: جاء ماعز الاسلمی رضی الله عنه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: انه قد زنی فاعرض عنه ثم جاء من الشق الاخر فقال: انه قد زنی فاعرض عنه ثم جاء من الشق الاخر فقال یا رسول الله انه قد زنی فامر به فی الرابعة فاخرج الی الحرة فرجم بالحجارة، فلما وجد مس الحجارة فر یشتد حتی مر برجل معه لحی جمل، فضربه به وضربه الناس حتی مات، فذکروا ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم انه فر حین وجد مس الحجارة ومس الموت، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: هلا ترکتموه﴾ (۴۵)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے ان سے اعراض فرمایا۔ وہ پھر دوسری طرف سے آئے اور پھر کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر اعراض فرمایا۔ پھر وہ دوسری طرف سے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کیا ہے۔ جب انہوں نے اس طرح چوتھی مرتبہ اقرار کر لیا تو آپ نے پھر حکم جاری کیا اور ان کو حرہ کے مقام پر لے جایا گیا۔ "حرہ" کالی پتھروں والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ وہاں پر ان کو

پتھروں سے رجم کیا گیا۔ جب ان کو پتھروں کی تکلیف ہوئی اور وہ بھاگنے لگے حتی کہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی، اس نے وہ ہڈی ماری اور دوسرے لوگوں نے بھی ان کو مارا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ بعد میں صحابہ کرامؓ نے جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کی کہ جس وقت ان کو پتھروں کی تکلیف ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں تم نے ان کو نہ چھوڑ دیا۔ یعنی جب بھاگ کھڑے ہوئے تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے تھا۔

زانی کا چار مرتبہ اعتراف کرنا ضروری ہے۔ فقہاء کا اختلاف

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب تک مجرم چار مرتبہ اعتراف نہ کرلے اس وقت تک اس پر رجم کی سزا جاری نہیں ہوگی۔ اگر ایک یا دو مرتبہ اعتراف کرے تو یہ رجم کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ حضرات شافعیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ بھی اعتراف کرلے تو اس کو رجم کیا جائے گا۔ وہ حضرت عسیف کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ جب حضرت عسیف کے جرم کے بارے میں معلوم ہوگیا اور جرم ثابت ہونے کے بعد آپ نے حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

﴿اغد یا انیس الی امراة هذا فان اعترفت فارجمها﴾

اے اُنیس! اس عورت کے پاس جاؤ جس سے انہوں نے زنا کیا ہے، اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو رجم کردو۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: اعترفت اربع مرات بلکہ مطلق فرمایا کہ جب اعتراف کرلے تو رجم کردو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کا اعتراف کرلینا بھی کافی ہے۔ حنفیہؒ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ فان اعترفت کا مطلب یہ ہے کہ فان اعترفت بالطریق المعروف یعنی معروف طریقے کے مطابق اعتراف کرلے تو رجم کردو اور طریق معروف یہ ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرلے۔

مرجوم کا رجم کے وقت بھاگ جانا رجوع عن الاقرار ہے

اس حدیث سے حنفیہؒ دوسرا مسئلہ یہ نکالتے ہیں کہ اگر رجم کے دوران مرجوم شخص بھاگ کھڑا

ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنے اقرار سے رجوع کرلیا ہے، بشرطیکہ اس کے اقرار سے جرم ثابت ہوا ہو۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھلا ترکتموہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف بھاگنے سے رجوع عن الاقرار ثابت نہیں ہوگا، بلکہ جب تک وہ زبان سے رجوع نہ کرلے اس وقت تک اس کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں مسلکوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر وہ تکلیف کی وجہ سے بھاگا ہے تب تو حد ساقط نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ طبعی طور پر انسان تکلیف سے گھبراتا ہے، اس لئے اس بھاگنے سے رجوع ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ رجوع کرنے کے لئے بھاگا ہے تو اس وقت اس سے پوچھ لیا جائے کہ تم رجوع کرتے ہو؟ اگر وہ کہے کہ میں رجوع کرتا ہوں تو حد ساقط ہوجائے گی۔ البتہ حنفیہؒ کا ظاہری مسلک یہی ہے کہ وہ مرجوم خواہ تکلیف کی وجہ سے بھاگا ہو یا رجوع کرنے کے لئے بھاگا ہو، بہرصورت اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔(۴۶)

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه ان رجلا من اسلم جاء النبی صلی الله علیه وسلم فاعترف بالزنا، فاعرض عنه ثم اعترف فاعرض عنه حتی شهد علی نفسه اربع شهادات فقال النبی صلی الله علیه وسلم: ابک جنون؟ قال: لا قال احصنت؟ قال: نعم فامربه فرجم فی المصلی فلما اذلقته الحجارة، فر فادرک۔ فرجم حتی مات، فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم خیرا ولم یصل علیه﴾ (۴۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آکر زنا کا اعتراف کیا۔ چار مرتبہ اقرار کے بعد آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم پاگل ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم شادی شدہ ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے حکم دیا اور ان کو عید گاہ میں رجم کیا گیا۔ لیکن جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے ان کو پکڑ کر سنگسار کیا حتی کہ انتقال ہوگیا۔ آپ نے ان کے حق میں کلمہ خیر فرمایا۔ لیکن ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی (بلکہ دوسرے حضرات صحابہؓ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی)۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟

ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ تو نہیں پڑھی۔ لیکن غامدیہ جو خاتون تھی، ان کی نماز جنازہ ادا کی، اس میں کیا حکمت ہے؟۔ اس میں مجھے جو حکمت نظر آئی وہ یہ ہے کہ "غامدیہ" کے واقعہ میں یہ بات تھی کہ وہ عورت جانتی تھی کہ اقرار زنا کے بعد میرا یہ انجام ہونے والا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے زنا کا اقرار کیا، بلکہ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ ابھی تمہارے پیٹ میں بچہ ہے جب یہ بچہ پیدا ہو جائے اور کھانے پینے کے قابل ہو جائے پھر میرے پاس آنا، چنانچہ وہ عورت چلی گئیں۔ جب بچے کی ولادت ہوئی پھر اس بچے کو دودھ پلایا اور جب وہ بچہ دودھ سے مستغنی ہو گیا تو پھر وہ خاتون اپنے اوپر حد جاری کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ مجھے پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا، اس کے باوجود وہ حاضر ہو گئیں۔ اس طرح انہوں نے توبہ کا بہت مؤثر طریقہ اختیار کیا۔ بخلاف حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ ان کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ جب آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا تو انہوں نے کہا کہ لوگوں نے مجھے مروادیا، اس لئے کہ جن لوگوں سے میں نے ذکر کیا تھا انہوں نے ہی مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر جرم کا اعتراف کرلو اور معافی مانگ لو تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تم کو معاف کر دیں گے۔ اور میں اسی خیال سے آبھی گیا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ مجھے رجم کیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ان کو پہلے پتہ چل جاتا کہ مجھے اس طرح رجم کیا جائے گا تو شاید وہ آکر اس طرح اعتراف نہ کرتے اور پھر رجم کے دوران بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ثابت قدم غامدیہ کے واقعہ میں ہے اور جتنی وضاحت ان کے واقعہ میں ہے کہ اپنے انجام کو جاننے کے باوجود اپنے آپ کو پیش کیا اور آکر اعتراف کیا۔ یہ بات حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں نہیں ہے۔ شاید یہ وجہ ہو کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور امراۃ غامدیہ کی نماز پڑھی۔ بلکہ آپ نے ان کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ غامدیہ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کا دسواں حصہ بھی سارے اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا جائے تو سارے اہل مدینہ کی مغفرت ہو جائے۔

باب ماجاء فی کراهیة ان یشفع فی الحدود

﴿عن عائشة رضی الله عنها ان قریشا اهمتهم شان المراة المخزومية التی سرقت فقالو: من یکلم فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ فقالوا: من یجتری علیه الا اسامة بن زید حب رسول الله صلی الله علیه وسلم فکلمه اسامة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتشفع فی حد من حدود الله؟ ثم قام فاختطب فقال: انما اهلک الذین من قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه، واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد، وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها﴾ (۴۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ مخزومی عورت جس نے چوری کرلی تھی، اس کے معاملہ نے قریش کو فکر میں ڈال دیا۔ قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کرلی تھی، جس کی وجہ سے حد سرقہ (قطع ید کی حد) اس پر واجب ہوگئی تھی۔ قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی کہ اب اس کا ہاتھ کٹے گا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے بارے میں کون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرے اور آپ سے یہ سفارش کرے کہ ان پر حد نہ جاری کی جائے۔ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرسکتا ہے جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جاکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کررہے ہو؟ اس کے بعد آپ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور فرمایا: تم میں سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کردیا کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب ان میں کوئی شریف اور بلند نسب والا آدمی چوری کرلیتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کردیتے تھے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا۔ میں اللہ کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدود کے معاملہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ اور حدود کے معاملے میں کسی کی کوئی تفریق اور کوئی امتیاز نہیں کہ فلاں پر حد جاری کی جائے گی اور فلاں پر نہیں کی جائے گی۔ بلکہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، ہر ایک کو قانون کے آگے جواب دہی کرنی ہے۔ اور یہ اللہ کا قانون ہے، کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے اس میں نہ تو سفارش کی گنجائش ہے اور نہ استثناء کی گنجائش ہے۔

باب ماجاء فی تحقیق الرجم

﴿عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: ان اللہ بعث محمدا (صلی اللہ علیہ وسلم) بالحق وانزل علیہ الکتاب وکان فیما انزل علیہ آیۃ الرجم فرجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ وانی خائف ان یطول بالناس زمان فیقول قائل: لا نجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ الا وان الرجم حق علی من زنی اذا احصن وقامت البینۃ اوکان حمل اوالاعتراف﴾ (۴۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ اور وہ پورا خطبہ بخاری شریف میں موجود ہے، یہ اس خطبے کا ایک حصہ ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب یعنی قرآن کریم نازل فرمایا۔ اور آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اس میں ایک آیت رجم کی بھی تھی۔ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے گا تو کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے اور پھر وہ اس فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ خوب سمجھ لو کہ اس شخص پر رجم حق ہے جس نے زنا کیا ہو جبکہ وہ محصن ہو اور اس کے خلاف بینہ قائم ہو گیا ہو یا عورت کو حمل ہو یا وہ خود زنا کا اعتراف کر لے۔

حضرت عمرؓ کا اندیشہ موجودہ دور کے آئینے میں

اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

فرمایا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب زمانہ طویل گزر جائے گا تو اس کے بعد لوگ کہیں گے کہ کتاب اللہ کے اندر آیت رجم موجود نہیں ہے اور اس کی بنیاد پر وہ رجم کا انکار کریں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے آج کے زمانے کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ چنانچہ آج لوگ یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں تو صرف کوڑوں کا ذکر ہے:

﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ (النور: ۲)

رجم کا ذکر نہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے رجم کی مشروعیت ہی سے انکار کردیا۔

کیا آیت رجم قرآن کریم کا حصہ تھی؟

اس حدیث میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی اس میں آیت رجم بھی موجود تھی۔ اس قول کا مطلب عام طور پر یہی بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ مشہور آیت ہے کہ:

﴿الشيخ و الشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم﴾

اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت پہلے قرآن کریم میں موجود تھی، بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی لیکن حکم منسوخ نہیں ہوا۔ اور اگلی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بارے میں لوگ کہیں گے کہ اس نے کتاب اللہ میں زیادتی کردی تو میں یہ آیت قرآن کریم میں لکھ دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت قرآن کریم کا حصہ تھی۔

یہ آیت رجم تورات کا حصہ تھی

لیکن تحقیق کے بعد جو بات مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم ان کان صوابا فمن اللہ و ان کان خطاء فمنی و من الشیطان —— وہ یہ کہ یہ آیت قرآن کریم کا حصہ کبھی نہیں رہی، بلکہ درحقیقت یہ تورات کی آیت تھی۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رجم کا حکم آیا تو تورات کی اس آیت کے حکم کو اُمت محمدیہ کے لئے بھی باقی رکھا گیا اور بذریعہ وحی آپ کو بتایا گیا کہ یہ تورات کی آیت ہے اور اس کا حکم آپ کی اُمت کے لئے بھی باقی ہے۔ اسی وجہ سے یہ

آیت کبھی بھی قرآن کے طور پر نہیں لکھی گئی۔ بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت الشیخ والشیخۃ یہ جب آیت ہی ہے تو کیا میں اس کو قرآن کریم کی دوسری آیات کے ساتھ لکھ لوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر "شیخ" محصن نہ ہو تو رجم نہیں ہوتا اور اگر "محصن" شیخ نہ ہو تو رجم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا مدار شیخ ہونے پر نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت مت لکھو، اگر یہ آیت قرآن کریم کا حصّہ ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھنے سے کیسے انکار فرماتے؟ اور یہ بات کیسے فرماتے کہ اس آیت میں تو لفظ "شیخ" ہے اور شیخ پر رجم کا مدار نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ یہ قرآن کا لفظ ہے اور قرآن کریم میں تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی سے تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے اس لئے اس کو قرآن نہ سمجھو اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت شروع ہی سے قرآن کریم کا حصّہ نہیں تھی بلکہ تورات کا حصّہ تھی۔

تورات کا حصّہ ہونے کی دلیل

اور تورات کا حصّہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تفسیر روح المعانی میں ایک روایت ہے کہ جب یہودیوں میں زنا کا ایک واقعہ پیش آیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بتایا کہ ہم میں ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کرلیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ رجم کے بارے میں تورات کے اندر تم کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تورات کے حکم کے مطابق ان کو رسوا کرتے ہیں اور کوڑے لگاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اس میں آیت رجم موجود ہے۔ چنانچہ وہ لوگ تورات لائے اور اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا تو عبداللہ بن صوریا نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی آیت پڑھ لی۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم وہاں موجود تھی۔ البتہ چونکہ اس آیت کا حکم اُمّت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر باقی رکھا گیا تھا اور بذریعہ وحی آپ کو یہ بتادیا گیا تھا کہ اس کا حکم آپ کی اُمّت پر باقی ہے۔ اس لئے اس کو اس بات سے تعبیر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ لہٰذا اب وہ اشکال کہ اگر اس آیت کا حکم باقی تھا تو پھر اس آیت کی تلاوت کیوں منسوخ کی گئی یہ اشکال اب ختم ہوگیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا کہ جب زمانہ طویل ہوجائے گا تو لوگ رجم کا انکار کریں گے۔ جیسے آج انکار کررہے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ (النور: ۲)

اور رجم کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو وہ اخبار آحاد ہیں۔ اور اخبار آحادیث سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رجم کے احکام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہوں اور یہ آیت ان کے لئے ناسخ ہوگئی ہے۔

منکرین رجم کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ رجم کی احادیث اخبار آحاد نہیں ہیں بلکہ متواترۃ المعنی ہیں۔ میں نے تکملہ فتح الملہم میں ایک نقشہ دے کر بتایا ہے کہ رجم کی احادیث ۵۲ صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ اس لئے ان کے متواترۃ المعنی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور متواترۃ المعنی احادیث سے کتاب اللہ پر زیادتی بھی ہوسکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ رجم کے احکام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے یہ آیت سورہ نور کی آیت ہے۔ اور سورہ نور قصہ افک کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ اور قصہ افک سن چھ ہجری میں پیش آیا تھا اور رجم کے تمام واقعات سن چھ ہجری کے بعد کے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلا رجم یہودیوں کا تھا، جس کا واقعہ اوپر گزرا، اس رجم کے بارے میں حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کو رجم کرنے والوں میں شامل تھا۔ اور یہ صحابی سن ۷ ہجری کے بعد اسلام لائے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور یہودیہ کے رجم کا واقعہ سن ۷ ہجری کے بعد پیش آیا اور وہ اسلام میں پہلا رجم تھا اور دوسرے رجم اس کے بھی بعد کے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ واقعات رجم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں۔

آیت "جلد مائہ" پر اشکال اور جواب

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ کتاب اللہ میں آیت مطلق ہے، اس میں محصن اور غیر محصن کا کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ پھر احادیث میں محصن کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا، اس کی وجہ سے حدیث سے آیت کو ایک طرح سے نسخ کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہ نسخ نہیں ہے بلکہ میرا

رجحان اس طرف ہے (واللہ سبحانہ اعلم) کہ قرآن کی آیت الزانیۃ والزانی میں جو حکم دیا گیا ہے وہ عام ہے اور محصن اور غیر محصن دونوں کو شامل ہے، صرف غیر محصن کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور قرآن کریم نے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کے لئے سو کوڑوں کے ساتھ دوسری سزا یعنی رجم کا اضافہ فرمایا، گویا کہ محصن دو سزاؤں کا مستوجب ہوتا ہے۔ ایک سو کوڑے اور دوسرے رجم، یہی وجہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا اعلان فرمایا تو اس اعلان میں فرمایا کہ جلد مائۃ والرجم یعنی اس پر سو کوڑے ہیں اور رجم ہے۔ لہٰذا جو محصن زنا کرے اس پر کتاب اللہ کی رو سے سو کوڑے واجب ہیں۔ اور سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے رجم واجب ہے۔

دو سزاؤں کو مُدغم کیا جاسکتا ہے

لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص پر دو سزائیں جمع ہوجائیں اور ان میں سے ایک سزا ایسی ہو جو انسان کی موت واقع کرنے والی ہو تو اس صورت میں چھوٹی سزا بڑی سزا میں مُدغم ہوجاتی ہے۔ اسی لئے امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو سو کوڑے کی سزا کو موت کی سزا میں مُدغم کر کے صرف رجم کردے اور اگر چاہے تو دونوں سزائیں جاری کردے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شراحہ ہمدانیہ کو رجم کیا۔ جس کا واقعہ آپ صحیح بخاری میں پڑھیں گے۔ تو آپ نے جمعرات کے روز سو کوڑے لگائے اور جمعہ کے روز رجم کیا۔ پھر آپ نے فرمایا:

﴿جلد تها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم﴾

اور دوسرے حضرات خلفاء نے ان دونوں سزاؤں کو مُدغم کردیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محصن پر دونوں سزائیں اپنی اپنی جگہ پر ثابت ہیں۔ اور رجم کی حدیث نے سورہ نور کی آیت کو منسوخ نہیں کیا اور نہ اس میں تقیید کی اور نہ اس میں تخصیص کی۔ بلکہ اس کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا اور ایک سزا کا اور اضافہ کردیا۔ یہ میری تحقیق ہے جو میں نے تکملۃ فتح الملہم میں ذکر کی ہے۔ اور اس کی بناء پر تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

کیا "حمل" زانیہ ہونے کی دلیل کافی ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "او کان

حمل" اس سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کنواری لڑکی کو حمل ہوجائے تو یہ اس کے زانیہ ہونے کی دلیل قاطع ہے۔ اس کی بنیاد پر اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی، اسی طرح اگر وہ عورت مطلقہ تھی یا بیوہ تھی اور شوہر سے اس کی جدائی اتنے عرصے پہلے ہوچکی ہے جو اکثر مدت حمل سے زائد ہے۔ مثلاً ایک عورت کے شوہر کے انتقال کو پانچ سال ہوگئے ہیں اور اب اس عورت کا حمل ظاہر ہوگیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حمل اس کے زانیہ ہونے کے لئے دلیل قاطع ہے۔ لہٰذا اس کی بناء پر اس کو رجم کیا جاسکتا ہے۔ چاہے زنا پر گواہ نہ ہوں اور نہ وہ اعتراف کرے۔ لیکن جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ مجرد ظہور حمل سے زنا موجب رجم کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس کے ساتھ کسی نے زبردستی کی ہو۔ کیونکہ زبردستی کی صورت میں اس پر رجم کی سزا جاری نہیں ہوسکتی۔ اس شبہ کی وجہ سے محض حمل کی بنیاد پر رجم نہیں کیا جائے گا۔ اور جمہور فقہاء حدیثِ باب کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اوکان حمل کو اگلے جملے اوالاعتراف کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے اور درمیان میں لفظ "اَوْ" یہ منع الخلو کے لئے ہے۔ یعنی یہاں منفصلہ حقیقیہ نہیں ہے بلکہ مانعتہ الخلو ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "حمل" اور "اعتراف" دونوں چیز جمع ہوسکتی ہیں، لہٰذا جب کسی عورت کو حمل ہوگا تو اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور بالآخر وہ عورت اعتراف کرلے گی۔ اب اس عورت پر جو حد جاری کی جائے گی وہ اعتراف کی وجہ سے کی جائے گی، حمل کی وجہ سے نہیں کی جائے گی۔(۵۰)

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال: رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم ابوبكر ورجمت ولولا انى اكره ان ازيد فى كتاب الله لكتبته فى المصحف، فانى قد خشيت ان يجئى اقوام فلا يجدونه فى كتاب الله فيكفرون به﴾ (۵۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اگر میں اس بات کو ناپسند نہ سمجھتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ کتاب اللہ میں زیادتی کردی تو میں اس آیت رجم کو مصحف میں لکھ دیتا، اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں کچھ لوگ ایسے نہ آجائیں جو رجم کو قرآن کریم میں نہ پاکر اس کا انکار کردیں۔

حضرت عمرؓ کے قول کی توجیہ

اس حدیث سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت رجم یا تو قرآن کریم کی آیت تھی، پھر تو اس کو قرآن کریم میں لکھنا چاہئے تھا چاہے لوگ کچھ بھی کہیں۔ اور اگر یہ قرآن کریم کی آیت نہیں تھی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قرآن کریم میں لکھنے کا ارادہ ہی کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسند احمد میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اس کو مصحف کے حاشیے میں لکھ دوں، تاکہ یہ قرآن کریم کا جز تو نہ سمجھا جائے لیکن یہ سمجھا جائے کہ یہ رجم کا حکم حق ہے۔ چنانچہ متعدد روایات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے کچھ تفسیری جملے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اپنے مصاحف کے حاشیے میں لکھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حاشیے میں ہی لکھنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن خطرہ یہ تھا کہ بعد میں لوگ اس کو کتاب اللہ کی طرف منسوب کردیں اور کتاب اللہ کے اندر اضافہ کردیں۔ اس ڈر سے میں نہیں لکھ رہا ہوں۔

باب ماجاء فی الرجم علی الثیب

﴿عن عبيد الله بن عبد الله سمعه من ابی هريرة وزيد بن خالد وشبل رضی الله عنهم انهم كانوا عند رسول الله صلی الله عليه وسلم، فاتاه رجلان يختصمان فقام اليه احدهما فقال: انشدك الله يا رسول الله لما قضيت بيننا بكتاب الله، الخ﴾ (۵۲)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد اور حضرت شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں آپ کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آگئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کریں۔ اس حدیث میں "لما" الا کی جگہ پر ہے۔ اس شخص کا حریف اس سے زیادہ سمجھ دار تھا، اس

نے بھی یہی کہا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے ــــ یہ جو کہا کہ وہ دوسرے آدمی سے زیادہ سمجھدار تھے یا تو اس لئے کہا کہ وہ ظاہری قرائن اور علامات سے زیادہ سمجھ دار نظر آرہے تھے یا اس وجہ سے کہ ان کا انداز خطاب پہلے شخص کے مقابلے میں زیادہ باادب تھا، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دے کر یہ کہنا کہ آپ ہمارے درمیان اس طرح فیصلہ کیجئے، یہ انداز ادب اور تعظیم کے خلاف ہے۔ جب کہ انہوں نے قسم دیئے بغیر ویسے ہی فیصلہ کرنے کے لئے کہہ دیا۔ اس وجہ سے ان کو زیادہ افقہ قرار دیا ــــ اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بات کروں، میرا بیٹا اس کے پاس مزدوری کرتا تھا، اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کرلیا۔ پھر لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم لازم ہوگیا ہے، تو میں نے سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دیا۔ یعنی جب مجھے معلوم ہوا کہ زنا کے نتیجے میں میرے بیٹے پر رجم کی سزا عائد ہوگئی ہے۔ میرا یہ خیال تھا کہ یہ سزا آقا کے حق کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لئے اگر اس آقا کو کچھ دیدیا جائے گا تو وہ اپنا حق چھوڑ دے گا۔ اور اس کے نتیجے میں رجم کی سزا ساقط ہوجائے گی۔ چنانچہ میں نے اس کو سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دے دیا۔ بعد میں میری ملاقات بعض اہل علم سے ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا نہیں تھی بلکہ سو کوڑے تھے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا تھی اس لئے کہ وہ محصن نہیں ہے۔ اور رجم تو اسکی بیوی پر آئے گا اس لئے کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود اس نے زنا کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا اور تم نے اس شخص کو جو سو بکریاں اور ایک خادم بطور فدیہ کے دیا تھا وہ تمہارے پاس لوٹایا جائے گا اس لئے کہ زنا کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ سے ہے۔ اس لئے فدیہ دے کر سزا کو معاف نہیں کرایا جاسکتا، اور تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہوگی۔ اس وقت مجلس میں ایک اور صحابی بیٹھے تھے جن کا نام انیس تھا۔ ان سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ اے اُنیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو۔ چنانچہ حضرت اُنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عورت کے پاس گئے، اس عورت نے زنا کا اعتراف کرلیا تو آپ نے اس کو رجم کردیا۔

ایک مرتبہ اعتراف کافی ہونے پر شافعیہ کا استدلال

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زنا کے ثبوت کے

لئے ایک مرتبہ اعتراف کرلینا بھی کافی ہے، چار مرتبہ اعتراف کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب وہ عورت اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب چار مرتبہ اعتراف کرلے تو پھر رجم کرنا۔ حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اعتراف سے مراد اعتراف معروف تھا۔ اور اعتراف معروف چار مرتبہ کا اعتراف ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن ابی هریرة وزید بن خالد الجهنی رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال: اذا زنت الامة فاجلدوها فان زنت فی الرابعة فبیعوها ولو بضفیر﴾ (۵۳)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی باندی زنا کرلے تو اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر چوتھی مرتبہ زنا کرے تو اس کو بیچ دو، چاہے ایک رسّی کے عوض بیچنی پڑے۔

زانیہ باندی کو بیچنے کا حکم کیوں دیا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب باندی کو زنا کی عادت پڑی ہوئی ہے تو وہ بہت خراب باندی ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھو بلکہ فروخت کردو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی بلا دوسرے کے سر کیوں ڈالی جائے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اس کو اپنے بھائی کے لئے بھی ناپسند کرو۔ لہٰذا جب خراب باندی کو تم اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تو دوسرے کو بیچ کر اس کے سر یہ خراب باندی کیوں ڈالتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کو بیچنے سے حالات بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ہوسکتا ہے کہ اس وقت وہ باندی جس جگہ رہتی ہے وہاں اس نے کسی سے دوستی کر رکھی ہے اور بیچنے کے نتیجے میں جب وہ باندی یہاں سے چلی جائے گی تو ہوسکتا ہے کہ اس کی دوستی ختم ہوجائے اور اس کی اصلاح ہوجائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آقا تو اس باندی پر کنٹرول نہیں کرسکا لیکن جب دوسرے آقا کے پاس جائے گی تو وہ اس کی صحیح تربیت کرسکے گا اور اس پر قابو کرسکے گا۔ اس

وجہ سے آپ نے بیچنے کے لئے فرمایا۔

محصن کی دو سزائیں، سو کوڑے اور رجم

﴿عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خذوا عنی فقد جعل الله لهن سبیلا، الثیب بالثیب جلد مائة ثم الرجم، والبکر بالبکر جلد مائة ونفی سنة﴾ (۵۴)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے یہ حکم لے لو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت اویجعل الله لهن سبیلا﴾ (سورۃ النساء: ۱۵)

اس آیت کی رو سے ابتداء اسلام میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کو گھر میں محبوس کردیا جائے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی دوسرا راستہ نکال دے۔ تو اس آیت میں اس طرف اشارہ تھا کہ کوئی دوسرا حکم زانی عورتوں کے لئے آنے والا ہے۔ اور پھر اس حدیث میں وہ دوسرا حکم بتادیا کہ وہ دوسرا حکم آگیا ہے۔ وہ حکم یہ ہے کہ جب ثیب ثیب کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور پھر رجم کیا جائے گا۔ اس حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو میں نے پیچھے عرض کی تھی کہ محصن کے لئے اصل میں تو دونوں سزائیں بیک وقت واجب ہیں، سو کوڑے بھی اور رجم بھی۔ یہ اور بات ہے کہ امام کو اس بات کا اختیار ہے کہ چھوٹی سزا کو بڑی سزا میں مُدغم کردے۔ اور جب بکر بکر کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک سال کی جلا وطنی کو بھی حد کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بکر کی حد صرف سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی حد کا حصہ نہیں ہے بلکہ تعزیر کے لئے ہے۔ لہٰذا اگر امام یہ محسوس کرے کہ اس کے یہاں رہنے سے فساد پھیلے گا تو اس کو ایک سال کے لئے جلاوطن کردے۔

غیر محصن کی دو سزائیں۔ سو کوڑے اور جلاوطنی

دلیل اس کی یہ ہے کہ کئی روایات میں یہ موجود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تغریب پر عمل ہوا لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایک واقعہ پیش آنے کے بعد یہ فرمایا کہ میں آئندہ کسی کی تغریب نہیں کروں گا۔ وہ واقعہ یہ ہوا کہ ایک شخص کو جب جلاوطن کیا گیا تو وہ دار الحرب چلا گیا۔ اگر جلا وطن کرنا حد کا حصّہ ہوتا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں آئندہ کسی کو جلاوطن نہیں کروں گا، اس لئے کہ حد کو ساقط کرنے کا امام کو اختیار نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعزیر تھی اور تعزیر میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ جاری کرے یا نہ کرے۔

حنفیہ کی اصل دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے صرف سو کوڑوں کا ذکر کیا ہے اور جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا، اور اب اخبار آحاد کے ذریعہ کتاب اللہ میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جلاوطنی کو تعزیر قرار دیا جائے گا۔(۵۵)

باب منه

﴿عن عمران بن حصين رضي الله عنه ان امراة من جهينة اعترفت عند النبي صلى الله عليه وسلم بالزنا فقالت: انا حبلى فدعا النبي صلى الله عليه وسلم وليها فقال: احسن اليها فاذا وضعت حملها فاخبرني ففعل فامربها فشدت عليها ثيابها ثم امر برجمها فرجمت ثم صلى عليها فقال له عمر بن الخطاب رضي الله عنه: يا رسول الله رجمتها ثم تصلي عليها فقال: لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة وسعتهم وهل وجدت شيئا افضل من ان جادت بنفسها لله﴾

(۵۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر زنا کا اعتراف کیا (بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث

میں جن خاتون کا ذکر ہے یہی امراۃ غامدیۃ ہیں۔ اور جبکہ دوسرے بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ جھینہ خاتون اور ہیں اور غامدیہ دوسری خاتون ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں) اعتراف زنا کے بعد کہا کہ میں حاملہ ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خاتون کے ولی کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جب اس کا بچہ پیدا ہو جائے تو مجھے خبر کرنا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے حکم دے دیا تو ان کے کپڑے ان کے بدن کے ساتھ باندھ دیئے گئے، پھر آپ نے رجم کا حکم دے دیا، پس ان کو رجم کر دیا گیا۔ پھر آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہی نے اس کو رجم کیا اور پھر آپ اس پر نماز بھی پڑھ رہے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ میں سے ستر (۷۰) اشخاص پر تقسیم کی جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے۔ کیا تم اس سے زیادہ افضل توبہ کا تصور کر سکتے ہو کہ انہوں نے اپنی جان اللہ کے لئے دے دی۔ یعنی انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بڑا ہی صبر آزما اور بہت اعلیٰ مقام کا تھا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وقتی طور پر ندامت اور صدمہ بہت ہوتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے وہ ندامت اور صدمہ کمزور ہو جاتا ہے۔ لیکن اس خاتون نے ایسی استقامت کا ثبوت دیا کہ کافی وقت گزارا، بچہ پیدا ہوا، بچہ بڑا ہوا، اس کا دودھ چھڑایا اور یہاں تک کہ جب وہ بچہ روٹی کھانے کے لائق ہو گیا، اس وقت دوبارہ سزا جاری کرانے کے لئے حاضر ہوئیں۔ حالانکہ جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو بچے کے ساتھ تعلق، بچے کے ساتھ محبت اور اس کو چھوڑنے کا خیال اور اس کے اکیلے اور بغیر ماں کے رہ جانے کا خیال، یہ سب باتیں انسان کو پھسلا دیتی ہیں۔ لیکن ان ساری رکاوٹوں کو عبور کر کے ان خاتون نے اپنے اوپر اتنی سنگین سزا جاری کروائی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ کی قدر کی اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی۔

باب ماجاء فی رجم اهل الکتاب

﴿عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم رجم یهودیا ویهودیة﴾ (۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی اور ایک یہودیہ پر رجم فرمایا۔ ان کے رجم کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انہوں نے زنا

کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کو لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ تورات میں رجم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ سارا واقعہ تفصیل سے پیچھے عرض کردیا۔ چنانچہ ان کو رجم کردیا گیا اور یہ اسلام میں رجم کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ اس واقعہ سے شافعیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ احصان رجم کے لئے اسلام شرط نہیں۔ لہٰذا اگر غیر مسلم زنا کریں اور شادی شدہ ہوں تو ان پر بھی رجم کی سزا عائد ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احصان رجم کے لئے اسلام شرط ہے۔ لہٰذا اگر غیر مسلم شادی شدہ زنا کرے تو اس کی سزا رجم نہیں بلکہ جلد مایۃ ہے۔ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احصان رجم کے لئے اسلام شرط ہے۔ اس حدیث کی سند پر شافعیہ وغیرہ نے کلام کیا ہے، اور حنفیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں بعض حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ یہودی اور یہودیہ نے خود آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ تورات کے مطابق ہمارا فیصلہ کیجئے۔ چنانچہ تورات کے حکم کے مطابق ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا۔ اسلام کے حکم کے مطابق رجم کا فیصلہ نہیں فرمایا۔

لیکن امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان پر رجم درحقیقت اسلام کے حکم سے ہی ہوا تھا، لیکن اس زمانے تک احصان رجم کے لئے اسلام کو شرط قرار نہیں دیا گیا تھا، بعد میں اسلام کو احصان رجم کے لئے شرط قرار دیا گیا۔ اس لئے یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔(۵۸)

باب ماجاء في النفي

﴿عن ابن عمر رضي الله عنهما ان النبي صلى الله عليه وسلم ضرب و غرب، وان ابابكر ضرب و غرب، وان عمر ضرب وغرب﴾ (۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے مارے اور جلاوطن کیا۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطن کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جلاوطن کرنا بھی سزا ہے۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک یہ حد کا ایک حصہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ تعزیر ہے۔ تفصیل پیچھے عرض کردی گئی۔

باب ماجاء ان الحدود کفارة لاهلها

﴿عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال: تبايعوني على ان لا تشركوا بالله ولا تسرقوا ولا تزنوا، قرا عليهم الاية ، فمن وفى منكم فاجره على الله ومن اصاب من ذلك شيئا فعوقب عليه فهو كفارة له، ومن اصاب من ذلك شيئا فستره الله عليه فهو الى الله ان شاء عذبه وان شاء غفرله﴾ (٦٠)

حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ زنا نہیں کرو گے۔ اور اسی کے بارے میں آیت تلاوت کی۔ اور فرمایا کہ جس نے اپنے اس عہد کو پورا کیا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ دیں گے۔ اور جو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اسے اس پر سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے لئے کفارہ ہوجائے گی۔ اور اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ کو پوشیدہ رکھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، چاہیں تو اس پر عذاب دیں اور چاہیں تو معاف فرمادیں۔ آپ نے بخاری شریف میں یہ حدیث اور یہ بحث پڑھ لی ہوگی کہ حد جاری ہونے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ اور حدود سواتر ہیں یا زواجر ہیں؟ حنفیہ کے نزدیک حدود زواجر ہیں، سواتر نہیں۔

باب ماجاء فی اقامة الحد علی الاماء

﴿عن ابی عبد الرحمن السلمی قال: خطب علی رضی الله عنه فقال: يا ايها الناس: اقيموا الحدود على ارقائكم من احصن منهم ومن لم يحصن، وان امة لرسول الله صلى الله عليه وسلم زنت فامرني ان اجلدها فاتيتها فاذا هي حديثة عهد بنفاس فخشيت ان انا جلدتها ان اقتلها اوقال تموت، فاتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له، فقال:

احسنت ﷺ (۶۱)

ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! اپنے غلاموں پر حدیں جاری کرو، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں، اس لئے کہ عبد پر نصف حد ہی جاری ہوتی ہے، چاہے وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کرلیا تو مجھے آپ نے حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگاؤ۔ جب میں اس کے پاس آیا تو پتہ چلا کہ اس کو ابھی تازہ تازہ نفاس آیا تھا، یعنی اس کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی تھی۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس حالت میں کوڑے لگاؤں گا تو کہیں وہ مر جائے۔ چنانچہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کو آکر اس معاملے میں بتایا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کیا کہ تم نے چھوڑ دیا۔

کیا آقا اپنے غلام پر خود حد جاری کر سکتا ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا کہ اپنے غلاموں پر حدیں جاری کرو۔ یہ حقیقت پر محمول ہے۔ لہٰذا مولیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود اپنے غلام پر حد جاری کردے۔ لیکن حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو اس کے زنا کی اطلاع کرو اور شرعی شہادت کے ذریعہ اس جرم کو ثابت کرو۔ اس کے بعد امام ہی اس پر حد جاری کرے گا۔ اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ "حدیں قائم کرو" اس کا مطلب یہ ہے کہ "حدیں قائم کرواؤ" یعنی یہ نہ کرو کہ چونکہ وہ تمہارے غلام ہیں اس لئے ان کو چھپالو اور ان پر حد جاری کرانے سے پرہیز کرو۔(۶۲)

عذر کی وجہ سے کوڑے کی سزا کو مؤخر کیا جاسکتا ہے؟

اس حدیث سے فقہاء کرام نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوڑے کی حد جاری ہوتی ہے، لیکن وہ شخص اتنا کمزور یا اتنا بیمار ہے کہ کوڑے لگنے کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں کوڑے لگانے کا معاملہ مؤخر کردیا جائے گا، تاوقتیکہ وہ اندیشہ زائل ہوجائے۔

باب ماجاء فی حد السکران

﴿عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ضرب الحد بنعلین اربعین، قال مسعر: اظنه فی الخمر﴾ (۶۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جوتوں کے ذریعہ چالیس مرتبہ مار کر حد جاری فرمائی۔ حضرت مسعر فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ سزا شراب نوشی کے سلسلے میں تھی۔

شراب کی حد کتنے کوڑے ہیں، ۴۰ یا ۸۰؟

شافعیہ کے نزدیک شراب کی حد چالیس (۴۰) کوڑے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ شافعیہ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں آپ نے چالیس (۴۰) مرتبہ جوتے مارے، کئی روایات میں چالیس کا عدد آیا ہے، کسی روایت میں چالیس کوڑے، کسی روایت میں چالیس جوتے، کسی روایت میں چالیس شاخیں آئی ہیں۔ اور حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ شراب پینے پر حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے بطور حد مقرر فرمائے تھے۔ اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں چالیس کا عدد آیا ہے تو ان کے بارے میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں چالیس کے عدد کے ساتھ ساتھ یہ موجود ہے کہ جس چیز کے ذریعہ مارا گیا وہ یا تو دو جوتے تھے یا ایسا کوڑا تھا جس کے دو طرق تھے یا ایسا جرید تھا جس کی دو شاخیں تھیں۔ گویا کہ آلے کے اندر خود دہری ضرب کی صلاحیت تھی۔ لہٰذا جب دو جوتوں سے چالیس مرتبہ مارا گیا تو وہ اسی (۸۰) ہوگئے، اور جب ایسے کوڑے سے چالیس مرتبہ مارا گیا جس کے دو سرے تھے تو وہ اسی (۸۰) ہوگئے، اسی طرح جب ایسی جرید سے مارا گیا جس کی دو شاخیں تھیں تب بھی اسی (۸۰) ہوگئے۔ اور پھر بعد میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ اسی (۸۰) کی تعداد کو مقرر فرمادیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حد شرب جاری ہونے کے واقعات جن روایتوں میں آئے ہیں ان سب میں تثنیہ کا صیغہ موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل سزا تو اسی کوڑے ہیں البتہ اس سزا کو اس طرح مختصر کیا جاسکتا ہے کہ دو سرے والے کوڑے سے چالیس مرتبہ مار دیا جائے۔

مسلک حنفی کی وضاحت

اس کی تھوڑی سی اور وضاحت کردوں۔ اصل میں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چالیس کوڑے مارے گئے اور دو جوتوں سے مارے گئے، اس لئے صحابہ کرامؓ کے زمانے ہی سے اس بارے میں یہ اختلاف ہوگیا کہ کیا حد چالیس کوڑے ہیں؟ یا آلے کے تثنیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو اسی (۸۰) کوڑے کہا جائے گا؟ چنانچہ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کا اجتماع بلایا، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ مشہور جملہ کہا:

﴿ان الرجل اذا شرب سکر، واذا سکر هذی، واذا هذی قذف، واذا قذف حد ثمانین، اجعلوه ثمانین﴾

یعنی جب آدمی شراب پیتا ہے تو نشہ آتا ہے اور جب نشہ آتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو کسی پر تہمت لگاتا ہے اور جب تہمت لگاتا ہے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے کی حد جاری ہوتی ہے۔ اس لئے شرب خمر پر بھی اسی (۸۰) کوڑے لگانے چاہئیں۔ اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی (۸۰) کوڑے کی جو سزا مقرر کی گئی وہ اس قیاس سے کی گئی جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پیش کیا۔ اور یہ قیاس کچھ اس قسم کا ہوگیا کہ ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا
ناحق خون پروانے کا ہوگا

اس قیاس سے وہ فرماتے ہیں کہ شراب پینے کے نتیجے میں سکر ہوگا اور سکر کے نتیجے میں ہذیان ہوگا اور ہذیان کے نتیجے میں قذف ہوگا اور قذف کے نتیجے میں اسی کوڑے ہوں گے۔ چنانچہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی لطیفہ ہے، باقاعدہ استدلال نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسی (۸۰) کوڑے کے قول کا مدار اس روایت پر نہیں کیا ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی دو تشریحیں کی جاسکتی تھیں۔ ایک تشریح یہ کہ چالیس کوڑے کی حد ہے، اور دوسرے یہ کہ اسی (۸۰) کوڑے کی حد ہے، تو اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے والی تشریح کو اختیار کرتے ہوئے ایک وجہ ترجیح نکتے کے طور پر یہ پیش کی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پھر اسی (۸۰) کوڑوں ہی کو

مقرر فرمادیا۔

حضورؐ کے عمل میں دونوں احتمال تھے؟

لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں دونوں احتمال تھے، چالیس کا بھی احتمال تھا اور اسّی (۸۰) کا بھی احتمال تھا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور کوڑے لگنے کی وجہ سے اس کا انتقال ہوجائے تو مجھے صدمہ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر شرب خمر کی وجہ سے کسی پر اسّی کوڑے کی حد جاری کروں اور اس کا انتقال ہوجائے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے یہ اسّی (۸۰) کوڑے قیاس سے مقرر کئے ہیں۔ لیکن اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسّی کوڑے کی حد قیاس سے مقرر کی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں باتیں ثابت تھیں اور دونوں احتمال تھے۔ ان میں سے ہم نے اسّی (۸۰) والے احتمال کو جو مقرر کیا اس میں قیاس کا تھوڑا سا دخل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرب خمر میں حد نہیں ہے بلکہ یہ چالیس کوڑے یا اسّی (۸۰) کوڑے تعزیر ہے۔ اور امام کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو وہ اسّی (۸۰) کوڑے لگائے اور چاہے تو چالیس کوڑے لگائے۔ یہ امام طحاویؒ کا مسلک ہے۔ (۶۴)

حنفیہ کی تائید میں ایک اور حدیث

﴿عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اتی برجل قد شرب الخمر فضربہ بجریدتین نحوالا ربعین، وفعلہ ابوبکر، فلما کان عمر استشار الناس فقال عبد الرحمن بن عوف کاخف الحدود ثمانین فامربہ عمر﴾ (۶۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی۔ تو آپ نے اس کو دو شاخوں سے تقریباً چالیس مرتبہ مارا۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ عدد چالیس کا ہے لیکن آلے دو ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا ــــ مشورہ کرنے کی وجہ پیچھے بیان کردی ہے ــــ تو حضرت عبدالرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ شراب کی حد سب سے ہلکی حد کے برابر ہونی چاہئے اور سب سے ہلکی حد "حد قذف" ہے، لہٰذا اس کے برابر اسّی (۸۰) کوڑے ہونے چاہئیں۔ گویا کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم آلے کے تثنیہ کو مدنظر رکھیں تو عدد ثمانین بنتا ہے اور یہ عدد اُخف الحدود کے موافق ہے، اس لئے ثمانین کو مقرر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق حکم دے دیا۔

باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه الخ

﴿عن معاوية رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فى الرابعة فاقتلوه﴾ (٦٦)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شراب پئے تو اس کو کوڑے لگاؤ اور اگر چوتھی مرتبہ بھی شراب پئے تو اس کو قتل کردو۔

یہی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "علل" میں فرمایا کہ اس حدیث پر کسی فقیہ نے عمل نہیں کیا، کیوں کہ چوتھی مرتبہ شراب پینے کے نتیجے میں قتل کرنے کا حکم کسی فقیہ کے نزدیک نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کرنا حد کا حصہ نہیں ہے بلکہ یہ تعزیراً اور سیاستاً ہے، لہٰذا اگر امام یہ محسوس کرے کہ یہ شخص شراب پینے سے باز نہیں آرہا ہے اور اس کا یہ عمل دوسرے لوگوں کے لئے فساد کا موجب ہو سکتا ہے تو اس صورت میں امام کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو تعزیراً قتل کردے۔ اس طرح حنفیہ اس حدیث پر عمل کرلیتے ہیں۔

باب ماجاء فی کم یقطع السارق

﴿عن عائشة رضى الله عنها ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقطع فى ربع دينار فصاعدا﴾ (٦٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ربع دینار یا اس

سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا کرتے تھے۔

نصابِ سرقہ کیا ہے؟ فقہاء کا اختلاف

اس حدیث کے تحت نصاب سرقہ کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، یعنی کم سے کم وہ مقدار کیا ہے جس کو چوری کرنے سے قطع ید کی سزا لازم ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب سرقہ ربع دینار ہے، اور ان کا استدلال حدیثِ باب سے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ تین درہم کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصاب سرقہ دس درہم یا ایک دینار ہے۔ امام صاحب ایک تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:

﴿لا قطع الا فی دینار فصاعدا﴾ (٦٨)

یعنی قطع ید ایک دینار یا اس سے زیادہ میں ہوتا ہے۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حدیثِ باب کا جواب

حنفیہ حدیثِ باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس باب میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف اتنا فرمایا:

﴿قطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن المجن﴾ (٦٩)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی قیمت میں قطع ید فرمایا۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجن کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور مجن کی قیمت تین درہم تھی۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجن کی قیمت میں قطع ید فرمایا اور اس کی قیمت ربع دینار تھی۔ ان تمام روایات کو مدنظر رکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصل روایت میں صرف اتنا ہے کہ آپ نے "ثمن المجن" میں قطع ید

کیا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ اس مجن کی قیمت ربع دینار تھی یا تین درہم تھی۔ لیکن ان کا یہ خیال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کی، جس میں انہوں نے فرمایا کہ مجن کی قیمت دس درہم تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ نے "ثمن المجن" میں قطع ید فرمایا، اب یہ کہ ثمن المجن کتنی تھی؟ اس کی تعیین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس درہم تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ربع دینار یا تین درہم تھی۔ اس اختلاف کی وجہ سے حنفیہ نے اس روایت کو لے لیا جو اَدرء للحد تھی، یعنی جو روایت حد کو دور کرنے والی اور ساقط کرنے والی تھی۔ کیونکہ اگر تین درہم کی روایت لیتے تو اس کی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہوگی اور دس درہم والی روایت لینے کی صورت میں حد دیر سے نافذ ہوگی اور نو درہم کی چوری تک حد نہیں لگے گی۔ اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احتمال اختیار کیا جائے جس سے حد دور ہوتی ہو۔ اس وجہ سے حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت جو دس درہم کی تھی، اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت پر ترجیح دیتے ہوئے اس پر عمل کیا۔ اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی ہوتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا لا قطع الا فی دینار یعنی ایک دینار سے کم میں قطع ید نہیں ہوا کرتا۔ اور اس زمانے میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کے برابر ہوتی تھی۔(۷۰)

ایک دینار اور دس درہم کی قیمت میں تفاوت ہو جائے تو اعتبار کس کا ہوگا

پھر فقہاء حنفیہ کے درمیان اس بارے میں بھی کلام ہوا ہے اگر دس درہم اور ایک دینار کی قیمتوں میں بھی تفاوت ہو جائے تو اس وقت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟ مثلاً ہمارے موجودہ زمانے میں ایک دینار کی قیمت دس درہم کی قیمت سے بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک دینار تقریباً ۴ مثقال سونے کے برابر ہوتا ہے اور دس درہم۔

اب سوال یہ ہے کہ اس دور میں ایک دینار کا اعتبار ہوگا یا دس درہم کا اعتبار ہوگا؟ میرا خیال یہ ہے کہ دینار کا اعتبار ہوگا، اس لئے کہ متعدد روایات میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں دینار کا لفظ ہی آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دینار ہے۔ اور ویسے بھی

جب دینار کی قیمت زیادہ ہوگئی تو اب دینار کے نصاب کو لینا "أدرء للحد" ہے، اس لئے دینار کی قیمت لینا بہتر ہوگا۔ چنانچہ جب پاکستان میں "حد سرقہ" کا قانون بنا تو اس میں بھی دینار کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور آج کل کے حساب سے تقریباً آٹھ سو روپے اس کی قیمت بنتی ہے۔ لہٰذا اس سے کم میں قطع ید نہیں ہوگا۔

قطع ید کی سزا پر اعتراض اور اس کا جواب

اسی وجہ سے ابوالعلی معری جو ملحد قسم کا شاعر گزرا ہے، اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ ؎

یدٌ بخمس مئین عسجد ودیت
فما بالها قطعت فی ربع دینار

یعنی پانچ سو سونے کے دینار سے ایک ہاتھ کی دیت ادا کی جاتی ہے ـــ کل دیت ایک ہزار دینار ہوتی ہے اور ایک ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہوتی ہے ـــ پھر کیا وجہ ہے کہ اس ہاتھ کو ربع دینار کے عوض کاٹ دیا جاتا ہے۔ یعنی ایک طرف تو ایک ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے اور دوسری طرف ربع دینار ہے ـــ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ؎

هناك مظلومة غالت بقیمتها
وههنا ظلمت هانت علی الباری

یعنی جہاں ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار مقرر کی گئی ہے وہ مظلوم ہاتھ ہے اور جس ہاتھ نے چوری کر کے ظلم کیا ہے اس ظلم نے اس ہاتھ کو حقیر اور ذلیل کر دیا اور جس کی وجہ سے اس کی قیمت ربع دینار ہوگئی۔ ابوالفتح بستی نے بھی اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ؎

عز الامانة اغلاها وارخصها
ذل الخیانة فافهم حکمة الباری

امانت کی عزت نے اس کی قیمت بڑھا دی اور خیانت کی ذلت نے اس کی قیمت کم کر دی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھ لو۔

باب ماجاء فی تعلیق ید السارق

عن عبد الرحمن بن محیریز قال سالت فضالة بن عبید رضی

الله عنه عن تعليق اليد في عنق السارق امن السنه هو؟ قال:
اتی رسول الله صلى الله عليه وسلم بالسارق فقطعت يده ثم
امر بها فعلقت في عنقه ﴿ (۷۱)

حضرت عبدالرحمن بن محریز کہتے ہیں کہ میں نے فضالہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کی گردن میں لٹکا دینا، کیا یہ سُنّت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر آپ نے حکم فرمایا تو وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔ تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی عبرت کا ایک طریقہ ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔ لہٰذا اس طریقے کو اختیار کرنا درست ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو کہ اس نے چوری کی تو اس کا ہاتھ اس طرح سے کاٹا گیا۔

کیا قطع ید کے بعد چور کو دوبارہ ہاتھ جڑوانے کی اجازت ہوگی؟

آج کے دور میں اگر ایک عضو جسم سے الگ کردیا جائے تو اس کو سرجری کے ذریعہ اپنی جگہ دوبارہ لگانا ممکن ہوگیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر چور یہ چاہے کہ میں سرجری کے ذریعہ اپنا ہاتھ دوبارہ اپنی جگہ پر لگوالوں تو کیا اس کو اس کی اجازت دی جائے گی یا نہیں دی جائے گی؟ اور یہی سوال قصاص میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا ہے، اس عضو کو دوبارہ سرجری کے ذریعہ لگوانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

قصاصاً کاٹے گئے عضو کو دوبارہ جڑوانا جائز ہے

یہ مسئلہ پہلے تو ایک نظریاتی قسم کا مسئلہ تھا۔ لیکن اب اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں کہ جس میں عضو کو دوبارہ اپنی جگہ پر لگادیا جاتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ پہلے کویت میں اس موضوع پر علماء کی ایک محفل مذاکرہ منعقد ہوئی تو اس وقت میں نے اس موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے۔ اعادة العضو المبان فی القصاص والحد جب میں نے یہ مقالہ لکھنا شروع کیا تو خیال ہوا کہ اس موضوع پر فقہاء کی کتابوں میں ملنا مشکل ہے۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قصاص کے باب میں یہ مسئلہ تمام فقہاء نے لکھا ہے۔ امام مالک، امام محمد، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اس مسئلے پر گفتگو کی ہے اور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا کان

قصاصاً کاٹ دیا گیا اور اس نے وہ کان کسی طرح اپنی جگہ پر لگادیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ تمام فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا ہو، وہ اگر اس کو دوبارہ جوڑنا چاہے تو جوڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ جب ایک مرتبہ ایک عضو قصاصاً کاٹ دیا گیا تو قصاص کا حکم پورا ہوگیا، اب اگر وہ دوبارہ اس عضو کو جوڑ رہا ہے تو وہ اپنا علاج کر رہا ہے اور علاج کی ممانعت نہیں ہے۔

جنایت کا ایک مسئلہ

اسی ضمن میں فقہاء نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ اگر مجنی علیہ (جس پر جنایت کی گئی) نے کسی طرح اپنا کٹا ہوا عضو جوڑ لیا تو اب بھی "جانی" (جنایت کرنے والا) سے قصاص لیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اپنی جنایت پوری کرلی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا اعضاء کو جوڑنا ممکن بھی ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان اعضاء کے اندر جو رگیں اور پٹھے ہیں وہ آپس میں جڑ سکتے ہیں اور جڑنا ممکن ہے۔ البتہ فقہاء نے اس مسئلے پر بحث نہیں کی ہے کہ اگر حداً کسی کا ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیا گیا ہے تو وہ اس کو دوبارہ جوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

ہاتھ پاؤں کو دوبارہ جوڑنا تقریباً ناممکن ہے

غالباً فقہاء نے یہ بحث اس لئے نہیں کی کہ ہاتھ اور پاؤں کے دوبارہ جڑانے کو ناممکن سمجھا۔ پھر میں نے بھی ڈاکٹروں اور سرجنوں سے معلوم کیا اور کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں کا جڑنا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ناممکن ہے، اور اگر جوڑ دیا جائے تو ان میں زندگی نہیں آتی۔ اس لئے کہ یہاں کے پٹھے اور رگیں ایک مرتبہ کٹنے کے بعد ان میں دوبارہ زندگی کا آنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ چنانچہ "انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا" میں لکھا ہے کہ آج کل ڈاکٹرز کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں جوڑنے کا کام اس لئے نہیں کرتے کہ اگر وہ کرنا بھی چاہیں تو اس پر خرچہ بے انتہا آتا ہے جو ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اور اس کے باوجود وہ ہاتھ اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح پہلے کرتا تھا۔ اس کے بجائے اگر مصنوعی ہاتھ یا مصنوعی پاؤں لگادیا جائے تو وہ زیادہ فائدہ مند بھی ہوتا ہے اور خرچ بھی کم آتا ہے۔ اس لئے اصل اعضاء کی پیوند کاری فائدہ مند نہیں ہے۔

جس کام کو فقہاء نے سیکڑوں سال پہلے ناممکن سمجھ کر اس پر بحث نہیں کی، وہ کام آج تک منافع بخش طریقے پر نہ ہوسکا۔ چنانچہ میں نے اس مقالے میں یہ لکھ دیا کہ جب اس کا ہونا ممکن نہیں ہے تو پھر کیوں اس کی تحقیق کر کے وقت ضائع کیا جائے۔ آئندہ کبھی کسی زمانے میں ہاتھ پاؤں جڑنے لگیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس زمانے کے علماء او فقہاء پر وہ بات منکشف فرمادیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہوگی۔

ہاتھ جوڑنے کے مسئلے میں دو نقطہ ہائے نظر

البتہ اس میں دو باتیں مدنظر رکھنے کی ہیں۔ ایک نقطہ نظریہ ہے کہ قطع ید ایک حد ہے اور جب ایک مرتبہ حد جاری ہوگئی تو ہر وقت اس کی نگرانی کرنا کہ وہ چور اپنا ہاتھ جوڑ تو نہیں رہا ہے، اور اگر جوڑ رہا ہے تو اس کو اس سے روک دیا جائے ظاہر ہے کہ یہ ناممکن بات ہے۔ لہٰذا قصاص پر حد کو بھی قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ جب ایک مرتبہ سزا جاری ہوگئی تو حد پوری ہوگئی، اب اگر وہ اپنا علاج کرتا ہے تو اس کو کرنے دیا جائے۔

دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ حد کا منشاء یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے عبرت بنے، اب اگر اس نے اپنا ہاتھ لگالیا تو وہ عبرت کہاں ہوئی۔ وہ تو ایک کھیل ہوگیا کہ ابھی اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور ابھی اس نے لگالیا۔ اور حدود کو کھیل ہونے سے بچانا چاہئے۔ بہرحال، یہ دونوں نقطہ نظر ہوسکتے ہیں۔ جب کبھی علماء اس مسئلے پر غور کریں تو ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو بھی مدنظر رکھیں۔

باب ماجاء في الخائن والمختلس والمنتهب

﴿عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع﴾ (۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیانت کرنے والے پر اور لوٹ کر لے جانے والے پر اور اُچک کر لے جانے والے پر قطع ید نہیں۔ "منتهب" کے معنی ہیں وہ شخص جو کھلم کھلا ہتھیار کو استعمال کئے بغیر جسمانی قوت استعمال کر کے زبردستی چھین کر لے جائے۔ اگر ہتھیار استعمال کرے تو "قطع طریق" میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور "مختلس" وہ ہے جو قوت کا استعمال کئے بغیر اُچک کر لے جائے، چالاکی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے اُچک لے۔

یہ تینوں سارق کی تعریف سے خارج ہیں

ان تینوں پر قطع ید اس لئے نہیں ہے کہ قرآن کریم میں "سرقہ" پر قطع ید کا حکم آیا ہے۔ اور "سرقہ" کی تعریف یہ ہے کہ کوئی چیز خفیہ طریقے پر لی جائے اور مسروق منہ کو پتہ نہ چلے۔ جبکہ ان تینوں کے اندر مسروق منہ کو پتہ ہوتا ہے کہ ہمارا مال لے جایا جارہا ہے لیکن وہ بیچارہ بے بس ہے۔ اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قطع ید کا حکم نہیں لگایا۔ اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جہاں خفیۃً لینا متحقق نہ ہو وہاں قطع ید نہیں ہوگا، لیکن قطع ید نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مجرم کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایسے مجرم پر تعزیری سزا جاری کی جائے گی اور حاکم اپنی صوابدید کے مطابق اس پر سزا مقرر کرسکتا ہے۔

باب ماجاء لاقطع فی ثمر ولا کثر

﴿ان رافع بن خدیج رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا قطع في ثمر ولا كثر﴾ (۷۳)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پھل اور کثر میں قطع ید نہیں۔ "ثمر" سے مراد پھل ہے، یعنی درخت پر لگے ہوئے پھل کو اگر کوئی شخص چوری کرلے تو اس میں قطع ید نہیں۔ اور "کثر" پھل کے اس شیرے کو کہتے ہیں جو درخت سے نکلتا ہے، اس کو گودا اور مغز بھی کہتے ہیں۔ جیسے کھجور کے درخت کے تنے کو کریدنے سے گودا اور شیرا نکلتا ہے۔ اس کو "جمار النخل" بھی کہتے ہیں۔

سرقہ کے ثبوت کے لئے مال کا "محرز" ہونا ضروری ہے

اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ سرقہ موجب حد کے لئے مال مسروق کا "محرز" ہونا یعنی محفوظ جگہ میں ہونا ضروری ہے۔ چونکہ پھل "محرز" نہیں ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی آکر اس کو توڑ سکتا ہے، لہٰذا اس پر قطع ید نہیں ہوتا۔ اسی سے صاحبین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو چیزیں جلدی خراب ہوجاتی ہیں اور سڑ جاتی ہیں، ان کو چوری کرنے سے حد

واقع نہیں ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ درخت ایسے باغ میں ہے جس کی چار دیواری ہے اور اس کا دروازہ ہے، اس پر تالا پڑا ہوا ہے تو کیا پھر بھی پھل کی چوری پر قطع ید نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ثمر معلق کو غیر محرز قرار دیا گیا ہے، اور چار دیواری کے ذریعہ صرف درخت حرز میں آگئے ہیں، لیکن چونکہ اس میں نص آگئی ہے اس لئے اگر ظاہری طور پر حرز کا سامان بھی کرلیا گیا ہو تب بھی قطع ید نہیں ہوگا۔

باب ماجاء ان لایقطع الایدی فی الغزو

﴿عن بسربن ارطاۃ قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لایقطع الایدی فی الغزو﴾ (۷۴)

حضرت بسربن ارطاۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جہاد کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں کا کوئی لشکر جہاد کے لئے نکلا ہے، اور اس میں چوری ہوگئی اور چور پکڑا گیا تو جہاد کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ فقہاء کرام نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ اس سنگین سزا سے بچنے کے لئے دشمن کے لشکر سے جاکر مل جائے۔ البتہ جب وہ دارالاسلام میں واپس آجائے تو پھر حد جاری کی جائے۔

باب ماجاء فی الرجل یقع علی جاریۃ امراتہ

﴿عن حبیب بن سالم قال: رفع الی النعمان بن بشیر رجل وقع علی جاریۃ امراتہ فقال: لاقضین فیھا بقضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان کانت احلتھا لہ لاجلدنہ مائۃ وان لم تکن احلتھا لہ رجمتہ﴾ (۷۵)

حضرت حبیب بن سالمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کی جاریہ سے زنا کرلیا تھا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس معاملے میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے، وہ

فیصلہ یہ ہے کہ اگر بیوی نے وہ جاریہ اپنے شوہر کے لئے حلال کردی تھی۔ مثلاً بیوی نے اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ جاریہ تو میری ہے لیکن اس کے ساتھ صحبت کرنا تمہارے لئے حلال کرتی ہوں۔ تو اس صورت میں میں اس کو سو کوڑے لگاؤں گا۔ اور اگر بیوی نے جاریہ کو اس کے شوہر کے لئے حلال نہیں کیا تھا تو میں اس کو رجم کروں گا۔

یعنی یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بیوی کے حلال کرنے سے بیوی کی جاریہ شوہر کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور اس شبہ نے رجم کی حد ساقط کردی البتہ تعزیراً اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور اگر بیوی نے حلال نہیں کیا تھا تو پھر اس میں حلال ہونے کا شبہ بھی موجود نہیں ہے، لہٰذا اس صورت میں اس کو رجم کیا جائے گا۔

باب ماجاء فی المراة اذا استکرهت علی الزنا

﴿عن عبدالجبار بن وائل بن حجر عن ابیه رضی الله عنه قال: استکرهت امراة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فدرا رسول الله صلی الله علیه وسلم عنها الحد واقامه علی الذی اصابها ولم یذکرانه جعل لها مهرا﴾ (٧٦)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو دور کردیا اور حد جاری نہیں کی، اس لئے کہ عورت کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، اور اس شخص پر حد جاری فرمائی جس نے اس عورت کے ساتھ زیادتی کی تھی اور روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں عورت کو کوئی مہر دلوایا ہو۔ (اگلی حدیث میں تفصیل آئی ہے)

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن علقمة بن وائل الکندی عن ابیه ان امراة خرجت علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم ترید الصلاة فتلقاها رجل فتجللها فقضی حاجته منها فصاحت فانطلق ومربها رجل

فقالت ان ذلک الرجل فعل بی کذا وکذا و مرت بعصابة من المهاجرین فقالت: ان ذاک الرجل فعل بی کذا وکذا۔ الخ﴾

(۷۷)

حضرت علقمہ بن وائل کندی اپنے والد حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادے سے نکلی، راستے میں ایک شخص اس کے سامنے آگیا اور اس عورت کو ڈھانپ لیا۔ "تجلل" جل سے نکلا ہے "جل" زین کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ شخص ایسا ہوگیا جیسے گھوڑے کے لئے زین ہوتی ہے، گویا اس پر لیٹ گیا اور اپنی حاجت اس سے پوری کی۔ اس عورت نے شور مچایا تو وہ آدمی بھاگ گیا۔ اسی حالت میں ایک دوسرا شخص اس عورت کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس کے بعد وہ عورت مہاجرین کی ایک جماعت کے پاس سے گزری تو ان سے یہی کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا، چنانچہ وہ مہاجرین گئے اور اس شخص کو پکڑ کر لے آئے جس کے بارے میں عورت کا گمان تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ جب وہ اس کو پکڑ کر عورت کے پاس لائے تو اس عورت نے تصدیق کردی کہ ہاں، یہی شخص ہے۔ پھر وہ حضرات اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو رجم کیا جائے تو اصل مجرم اور اصل زانی کھڑا ہوگیا۔ اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کیا تھا، اس نے نہیں کیا تھا۔ پھر آپ نے عورت سے فرمایا کہ تم چلی جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کردی ہے یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جس شخص کو خواہ مخواہ بلاجرم پکڑ لیا گیا تھا اس کے بارے میں آپ نے اچھے کلمات ارشاد فرمائے۔ اور پھر جو حقیقی مجرم تھا اس کے بارے میں آپ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کردو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کریں تو سب کی توبہ قبول ہوجائے اور سب بخش دیئے جائیں۔

حدیث پر ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ زنا کا جرم تو اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک چار گواہ موجود نہ ہوں یا جب تک اس مجرم کی طرف سے اقرار نہ ہو، جبکہ یہاں تو صرف اس عورت نے کہا

کہ اس شخص نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے، نہ تو اس پر کوئی بینہ تھا اور نہ اس کی طرف سے اقرار تھا۔ تو پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے حکم دے دیا کہ اس کو رجم کردو؟ اس کا جواب دیتے ہوئے محدثین نے فرمایا کہ: فلما امر بہ لیرجم سے راوی کی مراد یہ نہیں ہے کہ آپ نے واقعۃً رجم کا فیصلہ فرمادیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ قریب تھا کہ آپ رجم کا فیصلہ کردیتے۔ اور آپ کا رجحان اس طرف تھا کہ گواہیاں لے کر یا اقرار لے کر رجم کا فیصلہ کردینا چاہئے۔ ابھی رجم کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے اس پر سزا نہیں

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہو اس عورت پر کوئی سزا جاری نہیں ہوگی بلکہ صرف مرد پر سزا جاری ہوگی۔

حضرت علقمہ کا سماع اپنے والد وائل سے ثابت ہے

اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دو احادیث لائے ہیں۔ پہلی حدیث عبدالجبار بن وائل بن حجر سے مروی ہے اور دوسری حدیث علقمہ بن وائل بن حجر سے مروی ہے اور یہ دونوں حضرت وائل بن حجر کے بیٹے ہیں۔ اور دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿وعلقمة بن وائل بن حجر سمع من ابیه وهو اکبر من عبدالجبار بن وائل، وعبدالجبار بن وائل لم یسمع من ابیه﴾

یعنی علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے ہے اور یہ عبدالجبار بن وائل سے عمر میں بڑے ہیں۔ اور عبدالجبار بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دوسری حدیث متصل اور قابل استدلال اور درست ہے۔ لیکن آپ نے کتاب الصلوٰۃ میں "آمین بالجہر" کے مسئلے میں ایک روایت علقمہ بن وائل سے مروی ہے۔ اور وہ روایت حنفیہ کا مستدل ہے، جس میں فرمایا خفض بھا صوته اس روایت پر شافعیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے۔ اور خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلل الکبیر میں نقل کیا ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے نہیں ہے، لیکن یہاں خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح

فرمادی ہے کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے والد سے ہے۔ لہٰذا حنفیہ کا استدلال درست ہے۔

باب ماجاء فيمن يقع على البهيمة

﴿عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وجدتموه وقع على بهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة فقيل لابن عباس: ماشان البهيمة؟ فقال: ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك شيئا ولكن ارى رسول الله صلى الله عليه وسلم كره ان يوكل من لحمها اوينتفع بها وقد عمل بها ذاك العمل﴾ (۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو تم پاؤ کہ اس نے جانور کے ساتھ وطی کی ہے تو اس شخص کو بھی قتل کردو اور اس جانور کو بھی قتل کردو، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس جانور کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات نہیں سنی کہ کس وجہ سے اس جانور کو قتل کا حکم دیا جارہا ہے۔ لیکن میرے خیال میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اس جانور کا گوشت کھایا جائے یا اس سے انتفاع کیا جائے، جبکہ اس جانور کے ساتھ یہ فعل شنیع کیا جاچکا ہو۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کردو۔

مزنیہ جانور کو ذبح کرنے کی حکمت اور اس کے گوشت کا حکم

بعض فقہاء نے اس کے ذبح کرنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رہے گا تو لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ یہ وہ جانور ہے جس کے ساتھ یہ حرکت کی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں فحشاء کی اشاعت ہوگی اور بے حیائی اور بدکاری کا چرچا ہوگا۔ اس لئے آپ نے چاہا کہ یہ مادہ ہی ختم کردیا جائے تاکہ بعد میں اس عمل کا چرچا نہ ہو۔ جہاں تک اس جانور کے گوشت کا تعلق ہے تو وہ حرام نہیں ہوتا بلکہ کراہت تنزیہہ آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا کہ

ایسے جانور کا گوشت کھایا جائے۔ اور جہاں تک اس شخص کے قتل کا تعلق ہے تو وہ تعزیراً ہے۔ لہٰذا امام کو اختیار ہے چاہے تو قتل کردے یا کوئی اور سزا دے دے۔

باب ماجاء فی حد اللوطی

﴿عن ابن عباس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من وجد تموه یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به﴾ (۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم کسی شخص کو قوم لوط جیسا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

﴿عن عبدالله بن محمد بن عقیل انه سمع جابرا رضی الله عنه یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان اخوف ما اخاف علی امتی عمل قوم لوط﴾

حضرت عبداللہ بن محمد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر جس چیز میں مبتلا ہونے سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

باب ماجاء فی المرتدُ

﴿عن عکرمةؒ رضی الله عنه ان علیا رضی الله عنه حرق قوما ارتدوا عن الاسلام فبلغ ذلک ابن عباس رضی الله عنهما فقال: لوکنت انا لقتلتهم بقول رسول الله صلی الله علیه وسلم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من بدل دینه فاقتلوه ولم اکن لاحرقهم لان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لاتعذبوا بعذاب الله فبلغ ذلک علیا فقال: صدق ابن عباس﴾ (۸۰)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو جلا دیا جو اسلام سے مرتد ہوگئے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ نے جلایا تھا یہ "سبائی" تھے۔ عبداللہ بن سبا کے پیرو کار تھے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو سارے فتنوں کی جڑ ہے، اور اس نے سازش کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا اور بعد میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعوی کیا کہ یہ خدا ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے توبہ کرانی چاہی تو ان لوگوں نے توبہ نہیں کی، جس کے نتیجے میں آپ نے ان کو جلادیا۔ اور اس زمانے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے، ان کے پیچھے بھی درحقیقت انہی سبائیوں کی سازش تھی۔ اور یہ شیعہ فرقہ بھی درحقیقت انہی کی معنوی نسل ہے۔ بہرحال، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو قتل کردیتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کردو۔ اور میں ان کو جلاتا نہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص عذاب کی طرح عذاب مت دو۔ یعنی جلانے کا عذاب اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں، دوسروں کو یہ عذاب دینا جائز نہیں۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے میرے اس جلانے پر یہ تبصرہ کیا ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس سچ کہتے ہیں۔ واقعۃً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے مجھے ان کو آگ میں جلانا نہیں چاہئے تھا، بلکہ قتل کرنا چاہئے تھا۔

مرتد کی سزا قتل ہے۔ تمام فقہاء کا اتفاق

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی بھی انسان یا جانور کو جلانے کا عذاب دینا جائز نہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اور تیرہ سو سال تک اس پر اجماع منعقد رہا، کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔(۸۱)

مغرب کی طرف سے مرتد کی سزا پر اعتراض

لیکن ہمارے اس آخری دور میں جب سے مغربی تہذیب سے متاثر جو نئی تحریک چلی ہے اس نے

مرتد کے قتل کے حکم پر بہت شور مچایا اور کہا کہ مرتد کو قتل کرنا آزادیٔ فکر کے خلاف ہے۔ آج کی مغربی تہذیب نے خود اپنا دین گھڑ رکھا ہے جس کا ایک کلمہ طیبہ یہ ہے کہ "ہر شخص کو آزادیٔ فکر حاصل ہے، اور آزادیٔ اظہار رائے حاصل ہے"۔ اور یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسی کی بنیاد پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک شخص مسلمان ہوگیا لیکن اسلام اس کی سمجھ میں نہیں آیا، (یاالعیاذ باللہ) وہ دین اسلام کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنا دین تبدیل کرتا ہے تو اس کو کیوں سزا دی جائے؟ اور یہ دین تبدیل کرنا دنیوی جرم کی بات نہیں ہے۔ آخرت میں جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہوجائے گا، لیکن دنیا کے اندر دین تبدیل کرنے سے کسی کو کیوں روکا جائے اور اس کو کیوں سزا دی جائے۔ اس لئے کہ اگر اس پر سزا جاری کی جائے گی تو یہ اس پر زبردستی ہوجائے گی۔ اس لئے ایسا کرنا آزادیٔ فکر کے خلاف ہے۔

مرتد کی سزا کے منکرین کا استدلال

ہمارے مسلم معاشرے میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ جب مغرب کی طرف سے اسلام پر کوئی شبہ یا کوئی اعتراض وارد کیا جاتا ہے تو وہ طبقہ مغرب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے وہ ہمارے مذہب پر صادق نہیں آتا، ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ مغرب نے جب مرتد کی سزا قتل پر اعتراض کیا تو اس طبقہ نے کہا کہ یہ تو خواہ مخواہ لوگوں نے منسوب کردیا ورنہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا کہ:

﴿لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی﴾ (البقرۃ: ۲۵۶)

یعنی دین کے معاملے میں کوئی اکراہ اور زبردستی نہیں ہے، ہدایت اور گمراہی واضح ہوچکی ہے۔ لہٰذا اب اس آیت کی رو سے جو چاہے ایمان لائے اور چاہے ایمان نہ لائے۔ ہمیں کسی پر زبردستی نہیں کرنی ہے۔ اصل بات یہاں سے چلی تھی کہ آزادیٔ اظہار رائے ہونی چاہئے۔ لہٰذا اگر کوئی اپنی رائے کی آزادی سے اسلام کو چھوڑتا ہے تو اس پر کوئی سزا جاری نہیں کرنی چاہئے۔

آزادیٔ اظہار رائے کا اصول کیسا ہے

پہلے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کا اصول کیسا ہے؟ اور کیا یہ ایسا

مقدس اصول ہے کہ اس کے نتیجے میں جو شخص جو چاہے سوچے اور جو چاہے عمل کرے اور جو چاہے رائے قائم کرے؟ اس پر میں ایک واقعہ سناتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

ایک معروف بین الاقوامی ادارہ ہے۔ جس کا نام "ایمنسٹی انٹرنیشنل" ہے۔ اس کا ہیڈ آفس پیرس میں ہے، آج سے کئی سال پہلے اس ادارے کے ایک ریسرچ اسکالر سروے کرنے کے لئے پاکستان آئے، خدا جانے کیوں وہ میرے پاس انٹرویو لینے کے لئے آگئے، اور آکر گفتگو شروع کی کہ ہمارا مقصد آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کے لئے کام کرنا ہے، بہت سے لوگ آزادیٔ فکر کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں۔ اور یہ ایک ایسا غیر متنازعہ موضوع ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے اس لئے پاکستان بھیجا گیا ہے کہ میں اس موضوع پر مختلف طبقوں کے لوگوں کے خیالات معلوم کروں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کا بھی مختلف اہل دانش سے تعلق ہے، اس لئے آپ سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

آزادیٔ اظہار رائے کی کیا حدود و قیود ہونی چاہئیں؟

جب میں نے ان سے اس سروے کے بارے میں معلوم کیا تو میں نے ان کے سوالات کا جواب دینے سے انکار کردیا۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ سے کچھ سوالات کروں؟ انہوں نے کہا کہ سوالات کرنے تو میں آیا تھا، آپ سوالات کرلیں۔ میں نے کہا کہ آپ کا ادارہ دنیا میں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کو رواج دینے کے لئے کام کر رہا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کا کہنا یہ ہے کہ آزادیٔ فکر ہر انسان کا بنیادی حق ہے تو یہ بالکل مطلق من غیر شرط ہے یا اس پر کوئی حدود و قیود عائد ہو سکتی ہیں؟ مثلاً ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ جتنے دولت مند لوگ ہیں، انہوں نے ناجائز طریقے سے دولت کمائی ہے، لہٰذا ان کی ساری دولت لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کرنی چاہئے۔ پھر وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے کہ میں ایک گروہ بنا رہا ہوں جو دولت مند لوگوں پر ڈاکے ڈال کر ان کی دولت چھین کر غریبوں میں تقسیم کرے گا۔ یہ اس شخص کی رائے ہے تو کیا اس کو اپنی اس رائے کے اظہار کی اجازت دی جائے گی یا اس کو روکا جائے گا؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کو روکا جائے گا۔ میں نے کہا کہ کیوں روکا جائے گا۔ اس لئے کہ

جب آزادیٔ اظہار رائے ہے تو اس کے اظہار سے اس کو کیوں روکا جائے گا؟ اگر اس کو روکا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادیٔ اظہار رائے بالکل مطلق نہیں ہے، بلکہ وہ کچھ حدود و قیود کی پابند ہے۔ کچھ شرائط کی پابند ہے کہ ان شرائط کا لحاظ کرنا ہوگا، ان شرائط کے ساتھ اظہار رائے کی آزادی ہوگی۔ تو کیا آپ اس کو مانتے ہیں کہ کچھ قیدیں ہونی چاہئیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، کچھ قیدیں ہونی چاہئیں۔ مثلاً میرا خیال یہ ہے کہ آزادیٔ فکر کو اس شرط کا پابند ہونا چاہئے کہ اس کا نتیجہ دوسروں پر تشدد کی صورت میں ظاہر نہ ہو۔ میں نے کہا کہ جس طرح آپ نے اپنی سوچ سے "آزادیٔ فکر" پر ایک پابندی عائد کردی اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اسی قسم کی کوئی اور پابندی اپنی سوچ سے عائد کرنا چاہے تو اس کو بھی اس کا اختیار ملنا چاہئے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی سوچ پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی سوچ پر عمل نہ کیا جائے۔ لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ وہ کچھ قیدیں کیا ہونی چاہئیں؟ اور آپ کے پاس وہ معیار کیا ہے جس کی بنیاد پر آپ یہ فیصلہ کریں کہ آزادیٔ فکر پر فلاں قسم کی پابندی لگائی جاسکتی ہے اور فلاں قسم کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اس موضوع پر باقاعدہ غور نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ آپ اتنے بڑے عالمی ادارے سے وابستہ ہیں اور اسی کام کے سروے کے لئے آپ جارہے ہیں۔ لیکن یہ بنیادی سوال کہ آزادیٔ فکر کی کیا حدود ہونی چاہئیں؟ یہ سوال آپ کے ذہن میں نہیں ہے۔ آپ کا یہ پروگرام مجھے بار آور ہوتا نظر نہیں آتا۔ کہنے لگے کہ آپ کے یہ خیالات میں اپنے ادارے تک پہنچاؤں گا، اور اس موضوع پر جو ہمارا لٹریچر ہے وہ بھی فراہم کروں گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرا پھیکا سا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہوگئے۔

بہرحال، اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کے مجمل نعرے لگاتے ہیں، ان کو خود پتہ نہیں کہ کون سی آزادیٔ رائے مطلوب ہے اور کون سی آزادی مطلوب نہیں، اور اس آزادی کی حدود و قیود اور شرائط کیا ہیں؟ لہٰذا ان کی بنیاد پر کوئی شخص قرآن و سُنّت کی نصوص میں تاویلات کرے تو یہ کوئی دانش مندانہ طرز عمل نہیں ہوسکتا۔

منکرین کے استدلال کا جواب

جہاں تک اس آیت قرآنی لا اکراہ فی الدین کا تعلق ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو زبردستی اوّلاً اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:

﴿فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶)

اس آیت کا سیاق بتلا رہا ہے کہ جو شخص ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوا، ہم اس کو مجبور نہیں کریں گے کہ تم ضرور داخل ہو جاؤ۔ اور اس آیت کے شان نزول سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے بعض مرتبہ بچوں کو یہودی بننے پر مجبور کیا جاتا تھا، جب اسلام آیا تو انصار نے سوچا کہ جب اسلام سے پہلے ہم اپنے بچوں کو یہودی بننے پر مجبور کرتے تھے، تو اب کیوں نہ ان کو اسلام لانے پر مجبور کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کو مجبور نہ کرو۔

مرتد کے قتل کا حکم کیوں ہے؟

لیکن جب ایک شخص ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام کے محاسن سے وہ آگاہ ہو گیا، اب اگر وہ اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو دارالاسلام میں رہتے ہوئے اس کا یہ عمل فساد کا موجب ہے۔ اگر اسلام چھوڑنا ہے تو دارالاسلام سے نکل جائے اور دارالحرب چلا جائے اور وہاں جاکر جو چاہے کرے، کیونکہ اس پر وہاں ہماری ولایت ہی نہیں ہے، اور دارالاسلام میں رہتے ہوئے اگر وہ اسلام کو چھوڑے گا تو وہ ایسا ہے جیسے جسم کا ایک عضو فاسد ہو چکا ہو، اب اگر اس عضو کو باقی رکھا جائے گا تو اس کا فساد دوسرے اعضاء کی طرف سرایت کر جائے گا۔ اس وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿من بدل دینہ فاقتلوہ﴾

قتل مرتد پر احادیث تقریباً معنی متواتر ہیں۔ میں نے تکملہ فتح الملہم میں قتل مرتد کی احادیث کا استقصاء کیا تو سترہ احادیث اور آثار سے قتل مرتد کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ قتل مرتد ثابت نہیں۔

منافق کے قتل کا حکم کیوں نہیں؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر منافق کے قتل کا حکم اسلام میں کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاق ایک امر باطن ہے، اور دنیاوی سزاؤں کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے، ہم کسی کا دل چیر کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ منافق ہے یا مسلمان ہے۔ اگر نفاق کو موجب قتل قرار دیا جاتا تو اس کا پتہ لگانا ایک آدمی

کے لئے ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے ہر مذہب اور ملت میں احکام ظاہر پر ہوتے ہیں۔ اس لئے منافق کو واجب القتل قرار نہیں دیا گیا۔ اور مرتد چونکہ علی الاعلان اپنے ارتداد کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے اس پر قتل کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کا منافقین کو باوجود معلوم ہونے کے قتل نہ کرنا

سوال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وحی کے ذریعہ بہت سے منافقین کے بارے میں بتادیا گیا تھا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ پھر آپ نے ان کو قتل کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قتل نہ کرنے کی وجہ آپ نے خود بتادی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے آپ سے پوچھا کہ آپ منافقین کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان کو قتل کروں تو دشمنان اسلام یہ پروپیگنڈہ کریں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کررہے ہیں جو اس بات کا اقرار کررہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس لئے میں ان کو قتل نہیں کرتا۔

مرتد کی سزا کے منکرین کی طرف سے احادیث میں تاویل

جن لوگوں نے مرتد کی سزا قتل ہونے سے انکار کیا ہے، انہوں نے ان احادیث کی جن میں مرتد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے، یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ احادیث "باغی محارب" پر محمول ہیں۔ یعنی وہ شخص قتل کیا جائے گا جو مرتد ہونے کے بعد بغاوت بھی کرے۔ لیکن یہ تاویل ظاہر البطلان ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں فرمایا:

﴿من بدل دينه فاقتلوه﴾

اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو مادہ اشتقاق اس کی علت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں "بدل دینہ" پر اقتلوہ کا حکم لگایا۔ تو "تبدیل دین" قتل کی علت بنی، نہ کہ بغاوت اور محاربہ۔ اس لئے کہ وہ یہاں مذکور ہی نہیں۔ ایک روایت پیچھے گزری ہے جس میں "التارك لدينه" کے ساتھ "المفارق للجماعة" کا جملہ بھی موجود ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صرف "ترک دین" کافی نہیں بلکہ "مفارقت جماعت" ضروری ہے۔ وہاں پر میں نے تفصیل سے جواب دے دیا تھا کہ "المفارق للجماعة" یہ صفت کاشفہ ہے۔ "التارك لدينه" کے لئے۔ اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

قتل مرتد میں صحابہ کرامؓ کا عمل

اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ نے جس طرح قتل مرتد کے حکم پر عمل کیا ہے وہ بھی اس کی واضح دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو اس وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص وہاں بندھا ہوا ہے، پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مرتد ہوگیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنی سواری سے اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک اس کو قتل نہ کردیا جائے۔ دیکھئے وہاں کوئی بغاوت نہیں پائی گئی، تنہا ایک آدمی تھا، اس کے باوجود اسے قتل کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغاوت اور محاربت شرط نہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن خطل کا واقعہ بخاری شریف میں آتا ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور مرتد ہوگیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ حالانکہ اس کی طرف سے کوئی بغاوت کہیں منقول نہیں۔ یہ سب اس کی دلیلیں ہیں کہ صرف ارتداد پر بھی قتل کردیا جائے گا۔

باب ماجاء فی من شهر السلاح

﴿عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من حمل علینا السلاح فلیس منا﴾ (۸۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی وہ مسلمانوں میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس عمل سے کافر ہوجاتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا کام نہیں کہ وہ دوسرے پر ہتھیار اٹھائیں۔

باب ماجاء فی حد الساحر

﴿عن جندب رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: حد الساحر ضربة بالسیف﴾ (۸۳)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جادوگر کی سزا یہ ہے کہ تلوار سے ایک مرتبہ میں اس کو مار دیا جائے۔ جادوگر دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ ہیں جن کا سحر کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس حدیث میں اسی کے بارے میں حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ سحر کی دوسری قسم وہ ہے کہ وہ سحر کفر اور شرک کی حد تک نہیں پہنچا، لیکن وہ فی نفسہ ناجائز اور حرام ہے، اس پر کوئی حد تو نہیں ہے۔ لیکن اس کو تعزیری سزا دے سکتے ہیں۔ اگر امام مناسب سمجھے تو اس کو تعزیراً قتل کرنا جائز ہے۔

باب ماجاء فی الغال مایصنع به

﴿عن عمر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من وجد تموه غل فی سبیل الله فاحرقوا متاعه قال صالح: فدخلت علی مسلمة ومعه سالم بن عبدالله فوجد رجلا قد غل فحدث سالم بهذا الحدیث فامربه فاحرق متاعه فوجد فی متاعه مصحف فقال سالم بع هذا وتصدق بثمنه﴾

(۸۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد میں خیانت کی ہے تو اس کا سامان جلادو۔ صالح کہتے ہیں کہ میں مسلمہ کے پاس گیا، ان کے ساتھ حضرت سالم بن عبداللہ بھی تھے، انہوں نے ایک شخص کو مال غنیمت میں چوری کا مرتکب پایا، تو حضرت سالم بن عبداللہ نے یہ حدیث بیان کردی، اس پر مسلمہ نے اس کا سامان جلانے کا حکم دے دیا۔ اس کے سامان میں ایک قرآن مجید نکلا تو حضرت سالم نے فرمایا کہ اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردو۔

جمہور فقہاء کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں

اس حدیث سے بعض فقہاء نے تعزیر بالمال کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ مال کے ذریعہ تعزیر جائز ہے۔ جبکہ اکثر فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔ ان حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حدیثِ باب بھی ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں آپ نے

اس چور کا سامان جلانے کا حکم دیا۔ جمہور فقہاء یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث سنداً پوری طرح ثابت نہیں، کیونکہ اس کے ایک راوی صالح بن محمد بن زائدۃ کو منکر الحدیث کہا گیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری احادیث جو پیش کی جاتی ہیں ان پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

متأخرین حنفیہ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے

لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی۔ عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منه﴾

یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہوجانا چاہئے۔ چنانچہ بعض متأخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔(۸۵)

باب ماجاء فیمن یقول للاخر "یامخنث"

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا قال الرجل للرجل: یایهودی فاضربوه عشرین واذا قال یا مخنث فاضربوه عشرین ومن وقع علی ذات محرم فاقتلوه﴾ (۸٦)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص دوسرے شخص کو یہودی یا مخنث کہہ کر پکارے تو اس کو بیس کوڑے مارو اور جو شخص کسی محرم عورت سے زنا کرے تو اسے قتل کردو۔

باب ماجاء فی التعزیر

﴿عن ابی بردة بن نيار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود الله﴾

(۸۷)

حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی حدود کے علاوہ میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔

تعزیر کی حد میں فقہاء کا اختلاف

بعض اہل ظاہر نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہیں دی جاسکتی۔ دوسری طرف بعض فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ تعزیر اسّی کوڑوں سے کم کم ہے۔ اس لئے کہ سب سے کم حد حد قذف ہے یا حد شرب خمر ہے، اور وہ اسّی کوڑوں کی ہوتی ہے، لہٰذا تعزیر میں اُناسی (۷۹) کوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں۔ اسّی (۸۰) یا اس سے زیادہ لگانا جائز نہیں۔ یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدين﴾

یعنی جو شخص کسی غیر حد والے جرم میں حد تک پہنچ جائے تو وہ ظلم کرنے والا ہے۔ لہٰذا جن جرائم میں شریعت نے حد مقرر نہیں کی، ان میں اتنے کوڑے لگانا جو حد کے برابر پہنچ جائیں، وہ ظلم ہے۔ اور حد تک اس وقت پہنچے گا جب وہ اسّی کوڑے لگائے گا اور اسّی سے کم میں وہ حد تک نہیں پہنچا۔ اس لئے اسّی سے کم کوڑے لگانا تعزیراً جائز ہے۔

حنفیہ کا مشہور قول

دوسرے بعض فقہاء یہ فرماتے ہیں اور حنفیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے کہ تعزیراً صرف

انتالیس (۳۹) کوڑے لگائے جاسکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ حد قذف اور حد شرب خمر کی سزا اگرچہ اسّی کوڑے ہیں، لیکن غلام کو نصف حد یعنی چالیس کوڑے لگائے جاتے ہیں، لہٰذا چالیس کوڑے بھی حد ہے اور تعزیر حد سے کم ہونی چاہئے۔ لہٰذا تعزیراً انتالیس کوڑے لگائے جاسکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں لگائے جاسکتے۔

میرے نزدیک راجح قول

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ تعزیراً امام جتنے کوڑے چاہے لگا سکتا ہے، اس میں کوئی قید اور شرط نہیں ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس باب میں تین نقطہ ہائے نظر ہوئے۔ ایک اہل ظاہر کا، کہ ان کے نزدیک دس کوڑوں سے زیادہ تعزیراً نہیں لگائے جاسکتے۔ دوسرا مسلک ان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حد سے کم کم تعزیر جاری کی جاسکتی ہے۔ تیسرا مسلک ان کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تعزیر میں کوئی قید نہیں امام جتنے چاہے کوڑے لگا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہی تیسرا قول راجح ہے۔

قول راجح کے دلائل

تیسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث پیچھے آپ نے پڑھی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرلے تو اگر بیوی نے باندی کو شوہر کے لئے حلال نہیں کیا تھا تو رجم کیا جائے گا۔ اور اگر حلال کردیا تھا تو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس لئے کہ حلال کرنے کے نتیجے میں ایک شبہ پیدا ہوگیا، اس شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوجائے گی۔ اب تعزیراً اس کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، حالانکہ یہ سو کوڑے اخف الحدود یعنی ثمانین سے زیادہ ہیں اور خود زانی کی حد سو کوڑے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعزیر میں سو کوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں۔

اہل ظاہر کا استدلال اور اس کا جواب

اہل ظاہر حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ حدود اللہ کے علاوہ میں دس کوڑے سے زیادہ مت لگاؤ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ ابھی پیچھے حدیث گزری ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو "یہودی" یا "مخنث" کہے تو اس کو بیس کوڑے لگاؤ اور یہ بیس کوڑے دس سے زائد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا وہ مطلب نہیں جو انہوں نے نکالا ہے۔ میرے نزدیک "واللہ سبحانہ اعلم" اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اصل میں جرائم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

جرم کی دو قسمیں

ایک جرم وہ ہے جو شرعاً فی نفسہ گناہ تھا۔ اور دوسرا جرم وہ ہے جو شرعاً فی نفسہ گناہ نہیں تھا، لیکن حاکم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گیا۔ پہلے جرم کی مثال جیسے چرس، افیون، بھنگ کھانا، یہ شرعاً بھی گناہ ہے اور قانوناً بھی جرم ہے۔ دوسرے جرم کی مثال یہ ہے کہ جیسے ٹریفک کا قانون ہے کہ بائیں طرف چلو، اگر کوئی بائیں چلنے کے بجائے دائیں طرف چلے تو قانوناً یہ جرم ہے، شرعاً گناہ نہیں تھا۔ لیکن حاکم کے حکم کی خلاف ورزی نے اس کو گناہ بنادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (النساء: ۵۹)

لہٰذا "اولی الامر" کی اطاعت بھی واجب ہے۔ تو "اولی الامر" کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گیا۔ حدیثِ باب میں "حد من حدود اللہ" سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرعاً فی نفسہ گناہ ہیں اور قانوناً بھی اس کو جرم قرار دیا گیا ہو۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے، مگر ایسے جرم میں جو شرعاً فی نفسہ بھی گناہ ہو۔ اور جو اعمال شرعاً گناہ نہیں تھے، لیکن حاکم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بن گئے ہوں، ان میں تعزیری سزا دس کوڑے سے زیادہ نہ دی جائے۔ مثلاً کوئی شخص ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کو دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ البتہ اگر ایسا گناہ کرے جو فی نفسہ بھی گناہ ہو تو اس کو دس کوڑوں سے زیادہ سزا دی جاسکتی ہے۔ لہٰذا حدیثِ باب سے اس پر استدلال کرنا کہ تعزیری سزا دس کوڑوں سے زیادہ نہیں دی جاسکتی، یہ استدلال درست نہیں۔

"من بلغ حدافی غیر حد" کا جواب

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں فرمایا گیا کہ من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین اس میں ایک توجیہ تو وہی ہو سکتی ہے کہ حد ثانی سے مراد گناہ ہے۔ یعنی من بلغ حدا فی غیر الم فھومن المعتدین۔" دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب کسی شخص پر شرعی اعتبار سے حد ثابت نہ ہو، یا تو اس لئے کہ معیار شہادت پورا نہیں پایا گیا یا اس میں شبہ فی الفعل یا شبہ فی المحل وغیرہ پایا گیا، جس کی وجہ سے حد لازم نہیں ہوئی تو اس صورت میں اس کو جو تعزیری سزا دو، اس میں حد تک نہ پہنچ جاؤ بلکہ اس سے کم کم رکھو۔ مثلاً ایک شخص نے چوری کی لیکن "حرز" نہ پائے جانے کی وجہ سے اس پر سے حد ساقط ہوگئی اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا۔ اب اگر امام یہ کہے کہ میں تعزیراً اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہوں، تو یہ حکم دینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ پھر تو حد ساقط ہونے کا کوئی مطلب ہی نہ رہا۔ اس حدیث من بلغ حدا فی غیر حد میں اسی کی ممانعت کی گئی ہے۔

تعزیراً قتل کرنے کا حکم

اب سوال یہ ہے کہ تعزیراً کسی کو قتل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حنفیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ تعزیراً قتل کیا جا سکتا ہے، اور دلیل میں وہ حدیث ابھی گزری ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿وان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ﴾

یعنی اگر چوتھی مرتبہ کوئی شخص شراب پیئے تو اس کو قتل کردو۔ حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ تعزیر پر محمول ہے۔

تعزیر کا باب بہت وسیع ہے

تعزیر کا باب بہت وسیع ہے اور اس میں امام کو بہت وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ حالات کے اعتبار سے جتنی چاہے سزا دے دے۔ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام کا نظام حدود و تعزیرات بڑا سخت ہے، حالانکہ اسلام میں نظام عقوبت اتنا لچک دار ہے کہ اور کسی نظام میں اتنی لچک نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ زیادہ تر جرائم تعزیر کے تحت آتے ہیں۔ اور تعزیر میں کوئی سزا شریعت کی

طرف سے مقرر نہیں کی گئی، بلکہ امام کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ حالات کا مناسب جائزہ لے کر مناسب سزا دے۔ فقہاء کرامؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ تعزیراً کسی کو صرف ترش روئی سے دیکھ کر چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی سزا کافی ہے۔ اس کو "نظرۃ شذرۃ" کہا جاتا ہے۔ انتہائی سزا یہ ہے کہ تعزیراً قتل کردیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا باب بڑا وسیع ہے۔

اور اس میں اصل اختیار تو امام کو ہے، لیکن امام قاضی کو اپنے اختیارات سپرد کردیتا ہے، اس صورت میں امام قاضی کو پابند کرسکتا ہے کہ فلاں جرم میں اتنی سزا تک دے سکتے ہو، اور قانوناً اس کا دائرہ مقرر کرسکتا ہے۔(۸۸)

والله سبحانه وتعالى اعلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابواب الصيد

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب ماجاء مايوكل من صيد الكلب ومالايوكل

﴿عن عدی بن حاتم قال قلت: یا رسول اللّٰہ! انا نرسل کلابا لنا معلمة قال: کل ما امسکن علیك، قلت: یا رسول اللّٰہ! وان قتلن؟ قال: وان قتلن مالم یشرکها کلب من غیرها قال: قلت: یا رسول اللّٰہ! انا نرمی بالمعراض قال: ماخزق فکل وما اصاب بعرضه فلا تاکل﴾ (۸۹)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہ حاتم الطائی کے بیٹے ہیں جو اپنی سخاوت میں مشہور ہیں۔ یہ پہلے نصرانی تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شکار کا مشغلہ زیادہ رہتا تھا، اس وجہ سے صید کے باب میں ان سے کثرت سے روایات مروی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے سدھائے ہوئے کتے جن کو شکار کی تربیت دی ہوئی ہوتی ہے، شکار کرنے کے لئے چھوڑتے ہیں، جب وہ کتے اس شکار کے جانور کو ہمارے پاس لاتے ہیں تو بعض اوقات وہ جانور اس وقت تک مرچکا ہوتا ہے تو اب شکار کو ہمارے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جس جانور کو وہ کتے تمہارے لئے روک کر لائے ہوں، ان کو تم کھاسکتے ہو۔ یعنی کتے نے شکار کرنے کے بعد شکار کے جانور کو کھایا نہیں بلکہ اس کو تمہارے لئے روک کر رکھا ہے وہ تم کھاسکتے ہو۔ لیکن اگر کتے نے اس جانور میں سے خود کچھ کھالیا ہے تو اب اس شکار کو تم نہیں کھاسکتے، اس لئے کہ اس صورت میں وہ جانور وما اکل السبع میں داخل ہوجائے گا۔ جس کے کھانے کی ممانعت قرآن میں آچکی ہے۔ اور اس کتے کا خود کھالینا اس بات کی

علامت۔ ہے کہ وہ تمہارے لئے شکار نہیں کر رہا تھا بلکہ اس نے اپنے لئے شکار کیا تھا۔ اس لئے اس کا کھانا تمہارے لئے جائز نہیں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! چاہے ان کتوں نے اس جانور کو قتل ہی کر دیا ہو اور ہمیں ذبح کرنے کا موقع نہ ملا ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ اس جانور کا کھانا ہمارے لئے حلال ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ ان کتوں نے جان سے مار دیا ہو تب بھی تمہارے لئے کھانا جائز ہے جب تک ان کتوں کے ساتھ کوئی اور کتا شریک نہ ہو گیا ہو۔ یعنی تم نے اپنا کتا "بسم اللہ" پڑھ کر شکار کی طرف چھوڑا اور جب اس نے جانور پر حملہ کیا تو اس وقت ایک دوسرا کتا بھی حملہ کرنے میں شریک ہو گیا اور دونوں نے مل کر شکار کو ہلاک کیا تو اس صورت میں وہ جانور کھانا تمہارے لئے جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ تم نے اپنے کتے پر تو "بسم اللہ" پڑھی تھی لیکن دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی جبکہ جانور دونوں کے مشترکہ حملے سے ہلاک ہوا اس لئے یہ جانور تمہارے لئے حلال نہیں۔

اگر مشروع اور غیر مشروع دو سبب پائے جائیں تو جانور حلال نہیں

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ اگر کسی جانور کی ہلاکت میں دو سبب جمع ہو گئے ہوں، جس میں سے ایک سبب مشروع ہو اور دوسرا سبب غیر مشروع ہو تو اس صورت میں وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک پرندے کو تیر مارا اور تیر لگنے کے بعد وہ پرندہ پانی میں گر گیا اور پانی کے اندر وہ مردہ ملا تو اب یہ معلوم نہیں کہ اس کی موت تیر لگنے کی وجہ سے واقع ہوئی یا پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے موت ہوئی، تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر تیر لگنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی تو وہ جانور حلال ہوگا اور اگر پانی کی وجہ سے موت واقع ہوئی تھی تو وہ پرندہ حرام ہوگا لیکن چونکہ یہاں دو سبب ہلاکت ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے، اس لئے وہ جانور حرام ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔(۹۰)

حلت اور حرمت کے بارے میں بنیادی اصول

اس مسئلہ کی بنیاد ایک بنیادی اصول پر ہے، وہ یہ کہ گوشت میں اصل حرمت ہے اور گوشت کے علاوہ دوسری اشیاء میں اصل حلت اور اباحت ہے۔ لہٰذا دوسری اشیاء اس وقت تک جائز اور

مباح سمجھی جائیں گی جب تک ان میں دلیل حرمت یقینی طور پر نہ پائی جائے مثلاً روٹی کے اندر اصل حلت اور اباحت ہے، چاہے وہ روٹی تم نے کسی کافر سے خریدی ہو، اس روٹی کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس میں کوئی نجس اور حرام چیز شامل کی گئی ہے، البتہ جب یہ ثابت ہوجائے کہ اس میں فلاں حرام یا نجس چیز شامل کی گئی ہے تو اس وقت وہ روٹی حرام ہوجائے گی۔ لیکن گوشت میں اصل حرمت ہے جب تک اس بات پر دلیل قائم نہ ہوجائے کہ یہ جانور مشروع طریقے سے ذبح کیا گیا ہے اس وقت تک اس جانور کے گوشت کو حرام سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اگر کوئی کافر گوشت فروخت کررہا ہو تو جب تک دلیل شرعی سے ہمیں یہ معلوم نہ ہوجائے کہ یہ جانور مشروع طریقے سے ذبح کیا گیا ہے اس وقت تک اس گوشت کو خرید کر کھانا ہمارے لئے جائز نہیں۔ لہٰذا گوشت کو حلال کہنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور دوسری اشیاء کو حرام قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ حلت اور حرمت کے بارے میں یہ بہت اہم اصول ہے جو ذہن میں رہنا چاہئے۔

صرف احتمال کی بنیاد پر اشیاء کو حرام نہیں کہا جائے گا

آج کل غیر مسلم ممالک میں خاص طور پر یہ بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے اور اللہ بچائے اب تو مسلم ملکوں میں بھی مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلم ممالک میں بہت سی ایسی اشیاء فروخت ہوتی ہیں جن کے اندر کسی نجس یا حرام چیز کے شامل ہونے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا ان اشیاء میں مندرجہ بالا اصول سے یہ مسئلہ نکل آئے گا کہ اگر گوشت کے علاوہ کوئی چیز ہے اور اس چیز کے بارے میں شک ہورہا ہے کہ اس میں کوئی ناجائز چیز تو نہیں ملی ہوئی، تو جب تک اس میں حرام یا ناجائز چیز کے شامل ہونے کا یقین حاصل نہ ہوجائے اس وقت تک اس چیز کو کھانا جائز ہے۔ مثلاً ڈبل روٹی ہے، بعض ڈبل روٹیوں کے بارے میں یہ سننے میں آیا ہے کہ اس میں کوئی نجس یا حرام چیز شامل ہوتی ہے۔ مثلاً بعض اوقات ڈبل روٹی پر مردار کی چربی لگادیتے ہیں، لیکن ڈبل روٹی میں چونکہ اصل حلت ہے لہٰذا جب تک ہمیں یقین سے یہ معلوم نہیں ہوجائے گا کہ اس ڈبل روٹی میں فلاں حرام اور نجس چیز شامل ہے، اس وقت تک ڈبل روٹی کھانے کی گنجائش ہے اور ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ڈبل روٹی کو کھاسکتے ہیں اور بہت زیادہ کھوج کاؤ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر یقین سے یہ معلوم ہوجائے کہ بازار میں کوئی بھی ڈبل روٹی ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی نجس اور حرام چیز کی آمیزش سے خالی ہو تو اس صورت میں ڈبل روٹی کھانا جائز نہیں ہوگا۔

ڈبوں میں پیک شدہ گوشت

لیکن گوشت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس لئے کہ جب تک یقین سے معلوم نہ ہوجائے کہ یہ گوشت مشروع طریقے پر ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے اس وقت تک اس گوشت کو کھانا جائز نہیں۔ لہٰذا آج کل ڈبوں میں جو پیک شدہ گوشت آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ سے آتے ہیں، افسوس یہ کہ آج کل سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں میں بھی ان کا بہت رواج ہے، ان ڈبوں پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ مذبوح علی الطریقة الاسلامیة اس عبارت سے دھوکہ کھا کر مسلمان اس گوشت کو استعمال کرلیتے ہیں۔ حالانکہ اس ڈبے کے اوپر صرف اس عبارت کے لکھے ہونے سے یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ واقعۃً اس کو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ جب تک یہ تحقیق نہ کرلی جائے کہ یہ عبارت لکھنے والا کون ہے؟ اور کس بنیاد پر اس نے یہ لکھا ہے اور واقعۃً اس کو شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ اس وقت تک اس ڈبے میں پیک شدہ گوشت کو کھانا جائز نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک مہر ہوتی ہے جو ڈبے پر لگادیتے ہیں حتی کہ مچھلی کے ڈبے پر بھی مذبوح علی الطریقة الاسلامیة کی مہر لگی ہوئی دیکھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی مہر کا کیا اعتبار ہے۔

مندرجہ بالا مسئلہ غیر مسلم ممالک کے گوشت کا ہے لیکن جہاں مسلمان ہوں تو چونکہ مسلمانوں کے ظاہر حال کو مشروع طریقے پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہاں ظاہر حال سے یہی سمجھا جائے گا کہ یہ مذبوح گوشت ہے، لہٰذا اس کی تحقیق کرنا واجب نہیں۔ البتہ ایسے شہر میں جہاں زیادہ تر غیر مشروع گوشت کا رواج ہے اور وہ مسلمانوں کا شہر ہے، اس صورت میں بھی تحقیق کرنا واجب ہے، بغیر تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔

گوشت اور دوسری اشیاء میں فرق کی وجہ

یہ جو اصول میں نے بتایا کہ دوسری اشیاء میں اصل حلت ہے اور گوشت ہی اصل حرمت ہے۔ ان دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت جانور کا ہوتا ہے اور زندہ جانور باجماع حرام ہے اور جانور اس وقت حلال ہوتا ہے جب وہ مشروع طریقے پر ذبح کرلیا جائے۔ لہٰذا جانور میں اصل حرمت ہے۔ اس حرمت کو زائل کرنے کے لئے شریعت نے ذبح کا ایک مخصوص

طریقہ بتادیا کہ یہ طریقہ اختیار کروگے تو جانور حلال ہوجائے گا اور یہ طریقہ اختیار نہیں کروگے تو جانور حلال نہیں ہوگا بلکہ حرمت باقی رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانور میں اصل حرمت ہے۔ جب تک اس کو صحیح طریقے پر ذبح کئے جانے کا علم نہ ہوجائے۔

بہرحال، حدیثِ باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے یہ جو فرمایا کہ تم اپنے کتے کے شکار کئے ہوئے جانور کو کھاسکتے ہو جب تک اس کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شریک نہ ہوگیا ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ چونکہ جانور میں اصل حرمت ہے اور جب شکار کے وقت دوسرا کتا بھی شامل ہوگیا تو اب یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ اس جانور کی ہلاکت آپ کے بھیجے ہوئے کتے کے حملہ کرنے سے ہوئی یا دوسرے کتے کی وجہ سے ہلاکت واقع ہوئی تو اب شبہ پیدا ہوگیا کہ وہ جانور مشروع طریقے سے ہلاک ہوا یا غیر مشروع طریقے سے ہلاک ہوا۔ اس شبہ کی وجہ سے یہ نہیں ہوگا کہ جانور میں حرمت آجائے گی، اس لئے کہ وہ تو پہلے سے حرام تھا بلکہ حلت آنا بند ہوجائے گی۔

صرف شک وشبہ کی وجہ سے حرمت نہیں آتی

اور جن اشیاء میں اصلاً اباحت ہوتی ہے ان میں صرف شک و شبہ کی وجہ سے حرمت نہیں آتی، جب تک کہ حرمت کا یقین نہ ہوجائے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مؤطا امام مالکؒ میں مشہور واقعہ آیا ہے کہ آپ ایک جنگل اور بیابان سے گزر رہے تھے۔ راستے میں وضو کے لئے پانی کی ضرورت پیش آئی تو ایک حوض راستے میں نظر آیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سامنے سے حوض کا مالک آرہا ہے، اس سے آپ نے یہ پوچھنا شروع کردیا کہ یا صاحب الحوض! ھل ترد حوضک السباع؟ کیا تمہارے حوض پر درندے پانی پینے کے لئے آتے ہیں؟ ان کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر درندے پانی پینے کے لئے آتے ہوں گے تو ان کا جھوٹا اس حوض کے پانی میں گرتا ہوگا اور اس کی وجہ سے حوض کا پانی ناپاک ہوگا تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ حوض والا کچھ جواب دیتا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا یا صاحب الحوض، لاتخبرنا یعنی ہمیں یہ مت بتانا کہ اس حوض پر درندے آتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے اس کو بتانے سے اس لئے منع فرمادیا کہ پانی کے اندر اصل طہارت ہے اور اصلاً اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے، لیکن چونکہ یہ حوض کھلا ہوا تھا اس لئے شک پیدا ہوگیا کہ شاید اس پر درندے پانی پینے کے

لئے آتے ہوں، اس شک کی وجہ سے طہارت اصلیہ زائل نہیں ہوگی۔ اس لئے اس پانی کو نجس نہیں کہا جائے گا جب تک کہ نجس ہونے کا یقین حاصل نہ ہو جائے۔ لہٰذا اگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں صاحب الحوض یہ کہہ دیتا کہ ہاں کبھی کبھار درندے حوض پر آتے ہیں تو اس کی وجہ سے بھی شک پیدا ہو جاتا اور شک کی بنیاد پر پانی تو ناپاک نہ ہوتا لیکن خواہ مخواہ دل میں وسوسے پیدا ہوتے کہ معلوم نہیں وضو درست ہوا یا نہیں؟ اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یا صاحب الحوض لا تخبرنا کہہ کر اس شک اور وسوسے کی جڑ ہی کاٹ دی۔

زیادہ تحقیق میں بھی نہیں پڑنا چاہئے

اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء مباحہ میں اگر شک پیدا ہو جائے تو اس شک کی وجہ سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے پتہ چلا کہ کسی چیز کی بہت زیادہ تحقیق اور کاوش کرنا بھی ضروری نہیں کہ انسان ہر چیز کی کھود کرید میں لگ جائے کہ اس چیز کے اندر کیا حرام چیز شامل ہے؟ فلاں چیز میں کیا اجزاء ہیں؟ اس لئے کہ جب شریعت نے تمہیں شک کے باوجود اس چیز کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے تو پھر یہ ناواقفیت بھی ایک نعمت ہے۔ اس نعمت کو تحقیق کر کے زائل کرنے کی کوشش مت کرو۔ بعض لوگوں کو اس کا ذوق ہوتا ہے کہ ہر چیز کی بال کی کھال نکالنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہ ڈالڈا گھی میں فلاں چیز شامل ہے اور اب اس کی تحقیق کے پیچھے پڑ گئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے، وہ اس تحقیق میں لگے ہوئے تھے کہ ڈالڈا گھی میں ایسی چیز شامل ہے جو نجس یا حرام ہے۔ روزانہ حضرت والد صاحب کے پاس کبھی اخبار لاکر دکھاتے۔ کبھی کچھ لاکر دکھاتے اور بتاتے کہ دیکھئے اخبار میں یہ آیا ہے۔ فلاں رسالے میں یہ آیا ہے۔ حضرت والد صاحب فرماتے کہ میں اس کو نہیں پڑھتا، اس کو واپس لے جاؤ، تم خود پڑھ لینا۔ بہرحال ان اشیاء میں عموم بلویٰ ہے۔ ساری قوم اس کے اندر مبتلا ہے۔ اور ہم اس کے مامور بھی نہیں کہ بلاوجہ بہت زیادہ کھود کرید کریں اس لئے کہ اگر بہت زیادہ کھود کرید کی جائے گی تو دنیا میں کوئی چیز حلال نہیں رہے گی۔

حدیثِ باب کا دوسرا جملہ

قلت: یا رسول اللہ انا نرمی بالمعراض، قال ماخزق فکل

وما اصاب بعرضه فلا تاکل

یہ حدیث کا دوسرا جملہ ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم بعض اوقات معراض پھینکتے ہیں۔ معراض ایک قسم کا تیر ہوتا تھا۔ سہم اور معراض میں یہ فرق ہے کہ سہم نوکدار اور پر والا تیر ہوتا ہے۔ اور معراض میں نوک اور پر نہیں ہوتے بلکہ وہ سیدھا اور چپٹا ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ معراض کے آگے نوک کے بجائے دھار ہوتی ہے اور وہ دھار طول میں ہوتی ہے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اگر معراض سے جانور شکار کریں تو اس جانور کا کیا حکم ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ماخزق فکل خزق کے معنی ہیں "جرح" اور بعض حضرات نے اس کے معنی کئے ہیں "آرپار ہونا" مطلب یہ ہے کہ جو تیر زخمی کردے یا آرپار ہوجائے اس جانور کو کھالو اور جو تیر جانور کو چوڑائی میں لگے اس کو مت کھاؤ۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فانہ وقیذ یعنی وہ جانور "موقوذۃ" کے حکم میں ہے، اس لئے کہ وہ جانور اس تیر کی چوٹ سے مرا ہے زخمی ہونے کی وجہ سے نہیں مرا ہے۔

چوٹ سے ہلاک ہونے والا جانور حلال نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آلہ جارحہ ہے اور بسم اللہ پڑھ کر وہ آلہ جارحہ استعمال کیا ہے تب تو وہ شکار حلال ہوجائے گا لیکن اگر آلہ جارحہ نہیں ہے بلکہ وہ آلہ مثقل ہے اور وہ آلہ اپنے ثقل کی وجہ سے جانور کو چوٹ لگائے اور اس سے جانور کی موت واقع ہوجائے تو وہ جانور حلال نہیں ہوگا، الا یہ کہ اس جانور کو پکڑنے کے بعد زندہ حالت میں پائے اور اس کو ذبح کرلے تو اس وقت وہ جانور حلال ہوجائے گا۔

غلیل سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم

اس حدیث سے فقہاء کرام نے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ غلیل سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوتا جب تک اس کو ذبح نہیں کرلیا جائے، کیونکہ غلیل کا "غلہ" یا پتھر محدد نہیں ہوتا اور جارح نہیں ہوتا، اگر وہ غلہ کسی جانور کو لگ جائے اور اس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوجائے تو وہ ہلاکت چوٹ کی وجہ سے واقع ہوگی اور وہ جانور "موقوذۃ" کے حکم میں ہوگا اس لئے وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ عربی زبان میں غلیل کو "بندقۃ" کہا جاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں جہاں "بندقۃ" کا حکم بیان کیا گیا ہے،

اس سے مراد غلیل ہی ہے۔(۹۱)

بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھ کر بندوق یا رائفل وغیرہ کی گولی چلائے اور وہ شکار ہلاک ہوجائے تو وہ حلال ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہاء متقدمین کی کتابوں میں موجود نہیں ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں بندوق وغیرہ کا رواج نہیں تھا اور علماء عصر کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوگیا۔ علماء عصر کی ایک جماعت اس جانور کو حلال قرار دیتی ہے جبکہ دوسری جماعت اس کو حلال قرار نہیں دیتی۔ جو حضرات علماء اس جانور کو حلال قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت جس وقت گولی جاکر لگتی ہے تو وہ گولی آرپار ہوجاتی ہے، لہٰذا وہ "ماخزق" میں داخل ہے جس کا بیان حدیث کے پہلے جملے میں آیا ہے اور پھر اس گولی کے پار ہونے کی وجہ سے اتنا خون نکلتا ہے کہ بسا اوقات چھری سے ذبح کے وقت بھی اتنا خون نہیں نکلتا، لہٰذا ذبح کا جو اصل مقصد ہے کہ خون جانور کے اندر نہ رہ جائے، بلکہ باہر نکل جائے۔ یہ مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا گولی سے کیا گیا شکار حلال ہے۔

جو حضرات علماء اس جانور کو حرام قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بندوق کی گولی بذات خود محدد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ دھار دار نہیں ہوتی، اور جب وہ شکار کو جاکر لگتی ہے تو اس کے نتیجے میں شکار کو چوٹ لگتی ہے، البتہ چونکہ وہ گولی دور سے اور تیز رفتاری سے آتی ہے اس لئے وہ جسم کو پھاڑ کر اندر گھس جاتی ہے ورنہ اس گولی کے اندر بذات خود جارح اور محدد ہونے اور جسم پھاڑنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لئے وہ گولی محدد کے حکم میں داخل نہیں۔ بلکہ مثقل کے حکم میں داخل ہے۔ اس لئے گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں فرمایا ہے کہ گولی لگنے کی وجہ سے جو موت واقع ہوتی ہے وہ اندفاع عنیف یعنی شدید ثقل کیوجہ سے موت واقع ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس جانور کی موت احراق کی وجہ سے واقع ہوتی ہے، اس لئے کہ گولی محرق ہے اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ محرق محدد کے حکم میں ہے، اس وجہ سے وہ جانور حلال ہونا چاہئے۔ لیکن حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ نے لکھا ہے کہ یہ بندوق کی گولی محرق نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے زمانے میں اس طرح تجربہ کیا کہ ایک روئی کا گالہ سامنے رکھا اور اس پر فائر کیا، اس کے نتیجے میں گولی اس میں سے گزر گئی اور اس میں آگ نہیں لگی، اگر وہ محرق ہوتی تو روئی میں آگ لگتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ محرق نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت گنگوہی اور ہمارے علماء دیوبند کے بیشتر حضرات کا یہی فتویٰ ہے کہ گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو باقاعدہ ذبح نہ کرلیا جائے۔

لیکن چونکہ یہ مسئلہ فقہاء عصر کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور علماء کی بہت بڑی جماعت نے اس کو جائز بھی کہا ہے اور حرمت کے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جو حدیثِ باب میں آیا ہے کہ ما اصاب بعرضه فلا تاکل حالانکہ جب تیر عرض سے جاکر لگتا ہے اس وقت بھی وہ تھوڑا سا اندر چلا جاتا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے اس کو ناجائز قرار دیا لیکن اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر تیر عرض سے جاکر لگے تو اس کے نتیجے میں اتنا خون نہیں بہتا جتنا گولی لگنے سے بہتا ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ قابل نظر اور قابل تأمل ہے۔ اور واضح طور پر اس کو حرام قرار دینا محل کلام ہے اور علماء کی ایک بڑی جماعت اس کی حلت کی قائل رہی ہے۔

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اصول لکھا ہے کہ جہاں اس بات کا شبہ پیدا ہوجائے کہ آیا اس جانور کی موت چوٹ سے واقع ہوئی ہے یا زخم لگنے سے واقع ہوئی ہے۔ اس صورت میں شبہ پر عمل کیا جائے گا اور شبہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس جانور کو حرام کہا جائے، حلال نہ کہا جائے۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو جانب حرمت راجح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ (۹۲)

نوکدار گولی کا حکم

مندرجہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ جب گولی نوکدار نہ ہو لیکن اگر گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں وہ جانور بالاتفاق حلال ہوجائے گا۔

اس باب کی دوسری حدیث

عن عائذ الله بن عبد الله انه سمع ابا ثعلبة الخشني قال: قلت: يا رسول الله ! انا اهل صيد، فقال: اذا ارسلت كلبك وذكرت اسم الله عليه فامسك عليك فكل، قلت: وان قتل؟ قال: وان قتل قلت انا اهل رمى قال ماردت عليك قوسك فكل، قال قلت: انا اهل سفر نمر باليهود والنصارى والمجوس فلا نجد غير انيتهم قال: فان لم تجدوا غيرها

فاغسلوها بالماء ثم کلوا فیها واشربوا ﴾ (۹۳)

حضرت عائذ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم شکاری لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم نے اپنا کتا بھیجتے وقت بسم اللہ پڑھی اور کتے نے شکار تمہارے لئے روک لیا تو اسے کھاسکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہم تیرانداز لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا جو جانور تمہارے تیر سے شکار ہوجائے اس کو کھاسکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہم سفر بھی زیادہ کرتے ہیں اور سفر کے دوران یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کی بستیوں پر گزرنا ہوتا ہے، وہاں پر ہم ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو پانی سے دھوکر ان میں کھاپی سکتے ہو۔

باب ماجاء فی صید کلب المجوسی

﴿عن جابر بن عبد اللہ قال: نهینا عن صید کلب المجوسی ﴾
(۹۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مجوسی کے کتے کے شکار سے منع کیا گیا۔

باب فی صید البزاۃ

﴿عن عدی بن حاتم قال: سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صید البازی، فقال: ما امسک علیک فکل ﴾ (۹۵)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ باز شکار کو تمہارے لئے پکڑے یعنی اس میں سے نہ کھائے تو تم اس جانور کو کھاسکتے ہو۔

کتے اور باز کے معلّم ہونے کی علامت

حنفیہ کے نزدیک کتے کے سدھانے میں اور باز یا شکرہ کے سدھانے میں فرق ہے، وہ یہ کہ کتے کو معلّم اس وقت کہا جائے گا جب وہ شکار کر کے جانور کو خود نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے پاس پکڑ

کر لے آئے۔ اگر وہ خود کھالے تو اس کو معلّم نہیں سمجھا جائے گا اور اس کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا۔ لیکن باز اور شکرہ کے بارے میں فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ شکار کے جانور میں سے تھوڑا سا کھا بھی لیں تب بھی وہ حلال ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ باز اور شکرہ کے معلّم ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب مالک اس کو اپنے پاس بلائے تو وہ واپس آجائے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کتے کو سدھانا آسان ہے اور سدھانے کے لئے اس کو مارا بھی جاسکتا ہے۔ بخلاف باز کے کہ اس کو سدھانا مشکل بھی ہے اور اس کو مارا بھی نہیں جاسکتا۔ اس لئے باز کے لئے معلّم ہونے کی حد یہ ہے کہ جب مالک اس کو واپس بلائے تو وہ واپس آجائے۔ یہ اس کے معلّم ہونے کی علامت ہے۔(۹۶)

باب في الرجل يرمي الصيد فيغيب عنه

﴿عن عدی بن حاتم رضی اللّٰه عنه قال: قلت یا رسول اللّٰه ! ارمی الصید فاجد فیه من الغد سهمی، قال: اذا علمت ان سهمك قتله ولم تر فیه اثر سبع فکل﴾ (۹۷)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بعض اوقات شکار کو تیر مارتا ہوں لیکن وہ شکار مجھے نہیں ملتا البتہ دوسرے دن جب میں تلاش کرتا ہوں تو وہ شکار مجھے اس حال میں مل جاتا ہے کہ میرا تیر اس کو لگا ہوتا ہے تو کیا اس صورت میں اس شکار کو کھاؤں یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ معلوم ہوجائے کہ تمہارے تیر نے ہی اس کو قتل کیا ہے اور اس شکار میں کسی درندے کے کھانے کا کوئی نشان بھی نہ دیکھو تو اس شکار کو کھالو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ظن غالب یہ ہو کہ میرے تیر نے اس کو ہلاک کیا ہے اور اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس جانور کو کھانا جائز ہے۔

باب في من يرمي الصيد فيجده ميتا في الماء

﴿عن عدی بن حاتم رضی اللّٰه عنه قال: سالت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الصید فقال: اذا رمیت بسهمك فاذکر اسم اللّٰه فان وجدته قد قتل فکل الا ان تجده قد وقع فی ماء فلا تاکل فانك لا تدری الماء قتله او سهمك﴾ (۹۸)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب تم تیر چلاؤ تو بسم اللہ پڑھ لو۔ اگر اس تیر سے شکار مرجائے تو اس کو کھالو، لیکن اگر اس شکار کو پانی میں مردہ حالت میں پاؤ تو اس کو مت کھاؤ۔ اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے تیر سے ہلاک ہوا ہے یا پانی میں گرنے کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔

حلت اور حرمت کے دونوں احتمال ہوں تو جانب حرمت کو ترجیح ہوگی

اگر جانور کے مرنے کے دونوں احتمال برابر ہوں کہ آیا تیر سے ہلاک ہوا ہے یا پانی میں گرنے سے ہلاک ہوا ہے تو اس شکار کو کھانا جائز نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ذبیحہ کا گلا کاٹ دیا گیا اور پھر وہ ذبیحہ پانی میں گر گیا تو اس وقت غالب گمان یہ ہے کہ اس ذبیحہ کی موت قطع حلقوم کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے اور اس ذبیحہ کا خون بھی بہہ گیا ہے۔ اس لئے اس صورت میں اس جانور کو کھانا جائز ہے لیکن جہاں دونوں سبب برابر کا احتمال رکھتے ہوں تو وہاں کھانا جائز نہیں۔

اس باب کی دوسری حدیث

﴿عن عدی بن حاتم رضی اللّٰہ عنہ قال: سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن صید الکلب المعلم، قال: اذا ارسلت کلبک و ذکرت اسم اللّٰہ فکل ما امسک علیک فان اکل فلاتاکل فانما امسک علی نفسہ، قلت: یا رسول اللّٰہ ا ارایت ان خالطت کلابنا کلاب اخری؟ قال: انما ذکرت اسم اللّٰہ علی کلبک ولم تذکر علی غیرہ قال بسفیان کرہ لہ اکلہ﴾

(۹۹)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کے بارے میں سوال کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم نے اپنا سدھایا ہوا کتا بھیجا اور بھیجتے وقت بسم اللہ پڑھ لی تو جس شکار کو وہ

کتا تمہارے لئے روک لائے اس کو کھاسکتے ہو۔ لیکن اگر کتے نے اس شکار میں سے کچھ کھالیا ہے تو اب تم اس کو مت کھاؤ، اس لئے کہ اس کتے نے وہ اپنے لئے شکار کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہمارے کتے کے ساتھ دوسرا کتا شامل ہوجائے تو پھر کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنا کتا بھیجتے وقت بسم اللہ پڑھی تھی دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ ایسے شکار کو کھانا صحیح نہیں۔

باب ماجاء فی صید المعراض

﴿عن عدی بن حاتم رضی اللّٰہ عنه قال: سالت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عن صید المعراض، فقال: ما اصبت بحده فکل وما اصبت بعرضه فهو وقیذ﴾ (۱۰۰)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے معراض سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر جانور اس معراض کی دھار اور نوک لگنے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو اس کو کھالو، اور اگر جانور اس معراض کی چوڑائی لگنے کی وجہ سے ہلاک ہو تو وہ جانور "وقیذ" ہے یعنی "موقوذة" میں داخل ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الذبح بالمروة

﴿عن جابر بن عبد اللّٰہ ان رجلا من قومه صاد ارنبا او اثنتین، فذبحهما بمروة فتعلقهما حتی لقی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فساله فامره باکلهما﴾ (۱۰۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی قوم کے ایک آدمی نے ایک یا دو خرگوش شکار کئے اور پھر ان کو ایک دھار دار سفید پتھر سے ذبح کیا اور پھر ان دونوں کو لٹکادیا، حتیٰ کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ سے پوچھا کہ میں ان کو کھاسکتا ہوں یا نہیں؟ اس لئے کہ میں نے ان کو مروۃ پتھر سے ذبح کیا تھا۔ آپ نے ان کو کھانے کا حکم دے دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز سے ذبح کیا ہے وہ چاہے پتھر ہو یا ہتھیار ہو، اگر وہ دھار دار ہے تو

اس سے ذبح کرنا اور اس جانور کو کھانا جائز ہے، جیسا کہ حدیثِ باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروۃ پتھر سے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھانے کی اجازت دے دی۔

باب ماجاء في كراهية اكل المصبورة

﴿عن ابی الدرداء رضی اللّٰه عنه قال : نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن اكل المجثمة وهى التى تصبر بالنبل﴾

(۱۰۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "مجثمہ" کھانے سے منع فرمایا اور "مجثمہ" وہ جانور ہے جن کو تیروں سے صبراً قتل کیا جاتا ہے۔ صبراً قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانور کو سامنے رسی سے باندھ دیا اور پھر اس پر دور سے تیر برسائے اور اس کے نتیجے میں وہ جانور ہلاک ہوگیا۔ ایسے جانور کو "مصبورة" بھی کہتے ہیں۔ ایسا جانور کھانا حرام ہے، اس لئے کہ جب اس جانور کو سامنے رسی وغیرہ سے باندھ دیا تو اب اس کی ذکاۃ اختیاری ہوگئی، اضطراری نہیں رہی۔ کیونکہ ذکاۃ اضطراری اس وقت ہوتی ہے جب جانور قابو میں نہ ہو، لیکن جب جانور قابو میں ہے اور بندھا ہوا ہے تو اب اس کی ذکاۃ اختیاری ہے، اضطراری نہیں۔ اور ذکاۃ اختیاری میں حلق کی عروق اربعہ کو کاٹنا ضروری ہے اس کے بغیر وہ جانور حلال نہیں ہوگا، چاہے وہ بندھا ہوا جانور پالتو ہو یا جنگلی ہو۔ اس کے برعکس جن جانوروں کی ذکاۃ اختیاری ہوتی ہے وہ جانور اگر قابو سے باہر ہوجائیں مثلاً گائے یا اونٹ ہے، اس کی ذکاۃ اختیاری ہے، اگر وہ گائے یا اونٹ بھاگ جائے اور قابو سے باہر ہوجائے تو اس صورت میں اس کی ذکاۃ اضطراری ہوجائے گی اور اس صورت میں ان کو شکار کے طریقے پر تیروں کے ذریعہ مار دیا جائے تو وہ حلال ہوجائے گا۔

﴿عن وهب بن ابی خالد قال حدثتنى ام حبيبة بنت العرباض بن سارية عن ابيها ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى يوم خيبر عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذى مخلب من الطير وعن لحوم الحمر الاهلية وعن المجثمة وعن الخليسة وان توطا الحبالى حتى يضعن مافى بطونهن، قال محمد بن يحيى هو القطعى﴾ (۱۰۳)

اُم حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہا اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن ہر اس درندے کے کھانے سے منع فرمایا جو "ناب" والا ہو، اور ہر پنجے والے پرندے سے منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور "مجثمہ" اور "خلیسہ" سے منع فرمایا۔ "خلیسہ" اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کو دوسرے درندے نے پھاڑ دیا ہو۔ مثلاً شیر یا بھیڑیے نے کسی بکری کو پھاڑ دیا تو وہ بکری "خلیسہ" ہے اور قرآن کریم کی آیت وما اکل السبع میں داخل ہے اور حرام ہے، اور حاملہ عورت سے وطی کرنے سے منع فرمایا جب تک بچے کی ولادت نہ ہوجائے۔

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : نهى رسول اللہ صلى اللہ علیه وسلم ان یتخذ شئی فیه الروح غرضا﴾ (۱۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی ذی روح چیز کو نشانہ بنایا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار چیز کو سامنے کھڑا کر کے نشانہ کی مشق کرنا جائز نہیں جبکہ شکار کرنا مقصد نہیں بلکہ مقصد اپنا نشانہ درست کرنا ہے۔

باب فی ذکوۃ الجنین

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه عن النبی صلى اللہ علیه وسلم قال ذکوۃ الجنین ذکوۃ امه﴾ (۱۰۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنین کی ذکاۃ اس کی ماں کی ذکاۃ ہے۔

جنین کی ذکاۃ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف

اس حدیث کی بنیاد پر ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے ایسا بچہ نکلا جس میں تھوڑی سی جان باقی تھی لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس بچے کو مستقل ذبح کیا جاتا اور پھر وہ بچہ مرگیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بچہ حلال ہوگا اور ماں کو ذبح کرنا اسی بچے کے ذبح کرنے کے قائم مقام ہوجائے گا۔ البتہ اگر وہ بچہ اتنی دیر زندہ رہا جتنی دیر میں اس کو مستقل ذبح کیا جاسکتا تھا تو اس بچے کو مستقل ذبح کرنا ان حضرات کے نزدیک ضروری ہے، اگر ذبح نہیں کیا تو وہ بچہ

حلال نہیں ہوگا۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ بچہ مرا ہوا نکلا، یا زندہ نکلا تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کو مستقل ذبح کیا جاتا تو ان دونوں صورتوں میں وہ بچہ حرام ہوگا اس کو کھانا جائز نہیں۔ حنفیہ قرآن کریم کی آیت حرمت علیکم المیتة سے استدلال فرماتے ہیں۔ کیونکہ وہ بچہ میتہ کے عموم میں داخل ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں "منخنقہ" کو حرام قرار دیا گیا ہے اور منخنقہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو دم گھٹنے سے ہلاک ہوجائے اور جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، ماں کو ذبح کرنے سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس لئے یہ بچہ میتہ میں بھی داخل ہے اور منخنقہ میں بھی داخل ہے۔ لہٰذا اس بچے کو کھانا جائز نہیں۔(۱۰۶)

حدیثِ باب کا جواب

جہاں تک حدیثِ باب کا تعلق ہے، اس کے بارے میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو طریقے سے مروی ہے، ایک یہ کہ بعض راویوں نے حدیث ذکوة الجنین ذکوة امه میں ثانی ذکوۃ کو رفع کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض راویوں نے "ذکوة امة" نصب کے ساتھ روایت کیا ہے، اگر نصب والی روایت لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں یہ عبارت "ذکوة الجنین کذکوة امة" ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جنین کی ذکوۃ بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح ماں کی ذکوۃ فرض ہے۔ لہٰذا جس طرح ماں بغیر ذکوۃ کے حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح جنین بھی بغیر ذکوۃ کے حلال نہیں ہوگا۔ نصب کی صورت میں تو یہی معنی متعین ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معنی نہیں ہوسکتے۔

اگر اس روایت کو لیا جائے جس میں "ذکوة امة" بالرفع آیا ہے، اس صورت میں بھی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ اگرچہ یہاں پر حرف تشبیہ تو مذکور نہیں لیکن یہ تشبیہ بلیغ ہے، جس میں مشبہ بہ کو مشبہ پر حمل کیا جاتا ہے اور حرف تشبیہ کو حذف کردیتے ہیں۔ جیسے "زید اسد" اصل میں زید کالاسد تھا۔ اس میں سے حرف تشبیہ کو حذف کردیا ہے اور لفظ اسد جو مشبہ بہ ہے اس کو زید مشبہ پر حمل کردیا اس کو تشبیہ بلیغ کہا جاتا ہے۔ جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

فعیناک عیناها وجیدک جیدها

شاعر کو ایک ہرنی نظر آئی تو اس ہرنی سے مخاطب ہوکر شاعر کہتا ہے کہ اے ہرنی تیری آنکھیں تو ایسی

ہیں جیسے میری محبوبہ کی آنکھیں ہیں اور تیری گردن ایسی ہے جیسے میری محبوبہ کی گردن ہے۔

سوا ان عظم الساق منك دقيق

سوائے اس کے کہ تیری پنڈلی کی ہڈی پتلی ہے اور میری محبوبہ کی پنڈلی کی ہڈی موٹی ہے۔ اس شعر میں لفظ "فعيناك" مشبہ ہے اور لفظ عيناها مشبہ بہ ہے لیکن شاعر نے مشبہ بہ کو مشبہ پر حمل کردیا اور حرف تشبیہ کو ذکر نہیں کیا، اسی کو تشبیہ بلیغ کہتے ہیں۔ اسی طرح حدیثِ باب "ذكوة الجنين ذكوة امة" میں تشبیہ بلیغ ہے یعنی جنین کی ذکوۃ بھی ماں کی ذکوۃ کی طرح ہے۔ جس طرح ماں کو ذبح کیاجائے گا اس طرح جنین کو بھی ذبح کیا جائے گا۔

اور حنفیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ حدیثِ باب کی جو تشریح کرتے ہیں وہ یہاں درست نہیں بنتی۔ اس لئے کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ ماں کی ذکوۃ جنین کی ذکوۃ کے قائم مقام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جنین کی ذکوۃ اصل ہوئی اور ماں کی ذکوۃ اس کے قائم مقام ہوئی۔ یعنی ماں کی ذکوۃ نائب ہوئی اور جنین کی ذکوۃ منوب عنہ ہوئی اور عام طور پر محاورات میں نائب کو منوب عنہ پر حمل نہیں کیا جاتا بلکہ منوب عنہ کو نائب پر حمل کیا جاتا ہے، لہٰذا جملے میں نائب مبتدأ واقع ہوتا ہے، خبر واقع نہیں ہوتا۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من كان له امام فراءة الامام له قراءة۔ (۱۹) امام کی قرات مقتدی کی قرات کی نائب ہوتی ہے، تو اس حدیث میں امام کی قرات کو مبتدأ بنایا اور مقتدی کی قرات کو خبر بنایا اور منوب عنہ کو نائب پر حمل کیا، نہ کہ نائب کو منوب عنہ پر حمل کیا لہٰذا اگر حدیثِ باب میں آپ کی بیان کردہ تشریح کو درست مان لیں تو اس صورت میں "ذكوة امة" جو نائب ہے اس کو منوب عنہ پر حمل کرنا لازم آجائے گا جو کہ خلاف محاورہ ہے۔ لہٰذا اس صورت میں حدیث کے معنی واضح نہیں ہوں گے اور تشبیہ بلیغ لینے کی صورت میں معنی بالکل واضح ہوجاتے ہیں۔

مندرجہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے جس میں بچے کو ذبح کرنے کا وقت نہ ملا ہو، لیکن جس صورت میں بچے کو ذبح کرنے کا وقت ملا ہو اور اس کے باوجود اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو تو وہ صورت مختلف فیہ نہیں بلکہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقت ملنے کے باوجود اگر ذبح نہیں کیا گیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حرام ہوگا اور اگر اس وقت ذبح کرلیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حلال ہوجائے گا۔

باب كراهية كل ذي ناب وذي مخلب

عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللّٰه عنه قال: نهی رسول اللّٰه

صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع ﴾ (۱۰۸)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب درندے کے کھانے سے منع فرمایا:

﴿عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال حرم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی یوم خیبر الحمر الانسیة ولحوم البغال وکل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطیر﴾ (۱۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں، خچروں کے گوشت، ذی ناب درندوں اور پنجے والے پرندوں کو حرام فرمادیا۔

﴿عن ابی ہریرہ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حرم کل ذی باب من السباع﴾ (۱۱۰)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ذی ناب درندے کو حرام فرمادیا۔

باب ماجاء ماقطع من الحی فهو میت

﴿عن ابی واقد اللیثی رضی اللّٰہ عنہ قال: قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة وھم یجبون اسنمة الابل ویقطعون الیات الغنم فقال مایقطع من البھیمة وھی حیة فھو میتة﴾ (۱۱۱)

حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ زندہ اونٹوں کے کوہانوں کو کاٹا کرتے تھے۔ جب یحب کے معنی ہیں کاٹنا، قطع کرنا، اور زندہ دنبوں اور بھیڑوں کی چکتیاں کاٹ کر پکا کر کھالیا کرتے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جانور کا جو عضو اور حصہ اس کے زندہ ہونے کی حالت میں کاٹ لیا جائے، وہ حصہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس حدیث میں آپ نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ جس جانور کو ابھی ذبح نہیں کیا گیا بلکہ وہ ابھی زندہ ہے، اس حالت میں اگر اس کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

باب فی الذکوة فی الحلق واللبة

﴿عن ابی العشراء عن ابیه قال قلت یا رسول اللّٰه اما تکون الذکوة الا فی الحلق واللبة ؟ قال لو طعنت فی فخذها لاجزا عنک﴾ (۱۱۲)

حضرت ابوالعشراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ذبح کا عمل صرف حلق اور لبہ میں ہوتا ہے؟ کسی اور جگہ سے جانور کو ذبح نہیں کیا جاسکتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس کی ران میں نیزہ مار دو تب بھی تمہارے لئے وہ جانور حلال ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کسی جانور کی ذکاۃ اضطراری ہو، اس لئے کہ ذکاۃ اختیاری میں تو حلق سے ہی ذبح کرنا اور عروق اربعہ کاٹنا ضروری ہے لیکن ذکاۃ اضطراری میں اگر دور سے بسم اللہ پڑھ کر نیزہ یا تیر مارا تو وہ تیر اس کے جسم کے جس حصے پر بھی لگ جائے گا وہ جانور حلال ہو جائے گا۔ اور اختیاری اور اضطراری کی تعریف یہ ہے کہ جو جانور قابو میں ہو اس کی ذکاۃ اختیاری ہے اور جو جانور بے قابو ہو، چاہے وہ مانوس جانور ہو اور بے قابو ہوگیا ہو یا وہ وحشی جانور ہو جو انسان کے قابو میں نہیں آتا ان کی ذکاۃ اضطراری ہے۔

باب فی قتل الوزغ

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال من قتل وزغة بالضربة الاولی کان له کذا وکذا حسنة فان قتلها فی الضربة الثانیة کان له کذا وکذا حسنة، فان قتلها فی الضربة الثالثة کان له کذا وکذا حسنة﴾ (۱۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے چھپکلی کو ایک ہی ضرب میں مار دیا تو اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، اور جس شخص نے دوسری ضرب میں مار دیا اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، اور جس نے تیسری ضرب میں مار دیا اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ دوسری ضرب میں مارنے سے پہلی مرتبہ سے کم نیکیاں ملیں گی اور تیسری ضرب میں مارنے سے دوسری مرتبہ سے کم نیکیاں ملیں گی۔ اس سے معلوم

ہوا کہ چھپکلی مارنا ثواب کا کام ہے۔

باب فی قتل الحیات

﴿عن سالم بن عبد اللّٰہ عن ابیہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقتلوا الحیات واقتلوا ذا الطفیتین والابتر فانھما یلتمسان البصر ویسقطان الحبل﴾ (۱۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سانپوں کو مارو اور خاص طور پر ذوالطفیتین اور ابتر کو مارو۔ "ذوالطفیتین" اس سانپ کو کہا جاتا ہے جس کے منہ اور جسم پر دو لکیریں ہوتی ہیں اور "ابتر" اس کو کہا جاتا ہے جو دم کٹا ہو۔ اس لئے کہ یہ دونوں سانپ انسان کی آنکھ کی بینائی زائل کردیتے ہیں اور حمل کو گرادیتے ہیں۔

چھوٹے سانپوں کو مارنے کی ممانعت

﴿عن ابی لبابۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی بعد ذلک عن قتل جنان البیوت وھی العوامر﴾ (۱۱۵)

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد گھروں میں رہنے والے چھوٹے چھوٹے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔ "جنان" جمع ہے "جان" کی۔ "جان" سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے سانپ ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں۔ انہی کو "عوامر" بھی کہتے ہیں۔ ان کو قتل کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ بعض اوقات یہ حقیقت میں سانپ نہیں ہوتے بلکہ جنات سانپ کی شکل میں آجاتے ہیں اور ان کو اعلان کے بغیر مارنا اچھا نہیں ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

﴿وقال عبد اللّٰہ بن المبارک انما یکرہ من قتل الحیات الحیۃ التی تکون دقیقۃ کانھا فضۃ ولا تلتوی فی مشیتھا﴾

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن سانپوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں اور رنگ ان کا چاندی جیسا ہوتا ہے اور اپنے چلنے

میں بل نہیں کھاتے بلکہ سیدھے چلتے ہیں، ان کو قتل نہ کیا جائے۔

گھر کے اندر رہنے والے سانپوں کو مارنے کا حکم

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لبیوتکم عمارا فحرجوا علیهن ثلاثا، فان بدالکم بعد ذلک منهن شئی فاقتلوہ﴾ (۱۱۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے گھر میں رہنے والے کچھ سانپ ہوتے ہیں تو تم تین دن تک تحریج کرو یعنی اعلان کرو، اس کے بعد وہ گھر میں ظاہر ہوں تو ان کو قتل کردو۔ اعلان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تین دن تک ان سے کہو کہ تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ ہم تمہیں مار دیں گے۔ اگر جنات ہوں گے اور شریف ہوں گے تو نکل جائیں گے اور اگر جنات نہیں ہوں گے بلکہ سانپ ہوں گے یا شریر جنات ہوں گے تو وہ نہیں نکلیں گے، اس صورت میں ان کو مارنا جائز ہے۔ لہٰذا تین دن تک تحریج کرنا اور اعلان کرنا مشروع ہے۔

﴿عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال قال ابولیلی قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اذا ظهرت الحیة فی المسکن فقولوا لها انا نسالک بعهد نوح وبعهد سلیمان بن داؤد الا توذینا، فان عادت فاقتلوها﴾ (۱۱۷)

حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب گھر میں سانپ ظاہر ہو تو اس سانپ سے کہو کہ ہم تجھ سے حضرت نوح علیہ السلام کے عہد کا واسطہ دے کر اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ تم ہمیں تکلیف مت پہنچاؤ۔ اس کے بعد بھی اگر وہ تکلیف پہنچائے تو اس کو قتل کردو۔

ان دونوں انبیاء علیہما السلام کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ ان دونوں نے جانوروں سے عہد لیا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کرلی اور اس میں جانوروں کو بھی سوار کرنے کا ارادہ کیا تاکہ ان جانوروں کی نسل باقی رہے۔ کیونکہ ان کے علاوہ طوفان سے ہر چیز ہلاک ہونے والی تھی۔ اس لئے آپ نے ہر جانور کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلیا۔ لیکن

سوار کرتے وقت آپ نے ان جانوروں سے یہ عہد لیا تھا کہ تم کسی انسان کو تکلیف نہیں دو گے۔ چنانچہ ان جانوروں نے یہ عہد کیا، اس کے بعد ان کو سوار کیا۔ اس حدیث میں اسی عہد کی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تمام انسان، جنات اور جانوروں پر تھی۔ انہوں نے بھی جنات سے یہ عہد لیا ہوگا کہ تم کسی انسان کو نقصان مت پہنچاؤ۔ اسی عہد کی طرف حدیثِ باب میں اشارہ ہے۔

باب ماجاء فی قتل الکلاب

﴿عن عبد اللّٰہ بن مغفل رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لولا ان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا کلھا فاقتلوا منھا کل اسود بھیم﴾ (۱۱۸)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کتے مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتی تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا، لہٰذا ہر کالے سیاہ کتے کو قتل کردو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ کالا سیاہ کتا شیطان ہوتا ہے۔

باب من امسک کلبا ماینقص من اجرہ

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اقتنی کلبا او اتخذ کلبا لیس بضار ولا کلب ماشیۃ نقص من اجرہ کل یوم قیراطان﴾ (۱۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی کتا پالے یا اپنے پاس رکھے بشرطیکہ وہ کتا شکار کے لئے یا مویشیوں کی حفاظت کے لئے نہ ہو تو اس پالنے والے کے اجر سے روزانہ دو قیراط کم ہوجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلا ضرورت شوقیہ طور پر کتا پال لے تو اس کو ایسا کرنا جائز نہیں اور اجر میں کمی کا موجب ہے۔ البتہ اس ممانعت سے دو کتوں کا استثناء کیا گیا ہے۔ ایک وہ کتا جو "ضاری" ہو یعنی جو شکار کا عادی ہو اور معلّم ہو۔ لفظ "ضاری" یہ ضری، یضری، ضراوۃ سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں

"کسی چیز کا عادی ہو جانا" بعض لوگ اس لفظ کو "لیس بضار" ضرب یضرب سے پڑھتے ہیں۔ جو صحیح نہیں ہے۔ دوسرا وہ کتا جو مویشیوں کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہو ان دونوں کتوں کو پالنا جائز ہے۔

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب الا کلب صید او کلب ماشیۃ قال : قیل له ان اباهریرة رضی الله عنه یقول: اوکلب زرع، فقال ان اباهریرة له زرع﴾ (۱۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتوں اور جانوروں کی حفاظت کے لئے رکھے جانے والے کتوں کے علاوہ سب کتوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو اپنی روایت میں کھیت کی حفاظت کے لئے پالے جانے والے کتوں کا بھی استثناء کرتے ہیں، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیتی ہے۔

اس روایت کی تشریح بعض ملحدین نے "العیاذ باللہ" اس طرح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ فرما رہے ہیں کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیتی ہے، اس لئے انہوں نے اس حدیث میں "اوکلب زرع" کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے اور حقیقت میں یہ لفظ حدیث میں موجود نہیں تھا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہرگز یہ مراد نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیتی ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ جملہ خصوصی طور پر یاد رکھا اور جن کے پاس کھیتی نہیں تھی انہوں نے یاد نہیں رکھا۔ اس لئے جو شخص کسی معاملے میں خود مبتلا ہو وہ شخص اس سے متعلق امور کو یاد رکھنے کا اہتمام کرتا ہے اور جو مبتلا نہ ہو وہ اتنا اہتمام نہیں کرتا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیتی ہے لہٰذا انہوں نے اس جملے کو اچھی طرح یاد رکھا ہوگا، مجھے یاد نہیں۔

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال : من اتخذ کلبا الا کلب ماشیۃ او صیدا او زرع انتقص من اجره کل یوم قیراط﴾ (۱۲۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کتا پالا تو اس کے اجر سے روزانہ ایک قیراط کم ہوجاتا ہے۔ الا یہ کہ وہ جانوروں کی حفاظت اور شکار کے لئے ہو۔

﴿عن عبد اللّٰہ بن مغفل رضی اللّٰہ عنہ قال: ان لممن یرفع اغصان الشجرۃ عن وجہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یخطب، فقال: لولا الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا، فاقتلوا منھا کل اسود بھیم، وما من اھل بیت یرتبطون کلبا الا نقص من عملھم کل یوم قیراط الا کلب صید اوکلب حرث او کلب غنم﴾ (۱۲۲)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دیتے وقت آپ کے چہرے سے درخت کی ٹہنیاں اٹھا رکھی تھیں۔ آپ نے خطبے میں فرمایا کہ اگر کتے اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ لہٰذا ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کردو۔ اور کوئی گھر والے ایسے نہیں ہیں کہ وہ کتا باندھ کر رکھیں مگر یہ کہ ان کے اجر میں سے روزانہ ایک قیراط کم ہوجاتا ہے۔ الا یہ کہ وہ شکاری کتا ہو یا کھیتی یا جانوروں کی حفاظت کے لئے رکھا ہو۔

باب فی الذکاۃ بالقصب وغیرہ

﴿عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قال: قلت: یا رسول اللّٰہ: انا نلقی العدو غدا ولیست معنا مدی، فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما انھر الدم و ذکر اسم اللّٰہ علیہ فکلوا مالم یکن سن اوظفر وسا حدثکم عن ذلک، اما السن فعظم واما الظفر فمدی الحبشۃ﴾ (۱۲۳)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آئندہ کل ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوگا اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وہاں میدان جنگ میں جانور ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ہم کیا کریں؟ تو حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جو چیز بھی خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو، جب تک کہ وہ چیز جس سے ذبح کیا جائے دانت اور ناخن نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنے سے تو میں منع کرتا ہوں لیکن ان کے علاوہ کوئی بھی ایسی چیز ہو جو خون بہانے والی ہو اس سے ذبح کرنا درست ہے۔ پھر فرمایا کہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنے سے اس لئے منع کرتا ہوں کہ جہاں تک دانت کا تعلق ہے تو وہ ایک ہڈی ہے اور ناخن حبشہ کے لوگوں کی چھریاں ہیں، یعنی حبشی لوگ ناخن سے چھری کا کام لیتے ہیں، اس لئے کہ وہ بڑے بڑے ناخن رکھتے ہیں، لہٰذا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

ناخن اور دانت سے ذبح کا حکم

اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر دانت اور ناخن انسان کے جسم میں لگے ہوئے ہیں اور اس حالت میں وہ ان دانت یا ناخن کو جانور کے ذبح کرنے میں استعمال کرتا ہے تو وہ جانو حلال ہی نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر وہ جانور کو دانت سے کاٹ کر ذبح کرتا ہے یا ناخن سے ذبح کرتا ہے تو وہ فعل ذبح نہیں ہے بلکہ وہ خنق ہے اور اس کی وجہ سے وہ جانور منخنقہ ہو جائے گا، اور اس صورت میں اس جانور کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوگی، اس لئے وہ جانور حرام ہوگا، لیکن اگر وہ دانت اور ناخن انسان کے جسم سے لگے ہوئے نہیں ہیں بلکہ الگ نکلے ہوئے ہیں اور وہ بہت تیز ہیں تو ان سے ذبح کرنا تو ناجائز ہے کیونکہ ان سے ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوگی البتہ وہ جانور حلال ہو جائے گا۔(۱۲۴)

باب (بلاترجمة)

﴿عن رافع بن خديج رضى الله عنه قال: كنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى سفر، فند بعير من ابل القوم، ولم يكن معهم خيل، فرماه رجل بسهم فحبسه الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لهذه البهائم اوابد كاوابد الوحش فما فعل منها هذا فافعلوا به هكذا﴾ (۱۲۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ تھے، تو لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا اور لوگوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا کہ گھوڑے کے ذریعہ اس کا تعاقب کرکے اس کو پکڑتے، تو ایک شخص نے اس اونٹ کو ایک تیر مار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو روک لیا۔ یعنی تیر لگنے کے بعد اس میں بھاگنے کی صلاحیت نہ رہی، وہیں ڈھیر ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان جانوروں میں سے بعض جانور وحشی جانور کی طرح ہوتے ہیں یعنی بھاگ جاتے ہیں، لہٰذا ان جانوروں میں سے جو جانور ایسا کرے جیسا اس اونٹ نے کیا تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو یعنی تیر کے ذریعہ اس کو مار سکتے ہو۔

اگر جانور وحشی ہوجائے تو اس کی ذکاۃ اضطراری ہوجائے گی

اس حدیث سے فقہاء کرام نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی جانور اصلاً تو مانوس ہے لیکن کسی وجہ سے وہ وحشی بن گیا اور قابو سے باہر ہوگیا تو اب اس کی ذکاۃ اختیاری نہیں رہتی بلکہ اضطراری ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جس طرح شکار کو تیر کے ذریعہ بسم اللہ پڑھ کر مار کر ہلاک کرنا جائز ہے اور اس کے ذریعہ جانور حلال ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ مانوس جانور بھی حلال ہوجائے گا۔ واللہ اعلم۔(۱۲۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب الاضاحی

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب ماجاء فی فضل الاضحیة

﴿عن عائشة رضی اللّٰہ عنها ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ما عمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللّٰہ من اهراق الدم، انه لیاتی یوم القیامة بقرونها واشعارها واظلافها، وان الدم لیقع من اللّٰہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بها نفسا﴾ (۱۲۷)

"اضاحی" بالیاء المشددة جمع ہے "اضحیہ" کی، یہ اسم منقوص نہیں ہے اس لئے اس "یا" پر کسرہ بھی آئے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یوم النحر کے روز بندہ کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو خون بہانے کے عمل سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، اور وہ جانور قیامت کے روز اپنے سینگوں، اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور اس جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوجاتا ہے۔ پس اس کو خوش دلی سے انجام دو۔

باب فی الاضحیة بکبشین

﴿عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنه قال ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بکبشین اقرنین املحین ذبحهما بیده وسمی

وکبر ووضع رجله علی صفا حهما﴾ (۱۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، ان کا رنگ سفید اور سیاہ تھا، آپ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھا اور اپنا پاؤں ان کی پیشانی پر رکھا۔

میت کی طرف سے قربانی کا حکم

﴿عن علی رضی اللّٰه عنه انه کان یضحی بکبشین، احدهما عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والاخر عن نفسه فقیل له، قال: امرنی به یعنی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلاادعه ابدا﴾

(۱۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا ہے لہذا میں کبھی یہ عمل نہیں چھوڑوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایسے شخص کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے جس کا پہلے انتقال ہوچکا ہو۔ اور اس کی طرف سے قربانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں تو قربانی خود کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے، البتہ اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مرنے والے کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کوئی قربانی کرے تو اس قربانی کے گوشت میں سے خود کچھ نہ کھائے بلکہ سارا گوشت صدقہ کرے۔ لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک صدقہ کرنا ضروری نہیں۔ اس کا گوشت بھی عام قربانی کے گوشت کی طرح کھاسکتے ہیں۔

باب مایستحب من الاضاحی

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه عنه قال: ضحی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بکبش اقرن فحیل یاکل فی سواد

ویمشی فی سواد وینظر فی سواد ﴾ (۱۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے سینگوں والے نر مینڈھے کی قربانی کی۔ سیاہی میں کھاتا تھا، سیاہی میں چلتا تھا اور سیاہی میں دیکھتا تھا، مطلب یہ ہے کہ اس کا منہ بھی سیاہ تھا، پاؤں بھی سیاہ تھے اور آنکھ پر بھی سیاہی تھی۔

باب مالا یجوز من الاضاحی

﴿عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنہ رفعہ قال: لا یضحی بالعرجاء بین ظلعها، ولا بالعوراء بین عورها ولا بالمریضة بین مرضها ولا بالعجفاء التی لا تنقی ﴾ (۱۳۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے لنگڑے جانور کی قربانی نہ کی جائے جس کا لنگ ظاہر ہو۔ لفظ "بین" صیغہ صفت ہے اور لفظ "ظلعها" اس کا فاعل ہے اور صیغہ صفت اپنے فاعل سے مل کر لفظ "عرجاء" کی صفت بن رہا ہے۔ "لنگ" ظاہر ہونے کی تفصیل فقہاء کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر چل کر قربان گاہ تک نہ جاسکے، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اور نہ ایسے کانے جانور کی قربانی درست ہے جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ کانا اس کو کہتے ہیں جس کی آنکھ خراب ہو، اگر اس کی آنکھ اتنی خراب ہے کہ اس کی خرابی اور کانا ہونا بالکل ظاہر ہے تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور اس میں فقہاء کرام نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ جب کسی عضو کا عیب ایک ثلث پہنچ جائے تو اس کی قربانی درست نہیں ہوتی۔ اور بینائی کے ایک ثلث کی خرابی کا اندازہ کس طرح کیا جائے؟ اس کے بارے میں صاحب ھدایہ نے مختلف طریقے ذکر کئے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور نہ ایسے بیمار جانور کی قربانی درست ہے جس کی بیماری بالکل واضح ہو۔ اور فقہاء نے اس کی حد بھی یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور اتنا بیمار ہے کہ وہ خود چل کر قربان گاہ تک نہیں جاسکتا تو اس کی قربانی درست نہیں۔ اور نہ ایسے دبلے اور کمزور جانور کی قربانی درست ہے جس کی ہڈیوں میں گودا ختم ہوگیا ہو، ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

باب مایکرہ من الاضاحی

﴿عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: امرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

علیه وسلم ان نستشرف العین والاذن، وان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء﴾ (۱۳۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے کان اور آنکھ کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ "نستشرف" کے معنی ہیں جھانکنا اور غور سے دیکھنا۔ اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے کان کا کنارہ سامنے سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ ایسے جانور کی جس کا کان اوپر کی طرف سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ ایسے جانور کی جس کا کان چرا ہوا ہو۔ اور نہ ایسے جانور کی جس کے کان میں سوراخ ہو یعنی چھدا ہوا ہو۔ بشرطیکہ یہ عیب ایک تہائی عضو تک پھیلا ہوا ہو، اگر ایک تہائی سے کم ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

باب فی الجذع من الضان فی الاضاحی

﴿عن ابی کباش رضی اللہ عنہ قال: جلبت غنما جذعا الی المدینۃ فکسدت علی فلقیت اباهریرة رضی اللہ عنہ فسالتہ فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نعم اونعمت الاضحیۃ الجذع من الضان قال: فانتہبہ الناس﴾ (۱۳۳)

حضرت ابو کباش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں باہر سے چھ مہینے کے دنبے مدینہ لے کر آیا۔ وہ دنبے میرے لئے کاسد ہوگئے۔ یعنی لوگوں نے اس کی خریداری میں کوئی رغبت نہیں کی۔ "کسد" کے معنی ہیں، لوگوں کی رغبت کا ختم ہوجانا۔ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور آپ سے اپنی پریشانی بیان کی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اون اور پشم والے جانوروں میں چھ ماہ کی عمر کا جانور اچھی قربانی کا جانور ہے۔ "ضان" کے معنی ہیں جس جانور کے جسم پر اون اور پشم ہو، اور "جذع" چھ ماہ کی عمر کے جانور کو کہتے ہیں۔ ابو کباش فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ ان دنبوں کو لوٹ کر لے گئے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نہیں سنائی تھی اس وقت تک کوئی شخص بھی اس کو خریدنے کے لئے نہیں آرہا تھا لیکن جب انہوں نے یہ حدیث سنی کہ یہ قربانی کا اچھا جانور ہے تو لوگ جلدی سے آئے اور خرید کر لے گئے اور اتنی

کثرت سے لوگ خریداری کے لئے آئے جیسے وہ لوٹ رہے ہوں۔

"جذع" چھ ماہ کے جانور کو کہا جاتا ہے۔ اسی حدیث کی بنیاد پر فقہاء فرماتے ہیں کہ دنبے اور بھیڑ میں جذع کی قربانی جائز ہے۔ بکرے میں جائز نہیں۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "من الضان" کی قید لگائی ہے۔ لہٰذا "معز" یعنی بکری میں جائز نہیں۔ اس میں سال بھر کا ہونا ضروری ہے۔

بکری میں سال پورا ہونا ضروری ہے

﴿عن عقبة بن عامر رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اعطاه غنما یقسمها فی اصحابه ضحایا، فبقی عتود او جدی، فذکرت ذلک لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال ضح به انت﴾ (۱۳۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ بکریاں دیں کہ میں ان کو آپ کے صحابہ میں تقسیم کردوں تاکہ وہ اس کی قربانی کرلیں۔ پھر تقسیم کے بعد ایک "عتود" یا ایک "جدی" باقی رہ گئی۔ عتود اور جدی بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ سب تقسیم ہوگئیں صرف ایک عتود یا جدی باقی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کی قربانی کرلو۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "عتود" یا "جدی" جو باقی رہ گئی تھی وہ "جذع" تھی یعنی چھ مہینے کی بکری تھی اور بکری کے اندر چھ ماہ کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہوتی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا کہ "ضح به انت" یعنی تمہاری خصوصیت ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی قربانی کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک صحابی کو جذع من الغنم کی قربانی کرنے کی اجازت دی لیکن ساتھ یہ بھی تصریح فرمادی کہ لاتجزی احدا بعدک تمہارے بعد ایسے جانور کی قربانی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہوگی۔

باب فی الاشتراک فی الاضحیة

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال کنا مع رسول اللّٰه صلی

الله عليه وسلم فی سفر، فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرة
سبعه وفی البعیر عشرة ﴾ (۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو قربانی کا زمانہ آگیا تو ہم گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔ لیکن ائمہ اربعہ کا موقف یہ ہے کہ اور اور گائے میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا جس طرح گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اسی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، سات سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ اور حدیثِ باب کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور حدیث اس کے برخلاف آئی ہے جس میں ایک اونٹ میں سات آدمیوں کے اشتراک کا ذکر ہے، اور وہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مؤید ہے جو اسی باب کی دوسری حدیث ہے وہ یہ ہے۔

اونٹ میں سات حصے ہوسکتے ہیں، دس نہیں

﴿عن جابر رضی الله عنه قال: نحرنا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة ﴾
(۱۳۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی تو بدنہ بھی سات آدی کی طرف سے کیا اور بقرہ بھی سات آدمیوں کی طرف سے کی۔ چونکہ یہ واقعہ غزوہ حدیبیہ کا ہے اور غزوہ حدیبیہ ٦ھ میں ہوا، لہٰذا یہ واقعہ بعد کے زمانے کا ہے۔ اس لئے اس حدیث کو پہلی والی حدیث کے لئے یا تو ناسخ کہیں گے، یا یہ کہا جائے گا کہ چونکہ اکثر روایات اس کے مطابق ہیں اس لئے اس کو ترجیح ہوگی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی روایت میں مال غنیمت کی تقسیم کا ذکر ہے کہ قیمت کے لحاظ سے گائے سات آدمیوں میں تقسیم کی گئی اور اونٹ دس آدمیوں میں تقسیم کیا گیا کیونکہ مال

غنیمت میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے اور قربانی میں چونکہ قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا اس لئے قربانی میں دونوں جانور برابر ہوں گے اور دونوں میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔(۱۳۷)

ٹوٹے سینگ والے جانور کی قربانی کا حکم

﴿عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: القبرة عن سبعة : قلت: فان ولدت قال اذبح ولدها معها، قلت فالعرجاء قال: اذا بلغت المنسك قلت: فمكسورة القرن؟ فقال: لاباس امرنا اوامرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان نستشرف العینین والاذنین﴾ (۱۳۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گائے سات آدمیوں کے لئے کافی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ اگر وہ گائے بچہ جن دے؟ آپ نے فرمایا اس بچے کو بھی ساتھ ذبح کردو۔ میں نے پوچھا کہ لنگڑے جانور کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر قربان گاہ تک پہنچ جائے تو جائز ہے۔ میں نے پوچھا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے، یا یہ فرمایا کہ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ کانوں اور آنکھوں کو اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ (سینگوں کا دیکھنے کے بارے میں نہیں فرمایا) البتہ اگر سینگ جڑ سے اکھڑے ہوئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

﴿عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان یضحی باعضب القرن والاذن، قال قتادہ: فذکرت ذلك لسعید بن المسیب، فقال العضب مابلغ النصف فما فوق ذلك﴾ (۱۳۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے سینگ والے اور کٹے ہوئے کان والے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا تذکرہ حضرت سعید بن المسیبؒ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر سینگ آدھے تک یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی ممانعت ہے۔

"اعضب" اسے کہتے ہیں جس کا سینگ بالکل اکھڑا ہوا ہو۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اوپر سے ٹوٹا ہوا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ لیکن اگر کسی نے سینگ جڑ سے اکھاڑ دیا ہے تو جڑ سے اکھاڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس دکا دماغ بھی خراب ہوگیا ہوگا، اس صورت میں اس کی قربانی درست نہیں۔

باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اهل البيت

﴿عطاء بن يسار يقول: سالت ابا ايوب رضي الله عنه كيف كانت الضحايا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فقال: كان الرجل يضحي بالشاة عنه وعن اهل بيته فياكلون ويطعمون حتى تباهي الناس فصارت كما ترى﴾ (۱۴۰)

حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانیاں کیسے ہوتی تھیں؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا، اور اسی بکری سے خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا، یہاں تک کہ لوگوں نے آپس میں مفاخرت شروع کردی، یعنی ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے کہ میں نے اتنی قربانیاں کیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا جو تم دیکھ رہے ہو کہ ایک ایک آدمی کئی کئی قربانیاں محض مفاخرت کی وجہ سے کرتا ہے۔

کیا ایک بکری پورے گھر کی طرف سے کافی ہوگی

اس حدیث کی وجہ سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ایک بکری ایک انسان کے پورے اہل بیت کی طرف سے کافی ہے۔ حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھر میں کئی افراد صاحب نصاب ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کی ضرورت نہیں، بلکہ اگر ایک بکری کی قربانی کردی جائے تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گی۔ بشرطیکہ وہ سب آپس میں رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ اور "ایک گھر" کی تعریف مالکیہ کی کتابوں میں اس طرح کی ہے کہ يغلق عليهم باب یعنی ایک ہی دروازہ سب پر بند

ہوجاتا ہو۔ ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب سے ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے۔ ایک بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ "قربانی" ایک عبادت ہے اور عبادت ہر ایک انسان پر الگ الگ فرض ہوتی ہے۔ عبادت میں ایک آدمی دوسرے کی طرف سے قائم مقامی نہیں کرسکتا۔ جس طرح زکوۃ ہر صاحب نصاب پر الگ الگ فرض ہے، اسی طرح قربانی بھی ہر ایک پر الگ الگ واجب ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی قربانی الگ فرماتے تھے اور ازواج مطہرات کی طرف سے الگ قربانی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی نہیں۔ اس کے علاوہ حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک قربانی گھر کے سارے افراد کی طرف سے کافی ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر ایک گھر میں پچاس آدمی رہتے ہیں تو ایک بکری پچاس افراد کی طرف سے کافی ہوجائے گی، حالانکہ نصوص کی روشنی میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایک بکری گائے کے ساتویں حصے کے برابر ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر گائے کا ساتواں حصہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجائے تو پھر ایک گائے کے اندر صرف سات افراد نہیں بلکہ سات سو افراد کی قربانی ہوسکے گی جو واضح طور پر نصوص کے خلاف ہے۔

اس لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب کو ثواب میں شرکت پر محمول کیا جائے گا، یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے سارے اہل بیت کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے قربان فرمایا اور دوسرا مینڈھا قربان کر کے فرمایا هذا عن من لم يضح من امتي۔ (۱۴۲)

یعنی میری امت میں سے جو جو لوگ قربانی نہ کرسکیں ان کی طرف سے قربانی کررہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے ایک مینڈھا قربان فرمادیا، اس لئے اب امت کی طرف سے قربانی ساقط ہوگئی، بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کے ثواب میں ساری امت کو شریک کرتا ہوں۔ یہی مراد حدیثِ باب میں ہے کہ بعض اوقات ایک گھر کے اندر ایک ہی شخص کے ذمہ قربانی واجب ہوتی، باقی لوگ چونکہ صاحب

نصاب نہ ہوتے، اس لئے ان کے ذمہ قربانی واجب نہ ہوتی، لیکن قربانی کرنے والا اپنے گھر کے تمام افراد کو اس قربانی کے ثواب میں شریک کرلیتا تھا۔ حدیثِ باب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ وہ شخص ثواب میں اپنے اہل بیت کو شامل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے مفاخرت کے طور پر ان افراد کی طرف سے بھی قربانی شروع کردی جن کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر نکیر فرمارہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح مفاخرت کے طور پر قربانی کرنے کا رواج نہیں تھا جیسے آج رائج ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جب ایک آدمی اپنی طرف سے قربانی کرے تو سب کی طرف سے واجب قربانی ساقط ہوجاتی ہے۔(۱۴۱)

باب(بلا ترجمة)

﴿عن جبلة بن سحيم ان رجلا سال ابن عمر رضی اللہ عنه عن الاضحية اواجبة هی؟ فقال: ضحی رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم والمسلمون فاعادها عليه، فقال: اتعقل؟ ضحی رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم والمسلمون﴾ (۱۴۲)

حضرت جبلہ بن سحیم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ تو جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سارے مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا کہ یہ واجب ہے یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجھے عقل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور سارے مسلمانوں نے بھی قربانی کی ہے۔ مطلب آپ کا یہ تھا کہ تم اس بحث میں مت پڑو کہ اصطلاحاً قربانی واجب ہے یا سُنّت ہے یا فرض ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی قربانی کی ہے لہٰذا تمہیں بھی کرنی چاہئے۔

قربانی کرنا واجب ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک طرح سے واجب ہونے کی علامت بتادی کہ میں

اگر اس کو واجب کہہ دوں تو تم واجب اور فرض میں فرق نہیں سمجھو گے بلکہ اس کو فرض ہی سمجھ لوگے۔ اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی کی ہے اس لئے تمہیں بھی کرنی چاہئے۔ گویا کہ ایک طرح سے قربانی کو واجب ہی کہہ دیا۔ لہٰذا یہ حدیث اس بارے میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ قربانی واجب ہے۔ حنفیہ کی دوسری دلیل ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿من وجد سعة لان يضحى فلم يضح فلا يقربن مصلانا﴾

(۱۴۵)

"یعنی جس شخص کے اندر قربانی کی استطاعت ہو پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے"۔

اس حدیث میں وعید بیان فرمادی اور وعید ترک واجب پر ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں فرمایا فصل لربک وانحر اس میں بھی صیغہ وجوب کا ہے۔ اس لئے حنفیہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی سُنّت ہے

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قربانی سُنّت ہے اور ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اضحیہ کے ساتھ سُنّت کا لفظ وارد ہوا ہے۔ حنفیہ ان روایات کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات سُنّت کا لفظ واجب کے لئے بول دیا جاتا ہے، جیسے ختنہ کرنے کو سُنّت کہا گیا ہے حالانکہ ختنہ کرنا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "سُنّت" کا لفظ بعض اوقات واجب کو بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لئے قربانی کو واجب کہا جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں رہے اور ہر سال آپ نے قربانی فرمائی، کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں آپ نے قربانی نہ کی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔ (۱۴۴)

منکرین حدیث کا پروپیگنڈہ

ہمارے دور میں منکرین حدیث نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ قربانی تو فضول چیز ہے اور اصل میں تو قربانی کی مشروعیت اس لئے تھی کہ چونکہ حج کے موقع پر بہت لوگ جمع ہوجاتے تھے اور ان کے

کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوتا تھا، اس لئے حج کے موقع پر قربانی مشروع کی گئی تھی تاکہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام ہوجائے۔ لہٰذا دوسرے لوگ جو مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں مقیم اور آباد ہوں ان پر واجب نہیں۔ اور منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ایسا بے عقلی کا حکم نہیں ہوسکتا کہ کروڑوں روپے کی دولت خون کی شکل میں نالیوں میں بہادی جائے کیونکہ ایک دن میں ہزارہا جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

قربانی کا مقصد کیا ہے؟

جب انسان کے دماغ پر ہروقت مادے اور پیسے کا غلبہ ہو تو وہ ایسی ہی بے تکی باتیں کیا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد وہ اس میں مادی منافع تلاش نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوجائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا جو حکم دیا، اس کو عقل کی کس میزان میں تولا جائے کہ کوئی باپ اپنے معصوم بیٹے کو ذبح کرے۔ یہ بات عقل میں تو نہیں آتی، لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس حکم کو تسلیم کیا، اور اسی تسلیم کو قرآن کریم نے فرمایا۔ فلما اسلما وتله للجبین۔

تو اسلام اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس حکم کے آگے جھکادے، چاہے وہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔ اور جب تک انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا انسان، انسان نہیں بنتا بلکہ وہ جانور اور درندہ رہتا ہے۔ جیسے آج کل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر جھکانے کا جذبہ دل میں نہیں ہے، اس جذبے کو پیدا کرنے کے لئے قربانی مشروع کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی شخص قربانی کرنے میں حساب کتاب لگانا شروع کردے اور معاشی فوائد تلاش کرنا شروع کردے اور مادی منفعت تلاش کرنا شروع کردے تو یہ قربانی کے اصل فلسفے ہی سے جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال اقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی﴾ (۱۴۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور ہر سال آپ نے قربانی کی۔

باب في الذبح بعد الصلاة

﴿عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في يوم نحر، فقال: لايذبحن احدكم حتى يصلي، قال: فقام خالي فقال: يا رسول الله ! هذا يوم اللحم فيه مكروه، واني عجلت نسيكتي لاطعم اهلي واهل داري اوجيراني قال: فاعد ذبحك باخر، فقال: يا رسول الله ! عندي عناق لبن هي خير من شاتي لحم افاذبحها؟ قال: نعم وهو خير نسيكتك، ولا تجزي جذعة بعدك﴾ (۱۴۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی قربانی کا جانور ذبح نہ کرے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ لے۔ یعنی نماز سے پہلے قربانی کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ نماز عید کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے نماز سے پہلے کوئی شخص قربانی نہ کرے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج کا دن ایسا ہے کہ اس میں لوگوں کو گوشت ناپسند ہوجاتا ہے اور اس سے نفرت ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن اتنے جانور ذبح ہوتے ہیں کہ لوگ گوشت کو دیکھ دیکھ کر اس سے اکتا جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ گوشت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ میں سب سے پہلے قربانی کرلوں تاکہ جب میں کسی کے پاس گوشت بھیجوں تو وہ اس کو خوشی کے ساتھ لے لے اور نفرت پیدا ہونے سے پہلے اس کو گوشت مل جائے۔ اس غرض سے میں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی تاکہ میں اپنے گھروالوں اور پڑوسیوں کو کھلاؤں۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس حدیث میں لفظ "اللحم" بفتح الحاء ہے۔ جس کے معنی ہیں "حرص" یعنی یہ دن ایسا ہے کہ اس میں حرص کرنا مکروہ ہے کہ آدمی اس حرص اور لالچ میں رہے کہ دوسرا آدمی میرے پاس گوشت بھیجے گا تو میں اس کو پکا کر کھاؤں گا، یہ بات پسندیدہ نہیں ہے اس لئے میں نے جلدی نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی تاکہ میرے بچوں کے دل میں حرص اور لالچ پیدا نہ ہو، اس سے پہلے ہی ان کو گوشت مل جائے۔

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی قربانی دوبارہ کرو۔ انہوں

نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک بکری ہے جو دودھ دینے والی ہے اور سال سے کم ہے۔ البتہ وہ بکری گوشت والی دو بکریوں سے بھی بہتر ہے۔ یعنی عام طور پر دودھ دینے والی بکری کمزور ہوتی ہے اور اس کا گوشت اچھا نہیں ہوتا، لیکن میری یہ بکری بہت موٹی تازی ہے، کیا میں اس کو ذبح کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ذبح کرلو، یہ تمہاری اچھی قربانی ہوجائے گی لیکن تمہارے بعد کسی کے لئے "جذع" کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ یعنی کسی اور کے لئے آئندہ یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ایک سال سے چھوٹی بکری کی قربانی کرے۔

چونکہ وہ ابتداء اسلام کا زمانہ تھا، احکام سے ناواقفیت تھی اور ایک جانور ناواقفی کی وجہ سے ذبح کر ہی چکے تھے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خصوصیت کے طور پر ان کو جذع کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن ساتھ میں صراحت فرمادی کہ آئندہ تمہارے بعد کسی اور کے لئے جذع کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

قربانی کا وقت

فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر شہر میں ایک جگہ پر بھی عید کی نماز ہوگئی تو اب قربانی کا وقت شروع ہوگیا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک جگہ نماز عید پڑھی اس شخص کے لئے اس جگہ پر اپنی طرف سے قربانی کرنا اور دوسرے لوگوں کی طرف سے جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی قربانی کرنا جائز ہے۔ چاہے دوسری جگہوں پر ابھی نماز نہ ہوئی ہو۔ لیکن اگر ایک شہر میں نماز ہوجائے تو دوسرے شہر میں قربانی کرنا جائز نہیں جس میں ابھی نماز نہ ہوئی ہو۔

باب فی کراھیة اکل الاضحیة فوق ثلاثة ایام

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا یاکل احدکم من لحم اضحیته فوق ثلاثة ایام﴾

(۱۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھائے۔ اس حدیث میں تین دن کے بعد گوشت کھانے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ

ہوگیا جیسا کہ اگلے باب کی حدیث میں صاف صاف بیان فرمادیا ہے۔

باب فی الرخصة فی اکلها بعد ثلاث

﴿عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: کنت نهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیتسع ذوالطول علی من لا طول له فکلوا مابدالکم واطعموا واذخروا﴾ (۱۴۹)

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے اس لئے منع کیا تھا تاکہ مالدار اور وسعت والے لوگ ان لوگوں پر وسعت کریں جن کے پاس قربانی کی وسعت اور طاقت نہیں ہے۔ یعنی وہ قربانی کا گوشت اپنے پاس ذخیرہ کرنے کے بجائے غرباء میں تقسیم کریں۔ لیکن اب تمہارے لئے جائز ہے کہ جتنا گوشت چاہو کھاؤ اور جتنا چاہو کھلاؤ اور جتنا چاہو ذخیرہ کرو۔ اس حدیث کے ذریعہ پہلے والا حکم منسوخ ہوگیا۔

یہ نہی انتظامی تھی شرعی نہیں تھی

بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ "واللہ سبحانہ اعلم" تین روز کے بعد آپ نے قربانی کا گوشت کھانے سے جو منع فرمایا یہ نہی شرعی تھی ہی نہیں بلکہ نہی انتظامی تھی، اور ایک "اولی الامر" کی حیثیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہی فرمائی تھی۔ چنانچہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ روایت میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ کے پاس ایک قافلہ آکر ٹھہر گیا تھا اور وہ قافلہ غریب الوطن تھا، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ قربانی کے گوشت کا ذخیرہ مت کرو۔ یہ حکم اس لئے دیا تاکہ اپنی قربانی کا بچا ہوا گوشت قافلہ والوں کو جاکر دیں۔ بعد میں جب یہ عارض ختم ہوگیا تو وہی اصل حکم واپس آگیا اور وہ یہ کہ گوشت کا ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ اسی باب کی اگلی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گوشت ذخیرہ کرنا منقول ہے۔ دیکھ لیں۔

﴿عن عابس بن ربیعة قال: قلت لام المؤمنین: اکان رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن لحوم الاضاحی؟ قالت: لا ولکن قل من کان یضحی من الناس فاحب ان یطعم من لم یکن یضحی فلقد کنا نرفع الکراع فناکلہ بعد عشرۃ ایام ﴾ (۱۵۰)

حضرت عابس بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے اِم المؤمنین (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، لیکن اس وقت بہت کم لوگ قربانی کیا کرتے تھے، اس لئے آپ نے چاہا کہ قربانی کرنے والے لوگ قربانی نہ کرنے والوں کو کھلائیں۔ ہم لوگ تو ایک ران رکھ دیا کرتے تھے اور اس کو دس دن کے بعد کھایا کرتے تھے۔

اور قربانی کے ایام کو "ایام التشریق" بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان ایام میں اہل عرب قربانی کا گوشت سکھاتے تھے تاکہ بعد میں کام آئے۔ "تشریق" کے معنی ہیں سکھانا۔

باب فی الفرع والعتیرة

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا فرع ولا عتیرۃ، والفرع اول النتاج کان ینتج لھم فیذبحونہ ﴾ (۱۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب نہ تو "فرع" مشروع ہے اور نہ "عتیرہ" مشروع ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کی اونٹنی پہلا بچہ جنتی تو وہ لوگ اس پہلے بچے کو اپنے بتوں کے نام پر قربان کیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو بتوں کے نام پر تو قربانی بند ہوگئی لیکن پھر اس بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے، اس کو "فرع" کہتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں "لافرع" فرما کر اس کو ختم فرمادیا کہ اب اس کی مشروعیت باقی نہیں رہی۔ اور "عتیرۃ" اس قربانی کو کہا جاتا تھا جو جاہلیت کے زمانے میں رجب کے مہینے میں کی جاتی تھی، جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے نام پر ہوتی تھی اور اسلام کے آنے کے بعد اللہ کے نام پر ہونے لگی۔ اس کو "رجبیہ" بھی کہتے ہیں۔ "عتر" کے معنی ہیں ذبح کرنا، اور عتیرہ فعیلہ کے وزن پر ہے اور معنی میں مفعولۃ کے ہے۔ اس حدیث میں آپ نے اس کی مشروعیت کو بھی ختم فرمادیا۔

"عتیرة" کا حکم

البتہ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے فرمایا علی کل اهل بیت کل عام اضحیة وعتیرة

یعنی ہر اہل بیت پر ہر سال دو قربانیاں واجب ہیں۔ ایک اضحیۃ اور ایک عتیرۃ۔ اس موقع پر آپ نے ہر سال عتیرۃ کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ اس اشکال کے جواب میں جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ لاعتیرۃ والی حدیث حجۃ الوداع کے خطبے سے بھی متأخر ہے اور اس حدیث کے ذریعہ اس کی مشروعیت منسوخ ہوگئی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی عتیرۃ پر عمل کرنا ثابت نہیں۔ اگر آپ نے اس کی مشروعیت کو برقرار رکھا ہوتا تو صحابہ کرام کبھی نہ کبھی ضرور اس پر عمل فرماتے۔ جب صحابہ کرام سے اس پر عمل کرنا منقول نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کی مشروعیت ختم ہوگئی اور لاعتیرۃ والی حدیث اس کی ناسخ ہے۔

اور تابعین میں سے سوائے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے کسی سے بھی اس پر عمل کرنا منقول نہیں ہے۔ البتہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ عتیرۃ کیا کرتے تھے اور اس کو جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے بعض فقہاء نے یہ کہہ دیا کہ اگرچہ عتیرۃ مسنون تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جائز ہے۔ اور "لاعتیرۃ" کا مطلب یہ ہے کہ واجب نہیں، اس سے جواز کی نفی کرنا مقصود نہیں۔ لیکن جمہور فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ عتیرۃ اب مشروع ہی نہیں ہے۔ (١٥٢)

باب ماجاء في العقيقة

﴿عن يوسف بن ماهك انهم دخلوا على حفصة بنت عبد الرحمن فسألوها عن العقيقة، فاخبرتهم ان عائشة رضى الله عنها اخبرتها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرهم عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة﴾ (١٥٣)

لفظ "ماهک" پر کوئی اعراب نہیں پڑھتے اس میں "ک" تصغیر کے لئے ہے، اور یہ فارسی لفظ ہے اور فارسی میں جب کسی لفظ کی تصغیر بنانی ہوتی ہے تو یا تو آخر میں لفظ "کاف" لگادیتے ہیں جیسے "مردک" یا لفظ "چہ" لگادیتے ہیں۔ جیسے "کتابچہ" چھوٹی کتاب۔ اسی طرح "ماهک" "ماه" کی تصغیر ہے۔ اور "ماه" فارسی میں چاند کو کہتے ہیں۔ "ماهک" کے معنی ہوگئے چھوٹا چاند۔ وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ یہ ماھک جب پیدا ہوئے تو بہت خوبصورت تھے، اس لئے ان کے والد نے محبت کے طور پر ان کا نام "ماھک" رکھ دیا تھا۔ اس وجہ سے اس لفظ پر کوئی اعراب نہیں آئے گا بلکہ ساکن رہے گا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ عربی کلام میں مستعمل ہونے کی وجہ سے اب معرب ہوگیا تو اس صورت میں اس کو غیر منصرف پڑھیں گے کیونکہ اس میں منع صرف کے دو اسباب موجود ہیں۔ ایک عجمہ اور ایک معرفہ۔

جیسے امام ابن ماجہ کا صحیح نام "ابن ماجہ" ہے۔ ابن ماجۃ غلط ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ "ابن ماجہ" کے آخر میں جو "ہ" ہے وہ تائے مدوّرۃ ہے حالانکہ وہ تائے مدوّرۃ نہیں بلکہ وہ ھائے وقفہ ہے۔ لہٰذا "ابن ماجہ" پر تا کے دو نقطے لکھنا غلط ہے اور "ابن ماجۃ" پڑھنا غلط ہے۔

عقیقہ کرنا سُنّت ہے

حضرت یوسف بن ماھک فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن کے پاس گئے اور ان سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو برابر کی بکریاں کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

مکافئتان کے لفظی معنی ہیں مساویتان۔ مراد یہ ہے کہ اس جانور میں بھی وہی صفات ملحوظ ہونی چاہئیں جو قربانی کے جانور میں ملحوظ ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پورے ایک سال کی ہوں اور ان میں اس قسم کا کوئی عیب نہ ہو جو قربانی کے لئے مانع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے عقیقہ کی مشروعیت اور اس کی سُنّیت کا انکار کیا ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی عقیقہ کرنا سُنّت ہے۔(۱۵۴)

دوسری حدیث

﴿ام کرز اخبرتہ انہا سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقۃ فقال: عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ واحدۃ لا یضرکم ذکرانا کن ام اناثا﴾ (۱۵۵)

حضرت اُمِ کرز رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نر ہوں یا مادہ ہوں۔ مطلب یہ ہے دونوں جائز ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لڑکے کے عقیقہ کے وقت بکرے اور لڑکی کے عقیقہ میں بکری ذبح کرنا چاہئے یہ خیال درست نہیں۔

﴿عن سلمان بن عامر الضبی رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مع الغلام عقیقة فاهریقوا عنه دما وامیطوا عنه الاذی﴾ (۱۵۶)

حضرت سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غلام کے ساتھ عقیقہ ہے۔ یعنی مسنون یہ ہے کہ اس کے عقیقے کو حلق کیا جائے۔ لہٰذا اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے ایذاء کو دور کرو۔ اصل میں "عقیقہ" ان بالوں کو کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے وقت سر پر ہوتے ہیں۔ پھر بعد میں مطلق بالوں کو عقیقہ کہا جانے لگا۔ چونکہ عقیقہ کرتے وقت بالوں کو کاٹا جاتا ہے اس لئے جانور کے ذبح کو عقیقہ کہا جانے لگا۔

باب الاذان فی اذن المولود

﴿عن عبید اللّٰه بن ابی رافع عن ابیه قال: رایت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذن فی اذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمة بالصلوة﴾ (۱۵۷)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی آذان دی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو جنا۔ (ولادت کے وقت آذان دینا سُنّت ہے تاکہ دنیا میں آنے کے بعد پہلا کلمہ جو اس کے کان میں پڑے وہ اللہ کا اور دین اسلام کا کلمہ ہو اور آذان کی تخصیص اس لئے کی کہ آذان سننے سے شیطان بھاگ جاتا ہے، لہٰذا بچے کے کان میں آذان اس لئے دی جاتی ہے تاکہ بچے کے پاس سے شیطان اس وقت دور ہوجائے (اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دائیں کان میں آذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ از مرتب)

باب بلا ترجمة

﴿عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خیر الاضحیة الکبش وخیر الکفن الحلة﴾

(۱۵۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین قربانی مینڈھے کی قربانی ہے اور بہترین کفن حلہ ہے۔ (یعنی پورا جوڑا جس میں ایک ازارا، ایک قمیص اور ایک چادر، تین کپڑے ہوں)

باب بلا ترجمة

﴿عن مخنف بن سلیم رضی اللّٰه عنه قال کنا وقوفا مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعرفات فسمعته یقول یا ایها الناس علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة وعتیرة هل تدرون ما العتیرة؟ هی التی تسمونها الرجبیة﴾ (۱۵۹)

حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرفات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وقوف کیا۔ تو میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو ہر سال ہر گھر والے پر ایک قربانی اور ایک عتیرہ ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ عتیرہ کیا چیز ہے؟ یہ وہی ہے جس کو تم "رجبیہ" کہتے ہو۔

باب بلا ترجمة

﴿عن علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنه قال عق رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الحسن بشاة وقال یا فاطمة احلقی راسه وتصدقی بزنة شعره فضة فوزنته فکان وزنه درهما او بعض درهم﴾ (۱۶۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ! اس کا سر حلق

کردو اور اس کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کردو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ان بالوں کا وزن کیا تو ان کا وزن ایک درھم یا کچھ کم تھا۔ (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک بکری کے ذریعہ عقیقہ کیا۔ اگرچہ یہ روایت صحیح ہے لیکن وہ روایت جس میں آپ نے فرمایا عن الغلام شاتان وہ زیادہ قوی اور زیادہ صحیح ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کے بالوں کا وزن کر کے اس وزن کے مطابق چاندی صدقہ کرنا بھی مسنون ہے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن ابیه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم خطب ثم نزل فدعا بکبشین فذبحهما﴾ ( )

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا پھر (منبر سے) نیچے تشریف لائے، اور دو مینڈھے منگوائے اور ان دونوں کو ذبح فرمایا۔

﴿عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال: شهدت مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الاضحی یا لمصلی فلما قضی خطبته نزل عن منبره، فاتی بکبش فذبحه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بیده وقال بسم اللّٰه و اللّٰه اکبر هذا عنی و عمن لم یضح من امتی﴾ (۱۶۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے روز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید گاہ میں حاضر ہوا، جب آپ خطبہ دے کر فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے اترے، پھر آپ کے پاس ایک دنبہ لایا گیا جس کو آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھا، اور پھر آپ نے فرمایا کہ یہ میری طرف سے اور میری اُمت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کرسکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قربانی واجب نہ ہو بلکہ نفلی قربانی ہو اور اس کے ذریعہ ایصال ثواب مقصود ہو تو ایک قربانی کے ثواب میں جتنے افراد کو چاہیں شامل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے ساری امت کے ان تمام افراد کی طرف سے ایک دنبہ ذبح فرمایا جنہوں نے قربانی نہ کی ہو۔

ایک عبادت کا ثواب متعدّد افراد کو کس طرح ملتا ہے

اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کلام ہوا ہے کہ اگر ایک شخص ایک عبادت کا ثواب متعدّد افراد کو پہنچانا چاہے تو کیا ہر ایک شخص کو ثواب پورا پورا ملتا ہے یا تقسیم ہو کر ملتا ہے۔ مثلاً آپ نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور اب اس کا ثواب اپنے والدین اور اپنے چند عزیزوں کو بخشنا چاہتے ہیں۔ اب ہر ایک کو پورے قرآن کریم کا ثواب ملے گا یا سب کے درمیان تقسیم ہو کر ملے گا؟ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ تقسیم ہو کر ملے گا، اس لئے کہ عبادت ایک ہی ہے۔ جبکہ دوسرے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک کو انشاء اللہ پورا پورا ثواب ملے گا اور حدیثِ باب ان حضرات کی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ان تمام حضرات کی طرف سے ایک دنبہ کی قربانی فرمائی جو قربانی نہیں کرسکتے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والی پوری اُمت میں جتنے افراد ایسے ہوں گے ان سب کی طرف سے یہ قربانی فرمائی۔ اب اگر تقسیم والے نظریہ پر عمل کیا جائے تو ایک شخص کے حصے میں شاید ایک بال بھی نہیں آئے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ وہ تقسیم کر کے ثواب عطا فرمائیں بلکہ یہی امید ہے کہ انشاء اللہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب ملے گا۔ (۱۶۲)

باب بلا ترجمة

﴿عن سمرة رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الغلام مرتھن بعقیقتہ یذبح عنہ یوم السابع ویسمی ویحلق راسہ﴾ (۱۶۳)

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بچہ اپنے عقیقہ سے رہن رکھا ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح اگر کوئی چیز کسی کے پاس رہن رکھ دی جائے تو اس سے اس وقت تک نفع نہیں اٹھا سکتا اور نہ اس کو اپنے قبضے میں لاسکتا ہے جب تک قرضہ ادا کر کے اس کو چھڑا نہ لے۔ اسی طرح بچہ عقیقہ کے عوض رہن رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا جب تک بچہ کا عقیقہ نہ کرلیا جائے اس وقت تک اس میں برکتیں ظاہر نہیں ہوتیں اور وہ آفات سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اور اس کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈوایا جائے، یعنی جس دن ولادت ہوئی ہے اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کرلے مثلاً اگر جمعہ کے

دن ولادت ہوئی ہے تو جمعرات کو عقیقہ کرے۔ یہ بھی درست ہے کہ یا تو ساتواں دن ہو یا اس کا دگنا یا تگنا یا چوگنا ہو۔ مثلاً اگر ایک جمعرات کو نہ کر سکے تو اس سے اگلی جمعرات کو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرلے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن ام سلمة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من رای هلال ذی الحجة واراد ان یضحی فلا یاخذن من شعره ولا من اظفاره﴾ (۱۶۴)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ نہ تو اپنے بال کاٹے اور نہ ہی اپنے ناخن کاٹے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کا مسئلہ

حنفیہ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور بعض اہل ظاہر اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس حکم کو محض اباحت پر محمول کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہ نہ واجب ہے نہ سُنّت اور نہ مستحب۔ حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالحجاج ہو جائے۔ کیونکہ اس زمانے میں حجاج نہ ناخن کاٹتے ہیں اور نہ بال کاٹتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ حج پر نہیں گئے وہ کم از کم اپنی صورت ہی حجاج جیسی بنالیں اور اپنے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔ اس لئے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ حجاج کو جن برکات سے نوازیں گے اس مشابہت کی وجہ سے ان برکات کا کوئی حصّہ ان کو بھی عطا فرمادیں۔

حدیثِ باب سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال اور اس کا جواب

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے قربانی کے واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا قربانی کا ارادہ ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی ارادے پر موقوف ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو پھر ارادے کے ہونے یا نہ ہونے

سے کیا تعلق ہوتا، وہ تو واجب ہی ہوگی۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث قربانی کے وجوب کی نفی نہیں کرتی، اس لئے کہ بعض اوقات آدمی پر قربانی واجب نہیں ہوتی لیکن وہ قربانی کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ ان افراد کو داخل کرنے کے لئے آپ نے "ارادہ" کا لفظ استعمال فرمایا، لیکن اس سے صاحب حیثیت لوگوں پر قربانی کے واجب ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال اور اس کا جواب

﴿واحتج بحدث عائشة رضی اللّٰه عنها ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یبعث بالهدی من المدینة فلا یجتنب شیئا مما یجتنب منه المحرم﴾ (۱۶۶)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ بال اور ناخن نہ کاٹنا مستحب بھی نہیں ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے ھدی کو بھیجتے تھے، لیکن ان محرمات میں سے کسی سے اجتناب نہیں فرماتے تھے جن سے محرم اجتناب کرتا ہے اور ان محرمات میں قلم اظفار اور حلق شعر بھی داخل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بہت کمزور ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کرنے کا منشا یہ ہے کہ صرف ھدی کے بھیجنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی پر اسی وقت سے حالت احرام کے موانع لازم ہوجائیں۔ یہ ایک بالکل علیحدہ مسئلہ ہے کہ آیا "ھدی" بھیجنے سے احرام کے محرمات لازم ہوجائیں گے یا نہیں؟ زیر بحث مسئلہ کا تعلق قربانی سے ہے، اس کا ھدی بھیجنے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔ (۱۶۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابواب النذور والایمان

باب ماجاء عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لا نذر فی معصیۃ

﴿عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا نذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین﴾ (۱۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی معصیت میں نذر نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا کفارہ ہوتا ہے۔

معصیت کی نذر منعقد ہونے میں علماء کا اختلاف

معصیت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک معصیت لعینھا دوسری معصیت لغیرھا۔ "معصیت لعینھا" وہ ہے جو اپنی ذات میں معصیت اور گناہ ہے۔ جیسے شراب پینا، چوری کرنا، قتل کرنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا وغیرہ۔ اور "معصیت لغیرھا" وہ ہے جو اپنی ذات میں تو معصیت نہیں ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے وہ معصیت بن گئی۔ جیسے عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا۔ اب روزہ رکھنا اپنی ذات میں معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے لیکن چونکہ شریعت نے عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، اس وجہ سے اس دن روزہ رکھنا معصیت بن گیا۔ حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو افعال معصیت لعینھا ہیں اگر کوئی شخص ان کی نذر کرلے تو وہ "نذر" منعقد ہی نہیں ہوگی، اور جب نذر منعقد نہیں ہوگی تو اس شخص کے لئے وہ کام کرنا جائز بھی نہیں، اور نہ کرنے کے نتیجے میں اس پر کفارہ بھی نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب نذر منعقد ہوجائے اور معصیت کی نذر منعقد ہی نہیں ہوئی۔ مثلاً کوئی شخص یہ نذر کرلے کہ میں شراب پیوں گا، اب شراب پینا اس کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ نذر منعقد نہیں ہوئی اور نہ پینے کی صورت میں کفارہ بھی نہیں آئے گا۔ البتہ

اگر معصیت لغیرھا کی نذر کی ہے تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک نذر منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ میں "یوم النحر" میں روزہ رکھوں گا تو یہ نذر تو منعقد ہو جائے گی لیکن اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ یوم النحر کے علاوہ کسی اور دن روزہ رکھنا ہوگا جن دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہوتا ہے۔

معصیت کی نذر کے بارے میں امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک اور اس کی وضاحت

اب یہاں دو باتیں قابل تفصیل ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مسئلہ اوپر آیا کہ معصیت لعینہا کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس کا کفارہ آتا ہے لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ لله علی ان اقتل فلانا اور دوسرے کو قتل کرنے کی نذر مانے تو اس کے ذمہ کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب قتل کرنا معصیت لعینہا ہے تو پھر اس کی نذر منعقد نہیں ہونی چاہئے اور نہ اس پر کفارہ آنا چاہئے، تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کفارہ کے وجوب کا قول کیسے اختیار کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس صورت کو بیان فرمارہے ہیں کہ جب ایک شخص نے الفاظ تو نذر کے بولے لیکن دل میں نیت یمین کی کرلی، گویا کہ لله علی ان اقتل فلانا کو اس شخص نے واللہ علی ان اقتل فلانا کے معنی میں استعمال کیا اور گویا قسم کھالی کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں گا، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص معصیت لعینہا کی قسم کھالے کہ میں فلاں معصیت کروں گا تو اس صورت میں اس کو وہ معصیت کرنا تو جائز نہیں ہوگا لیکن قسم پوری نہ کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ کفارہ یمین لازم ہو جاتا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی مراد ہے۔ (۱۶۸)

ذبح ولد کی نذر اور اس کا کفارہ

نیز یہ جو میں نے بتایا کہ معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا، اس حکم میں ایک استثناء ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کروں گا تو اس شخص کے ذمہ ایک بکرا ذبح کرنا واجب ہے۔ یہ حکم خلاف قیاس ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ذبح ولد کی نذر

مان لے تو وہ شخص ایک کبش ذبح کرے۔ یہ ذبح کا حکم اس حدیث کی وجہ سے خلاف قیاس ہوا ہے ورنہ عام قاعدہ یہ ہے کہ معصیت کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور نہ کفارہ آتا ہے۔

حدیثِ باب میں "وکفارتہ کفارۃ یمین" کا مطلب

دوسرا مسئلہ قابل ذکر یہ ہے کہ حدیثِ باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لانذر فی معصیة وكفارته كفارة يمين اس حدیث کے پہلے جملے میں تو فرمایا کہ معصیت کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اس کا کفارہ وہی ہے جو یمین کا کفارہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب معصیت کی نذر منعقد ہی نہیں ہوئی تو اب کفارہ کیسے آئے گا؟ اس لئے کہ کفارہ تو اس وقت آتا ہے جب نذر منعقد ہو جائے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ باب اس صورت سے متعلق ہے جب کوئی شخص اس طرح نذر کرے کہ لله علی معصية یعنی میں ایک معصیت کرنے کی نذر مانتا ہوں اور معصیت کی تعیین نذر میں نہیں کرتا کہ فلاں معصیت کروں گا تو اس صورت میں اس پر یمین کا کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے کہ جب معصیت کی تعیین نہیں کی تو اس میں معصیت لعینہا اور معصیت لغیرہا دونوں داخل ہوگئیں۔ اس وجہ سے اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ "معصیت لغیرہا" کی نذر ہو اور معصیت لغیرہا کی نذر میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے لله علی معصية کی صورت میں کفارہ آجائے گا اور حدیثِ باب میں یہ جو فرمایا وكفارته كفارة يمين اس میں یہی صورت مراد ہے۔

﴿عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من نذر ان یطیع الله فلیطعه ومن نذر ان یعصی الله فلا یعصه﴾ (۱۶۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اس کو چاہئے کہ اپنی نذر کو پورا کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اس کو چاہئے کہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (یعنی اس نذر کو پورا نہ کرے)

باب لانذر فی مالا یملك ابن آدم

﴿عن ثابت بن الضحاك رضی الله عنه عن النبی صلی الله

علیه وسلم قال: لیس علی العبد نذر فیما لا یملکہ ﴾ ( )

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو، اس کے بارے میں کوئی نذر درست نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فلاں شخص کا غلام آزاد ہوجائے گا، چونکہ وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے، اس لئے یہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔

باب فی کفارة النذر اذا لم یسم

﴿عن عقبة بن عامر رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: کفارة النذر اذا لم یسم کفارة یمین ﴾

(۱۷۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نذر کا کفارہ جبکہ وہ معین نہ کیا جائے قسم ہی کا کفارہ ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ علی نذر میرے ذمے ایک نذر ہے اور اس نذر کی تعیین نہیں کی کہ کس چیز کی نذر کررہا ہے۔ نماز کی یا روزے کی یا تلاوت کی یا صدقہ کی وغیرہ۔ تو اس صورت میں اس پر کفارہ یمین واجب ہوگا۔

باب فیمن حلف علی یمین فرای غیرها خیرا منها

﴿عن عبدالرحمن بن سمرة رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یا عبدالرحمن لا تسال الا مارة فانک ان اتتک عن مسئلة وکلت الیها وانک ان اتتک من غیر مسئلة اعنت علیها واذا حلفت علی یمین فرایت غیرها خیرا منها فات الذی هو خیر ولتکفر عن یمینک ﴾ (۱۷۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! تم اپنے لئے امارت کو طلب مت کرو۔ یعنی یہ کوشش مت کرو کہ تمہیں امیر بنادیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ امارت تمہاری طلب اور سوال کے نتیجے میں تمہیں حاصل ہوگی

تو اس صورت میں تمہیں اس امارت کے حوالے کردیا جائے گا۔ یعنی پھر اس امارت کا کام انجام دینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں ہوگی، بلکہ تمہارے حوالے کردیا جائے گا کہ تم جس طرح چاہو کرو ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں۔ اور اگر یہ امارت تمہارے سوال اور تمہاری طلب کے بغیر تمہیں حاصل ہوگی تو اس امارت کے کاموں میں تمہاری مدد کی جائے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی کہ حسن خوبی کے ساتھ اس امارت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوجاؤ گے۔

اور اگر تم نے کسی بات پر قسم کھالی، بعد میں تمہاری رائے یہ ہوئی کہ جس بات پر قسم کھائی تھی۔ اس کے علاوہ دوسری بات میں خیر ہے، یعنی جس کام پر قسم کھائی تھی تمہارے خیال میں وہ کام کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ اس کام کو چھوڑنا مناسب ہے اور اس کام کے علاوہ دوسرا کام کرنا بہتر ہے، تو اس صورت میں تم وہ کام کرلو جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کوئی کام کرنے کی قسم کھالے اور بعد میں رائے بدل جائے اور یہ خیال ہو کہ جس کام کی میں نے قسم کھائی ہے وہ کام گناہ ہے تو اس صورت میں قسم کا توڑنا واجب ہے، اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ کام گناہ تو نہیں ہے لیکن مصلحت کے خلاف معلوم ہورہا ہے تو اس صورت میں تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ اس قسم کو توڑنا جائز ہے اور حدیث کا مرکزی مفہوم یہی ہے۔

قسم توڑنے اور کفارہ ادا کرنے کی ترتیب میں فقہاء کا اختلاف

البتہ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا قسم پہلے توڑے اور پھر کفارہ ادا کرے؟ یا پہلے کفارہ ادا کرے اور پھر قسم توڑے؟ فقہاء حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ پہلے قسم توڑے اور پھر کفارہ ادا کرے۔ اور فقہاء شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کے برعکس بھی کرلے یعنی پہلے کفارہ ادا کرے اور بعد میں قسم توڑے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا استدلال اگلے باب کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔

باب فی الکفارۃ قبل الحنث

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فلیکفر عن یمینہ ولیفعل﴾ (۱۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کام پر قسم کھالے، بعد میں اس کی رائے یہ ہو کہ اس کے علاوہ دوسرا کام بہتر ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور وہ بہتر کام کرلے۔

اس حدیث میں کفارہ کو اس کام کے کرنے پر مقدم کیا گیا ہے کہ پہلے کفارہ ادا کرے اور پھر وہ کام کرے۔ اس سے ظاہر یہی ہے کہ پہلے کفارہ ادا کرے اور پھر وہ کام کرے۔ فقہاء حنفیہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں حرف "واوٗ" ہے اور "واوٗ" مطلق جمع پر دلالت کرتا ہے، اس میں ترتیب کا لحاظ نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ نے یہ جو فرمایا کہ فلیکفر عن یمینہ ولیفعل اس کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ کفارہ پہلے ادا کرے اور بعد میں قسم توڑے بلکہ دونوں کاموں کو ایک ساتھ واوٗ کے ذریعہ جمع کردیا گیا ہے۔

فقہاء حنفیہ و شافعیہ کے استدلالات

اس کے جواب میں بعض فقہاء شافعیہ نے ایسی روایات پیش کی ہیں جن میں واوٗ کے بجائے "فا" یا "ثم" آیا ہے۔ ان کے اندر یہ الفاظ ہیں۔ فلیکفر عن یمینہ فلیفعل یا ثم لیفعل اور ان کا کہنا یہ ہے کہ "فا" اور "ثم" تو ترتیب پر دلالت کرتے ہیں، اور ان احادیث میں کفارہ کو مقدم کیا گیا ہے اور فعل حنث کو مؤخر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ فعل حنث پر مقدم ہوگا۔

اس کے مقابلے میں حنفیہ نے وہ روایات پیش کیں ہیں جن میں حانث ہونے کا ذکر مقدم ہے۔ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ والی حدیث کہ اس میں فرمایا کہ فات الذی ھو خیر ولتکفر عن یمینک یہ حدیث پچھلے باب میں گزرچکی ہے۔ اس کے علاوہ وہ احادیث بھی پیش کی ہیں جن میں "ثم" کا لفظ آیا ہے یعنی ثم لتکفر عن یمینک۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے پاس بھی استدلال کے لئے ایسی روایات ہیں جن میں حانث ہونے کو مقدم کیا گیا ہے اور کفارہ کو مؤخر کیا گیا ہے اور ایسی روایات بھی ہیں جن میں لفظ "ثم" بھی وارد ہوا ہے۔ اور فقہاء شافعیہ کے پاس بھی ایسی روایات ہیں جس میں کفارہ کو حانث ہونے پر مقدم کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض میں لفظ "فا" یا "ثم" بھی آیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں دونوں طرف بحث و مناظرہ کا باب کھل گیا اور روایات میں کھینچا تانی شروع ہوگئی۔

ان روایات سے استدلال درست نہیں

لیکن ساری بحثوں کو دیکھنے اور تمام روایات پر نظر کرنے کے بعد جو بات سمجھ میں آتی ہے (واللہ سبحانہ اعلم) وہ یہ ہے کہ درحقیقت ان روایات سے نہ حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور نہ شافعیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان روایات میں اختلاف ہے، کسی روایت میں کفارہ مقدم ہے کسی میں حنث مقدم ہے۔ کسی روایت میں واؤ ہے کسی روایت میں "فا" ہے کسی روایت میں "ثم" ہے۔ ایسی صورت میں کسی ایک لفظ کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور اس سے استدلال درست نہیں ہوتا۔ یہ اختلاف روایات اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ راویان حدیث نے حدیث کے اصلی مرکزی مفہوم کو تو محفوظ رکھا وہ یہ کہ اگر کوئی شخص قسم کھانے کے بعد مصلحت اس میں دیکھے کہ قسم توڑ دی جائے تو اس کے لئے قسم توڑنا جائز ہے۔ اتنی بات کو تو تمام راویوں نے محفوظ رکھا، لیکن یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا ذکر پہلے کیا تھا یا حنث کا ذکر پہلے کیا تھا، اور ان کے ذکر کے وقت واؤ کا لفظ استعمال فرمایا تھا یا "فا" اور "ثم" کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ اس بات کو راویوں نے محفوظ نہیں رکھا۔

حدیث کے ضمنی الفاظ پر حکم شرعی کا مدار نہیں ہوتا

اور یہ بات میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ حدیث کا ایک تو مرکزی مفہوم ہوتا ہے اور دوسرے اس کے ضمنی الفاظ ہوتے ہیں۔ اکثر راویان حدیث، حدیث کے مرکزی مفہوم کو تو محفوظ رکھتے ہیں، لیکن ضمنی الفاظ کو یاد رکھنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے۔ اس وجہ سے روایات میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے اصل حدیث کو رد نہیں کرسکتے البتہ ایسے موقع پر اس حدیث کے ضمنی الفاظ پر کسی شرعی حکم کی بناء نہیں رکھنی چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس اصول کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ بڑا اہم اور قیمتی اصول ہے۔ لہٰذا اس اصول کے مطابق اس مسئلے میں اس حدیث کے ذریعہ نہ تو شافعیہ کے لئے استدلال کرنا درست ہے اور نہ حنفیہ کے لئے استدلال کرنا درست ہے۔

کفارہ کے وجوب کے سبب میں فقہاء کا اختلاف

جب حدیث سے استدلال کرنا درست نہ رہا تو اب قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یہ دیکھا

جائے گا کہ کفارہ کے واجب ہونے کا سبب کیا ہے؟ یہاں پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اصولی اختلاف ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب ہونے کا سبب "حنث" ہے، اور جب تک سبب نہ پایا جائے اس وقت تک مسبب نہیں آسکتا۔ لہٰذا جب تک آدمی حانث نہیں ہوگا اس وقت تک اس پر کفارہ نہیں آئے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ کا اصل سبب "یمین" ہے اور "حنث" اس کے لئے بمنزلہ شرط کے ہے، اور یمین پہلے ہی وجود میں آچکی ہے اور جب سبب وجود میں آچکا ہے تو اب مسبب پایا جاسکتا ہے یعنی کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کفارہ یمین کو کفارہ ظہار پر قیاس کرتے ہیں، اس لئے کہ ظہار میں پہلے کفارہ ادا کیا جاتا ہے، بعد میں جماع کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

شافعیہ کے استدلال کا جواب

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ ہے کہ یمین کے اندر کفارہ کا سبب بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے کیونکہ کفارہ تو کسی گناہ اور معصیت کے نتیجے میں واجب ہوتا ہے اور قسم کھانا بذات خود کوئی گناہ اور معصیت نہیں۔ لہٰذا یمین کفارہ کا سبب نہیں ہوسکتا۔ البتہ قسم کا توڑنا اور حانث ہونا ایک برائی ہے لہٰذا اس کو کفارہ کا سبب کہا جاسکتا ہے۔

کفارہ یمین کو کفارہ ظہار پر قیاس کرنا درست نہیں

اور شافعیہ نے یمین کو ظہار پر جو قیاس کیا ہے یہ قیاس دو وجہ سے درست نہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ ظہار ایک مستقل چیز ہے اس کا یمین سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ظہار کے بارے میں نص صریح موجود ہے یعنی فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا اور یہاں کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا اصل سبب حنث ہے۔ جب تک حنث نہیں پایا جائے گا کفارہ نہیں آئے گا۔ اور احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ اگر حانث ہونے کے بعد کفارہ ادا کرے گا، تو تمام فقہاء کے نزدیک وہ کفارہ ادا ہوجائے گا لیکن اگر حانث ہونے سے پہلے ادا کرے گا تو شافعیہ کے نزدیک تو ادا ہوجائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک ادا نہیں ہوگا۔ (   )

دوسری بات یہ ہے کہ کفارہ خود خلاف قیاس ہے اور امور تعبدیہ میں سے ہے، اس لئے کہ

جس چیز کا کفارہ ہوتا ہے اس میں اور کفارہ میں مناسبت نہیں ہے، چاہے وہ یمین کا کفارہ ہو یا ظہار کا کفارہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے کہا انت علی کظھر امی اب اس سے کہا جاتا ہے کہ کفارہ میں غلام آزاد کرو۔ اب ظاہر ہے کہ غلام آزاد کرنے کا تحریم حلال سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفارہ کا حکم امر تعبدی ہے۔ اور اصول یہ ہے کہ امر تعبدی ہمیشہ اپنے مورد پر منحصر رہتا ہے، اس میں قیاس نہیں چلتا۔ لہٰذا ظہار کے کفارے پر یمین کے کفارے کو قیاس کرنا درست نہیں ہوگا۔ (۱۷۴)

باب فی الاستثناء فی الیمین

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من حلف علی یمین فقال ان شاء اللّٰہ فلا حنث علیہ﴾ (۱۷۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی بات پر قسم کھائے اور ساتھ میں "انشاء اللہ" کہہ دے تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان سلیمن بن داود علیہ السلام قال: لاطوفن اللیلۃ علی سبعین امراۃ تلد کل امراۃ غلاما فطاف علیھن فلم تلد امراۃ منھن الا امراۃ نصف غلام فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لوقال "ان شاء اللّٰہ" لکان کما قال﴾ (۱۷۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے فرمایا کہ میں آج کی رات اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر بیوی ایک بچہ جنے گی۔ چنانچہ وہ اس رات تمام بیویوں کے پاس گئے تو ان میں سے کسی بیوی کے بچہ نہ ہوا، سوائے ایک بیوی کے کہ اس کے ہاں ناقص اور آدھا بچہ پیدا ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ "انشاء اللہ" کہتے تو پھر ویسا ہی ہوتا جیسا انہوں نے کہا تھا۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مشہور واقعہ ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس واقعے کو طرداً للباب ذکر کردیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس حدیث کے تحت دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

اس واقعہ کے بارے میں مفسرین کا اختلاف

ایک بات تو یہ کہ بعض حضرات نے اس واقعہ کو سورہ ص کی اس آیت کی تفسیر قرار دیا ہے۔
ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب کہ اس آیت میں لفظ جسدا جو فرمایا ہے، اس سے مراد یہی ناقص بچہ ہے جو سلیمان علیہ السلام کی ایک بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح روایت سے اس آیت کا اس واقعہ سے تعلق ثابت نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے۔

اس حدیث پر مودودی صاحب کا اعتراض

اس حدیث سے متعلق دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں صدیوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہے، کسی نے بھی اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا، لیکن مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں اور اس کی سند بڑی مضبوط ہے، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کے الفاظ پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس طرح ارشاد نہیں فرمائی۔ کیونکہ جو واقعہ اس حدیث میں آیا ہے، اس کا اس طرح سے پیش آنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا اور بیویوں کی تعداد مختلف روایات میں مختلف آئی ہے۔ بعض روایات میں سو، بعض میں نوے، بعض میں ستر اور بعض میں ساٹھ بیان کی گئی ہے۔

اگر اقل عدد یعنی ساٹھ بیویوں کی تعداد مان لی جائے تب بھی لمبی ترین رات میں بھی ساٹھ عورتوں کے پاس جانا عقلاً ممکن نہیں۔ چونکہ ممکن نہیں، اس لئے اس حدیث کے الفاظ پکار پکار کر

یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد نہیں فرمائی۔

ان کے اعتراض کا جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان روایات میں بھی وہی بات پائی جارہی ہے جو ابھی میں نے گزشتہ باب کی حدیث کی تشریح میں بیان کی۔ وہ یہ کہ روایات میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ راویان حدیث مرکزی مفہوم کو تو محفوظ رکھتے ہیں، لیکن اس میں جو ضمنی باتیں ہوتی ہیں ان کو پوری طرح محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا لفظ ارشاد فرمایا ہوگا جو کثرت پر دلالت کررہا ہوگا، اب اس کثرت کو تعبیر کرنے کے لئے کسی راوی نے سو کا عدد ذکر کردیا، کسی نے نوے کہہ دیا کسی نے ستر کہہ دیا۔ اور کسی نے ساٹھ کہہ دیا۔ لہٰذا ہم یقینی طور پر اپنی طرف سے کسی عدد کو متعین نہیں کرسکتے کہ فلاں عدد تھا، اور پھر عدد کو سامنے رکھ کر حساب کتاب لگانا شروع کردیں، اس کا کوئی جواز نہیں۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ عجیب قصہ ہے کہ چودہ سو سال سے حدیث کے الفاظ پکار رہے ہیں، لیکن کسی نے ان کی پکار اور آواز نہیں سنی اور آج ایک ہی آدمی پیدا ہوا جس نے ان الفاظ کی پکار سن لی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس طرح حساب کتاب لگا کر اپنی عقل کی ترازو پر ہر چیز تولی جائے تو پھر کوئی بھی معجزہ ثابت نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں معراج کے واقعہ میں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو کواڑ کی کنڈی حرکت کررہی تھی اور بستر گرم تھا۔ اور یہ باتیں عقل کی ترازو میں پوری نہیں اترتیں، لہٰذا اس حدیث کے الفاظ بھی پکارنا شروع کردیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ اگر احادیث صحیحہ پر اس طرح کی تنقید کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی حدیث صحیح سلامت نہیں رہے گی۔اور ہر آدمی کھڑے ہو کر یہ کہنے لگے گا کہ یہ حدیث میری عقل میں نہیں آتی۔ لہٰذا جو بات مودودی صاحب نے کہی وہ بالکل باطل اور صریح البطلان ہے۔

باب فی کراھیۃ الحلف بغیر اللّٰہ

عن سالم عن ابیہ رضی اللّٰہ عنہ سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عمر وھو یقول: وابی وابی فقال الا ان اللّٰہ ینھاکم ان تحلفوا بابائکم فقال عمر: فو اللّٰہ ما حلفت بہ بعد ذلک ذاکرا

ولا آثرا﴾ (۱۷۷)

حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا میرے باپ کی قسم، میرے باپ کی قسم، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے آباء کی قسم نہیں کھائی، نہ تو یاد ہونے کی حالت میں تعمد کے ساتھ قسم کھائی اور نہ کسی اور کی حکایت کرتے ہوئے غیر اللہ کی قسم کھائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ قسم یا تو اللہ تعالیٰ کی کھائی جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی کھائی جائے، کیونکہ صفات کی بھی قسم کھانا جائز ہے۔ انہی صفات میں سے ایک صفت قرآن مجید ہے، لہٰذا قرآن مجید کی قسم کھانا جائز ہے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن سعد بن عبيدة ان ابن عمر سمع رجلا يقول لا والكعبة فقال ابن عمر لا تحلف بغير الله فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من حلف بغير الله فقد كفر او اشرك﴾

(　　)

حضرت سعد بن عبیدة فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک۔

باب في من يحلف بالمشي ولا يستطيع

﴿عن انس رضى الله عنه قال: نذرت امراة ان تمشى الى بيت الله فسئل نبى الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: ان الله لغنى عن مشيها مروها فلتركب﴾ (۱۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے یہ نذر مان لی کہ میں بیت اللہ تک پیدل چل کر جاؤں گی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے بارے میں پوچھا گیا۔ یعنی اب پیدل جانا مشکل ہورہا ہے، اب کیا کرے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے چلنے سے بے نیاز ہے، اس عورت کو حکم دو کہ وہ سوار ہوجائے۔ یعنی پیدل جانا اس کے ذمے ضروری نہیں۔ اگلی حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال مر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بشیخ کبیر یھادی بین ابنیہ فقال: ما بال ھذا؟ قالوا: نذر یا رسول اللّٰہ ان یمشی قال: ان اللّٰہ لغنی عن تعذیب ھذا نفسہ قال: فامرہ ان یرکب﴾ (۱۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بڑی عمر کے بوڑھے کے پاس سے گزرے جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کے کندھوں کے سہارے چل رہا تھا۔ "یہادی" کے معنی ہوتے ہیں "دو آدمیوں کے درمیان سہارا لے کر چلنا"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ یعنی یہ کیوں اس طرح کندھوں کا سہارا لے کر جارہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس شخص نے یہ نذر مان لی ہے کہ وہ بیت اللہ تک پیدل چل کر جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بے نیاز ہے کہ یہ شخص اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ وہ سوار ہوجائے۔

ایسی نذر سے حج یا عمرہ واجب ہوجائے گا

ان احادیث سے تین مسئلے نکلتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ للّٰہ علی ان امشی الی بیت اللّٰہ یا امشی الی الکعبۃ تو اس نذر کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ان مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ نذر مانے تو اس کے ذمہ حج یا عمرہ کرنا واجب ہے۔

اگر پیدل حج کرنے کی نذر مان لے تو سواری پر جانے کا حکم

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ان مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ بیت اللہ تک پیدل جانے

کی نذر تو مان لی، لیکن اب مشقت اور تکلیف یا بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے پیدل چل کر نہیں جاسکتا تو کیا اس کے لئے سوار ہو کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس شخص کے لئے سوار ہو کر جانا جائز ہے۔ اور مندرجہ بالا دو حدیثیں اس کی دلیل ہیں کہ ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا حکم دیا۔

سوار ہونے سے وجوب کفارہ میں فقہاء کا اختلاف

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے پیدل جانے کی نذر مانی تھی، اس کے باوجود وہ سوار ہو کر چلا جائے تو اس سواری کرنے کے نتیجے میں اس پر کفارہ وغیرہ آئے گا یا نہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ایک بکری کا دم دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک اس شخص پر دم نہیں آئے گا بلکہ وہ شخص کفارہ یمین ادا کرے گا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو وہ شخص سوار ہو کر حج یا عمرہ ادا کرلے، لیکن آئندہ سال دوبارہ اس کے ذمہ عمرہ یا حج کرنا واجب ہوگا اور اس مرتبہ جتنا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا تھا، آئندہ سال اتنا فاصلہ سوار ہو کر طے کرے، اور پہلی مرتبہ جتنا فاصلہ سوار ہو کر طے کیا تھا، آئندہ سال اتنا فاصلہ پیدل طے کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تین مذاہب ہوگئے۔ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ دم دے، حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ یمین ادا کرے، اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اعادہ کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور استدلال

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس شخص کو چاہئے کہ بعد میں اعادہ کرے۔ جتنا حصہ پیدل چلا تھا اتنا حصہ اب سواری کرے اور جتنا حصہ سواری کی تھی اتنا حصہ پیدل چلے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور استدلال

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مروھا فلترکب ولتھد ھدیا یعنی اس عورت کو حکم دو کہ وہ سوار ہوجائے اور ایک ھدی قربانی کرے۔ اور مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن خاتون کا اس حدیث میں ذکر ہے یہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک پر ترمذی ہی کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جو چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔ جس میں انہی خاتون کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ولتصم ثلاثۃ ایام یعنی ان خاتون کو چاہئے کہ تین دن روزہ رکھے۔

حنابلہ اور مالکیہ کے استدلال کا جواب

حنفیہ کی طرف سے اس روایت کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں جو میرے نزدیک اچھے نہیں ہیں۔ میرے نزدیک اس روایت کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان خاتون نے دو کام کئے تھے، ایک یہ کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ میں بیت اللہ پیدل چل کر جاؤں گی، اور دوسرے یہ کہ قسم کھائی تھی کہ میں اوڑھنی نہیں اوڑھونگی۔ اب اوڑھنی نہ اوڑھنا اور ننگے سر رہنا عورت کے لئے ناجائز ہے۔ اس لئے ان خاتون کو ایک تو یہ حکم دیا گیا کہ اوڑھنی اوڑھو۔ ظاہر ہے کہ جب اوڑھنی اوڑھے گی تو حانث ہوجائے گی، اور حانث ہونے کے نتیجے میں کفارہ یمین آئے گا۔ لہٰذا اس روایت میں ولتصم ثلاثۃ ایام کا جو حکم دیا گیا وہ اڑھنی اوڑھ کر حانث ہونے کی وجہ سے دیا گیا۔ اور جہاں تک نذر کا تعلق ہے، اس کے بارے میں اتنا حکم دے دیا کہ ولتھد ھدیا کہ ایک ھدی کا جانور قربان کردو۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جس اثر سے استدلال فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث موقوف ہے، اور احادیثِ باب احادیث مرفوعہ ہیں اور احادیث مرفوعہ کا مقابلہ احادیث موقوفہ سے نہیں کیا جاسکتا۔ (۱۸۰)

باب فی کراهیة النذور

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئا وانما یستخرج به من البخیل (۱۸۱)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نذر مت کرو، اس لئے کہ نذر تقدیر کے خلاف انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی، البتہ اس کے ذریعہ بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کو ویسے تو صدقہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی لیکن وہ شخص نذر مان لیتا ہے کہ اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔ تو یہ نذر اس کا مال نکالنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

"لاتنذروا" کا مطلب

اس حدیث میں جو پہلا جملہ ہے "لاتنذروا" اس کی تشریح اس طرح ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نذر مطلق اور ایک نذر معلق۔ نذر مطلق اس کو کہتے ہیں کہ ایک انسان ویسے ہی اپنے ذمہ کوئی عبادت لازم کرلے مثلاً یہ کہے کہ لله علی ان اصلی رکعتین اس عبادت کو کسی خاص چیز کے ساتھ معلق اور مشروط نہیں کرتا بلکہ مطلق نذر کرتا ہے۔ اس قسم کی نذر بلا کراہت جائز ہے اور انشاء اللہ ثواب کا موجب ہوگا کہ اس نے ایک نفلی عبادت کا ارادہ کیا۔ دوسری قسم ہے نذر معلق، وہ یہ کہ انسان اپنی کسی خواہش کے پورا ہونے پر عبادت کو معلق کردیتا ہے۔ مثلاً یہ کہا کہ اگر میرا بیٹا تندرست ہوگیا تو میں دو رکعت نفل پڑھوں گا۔ حدیثِ باب میں اس دوسری قسم کی نذر کے بارے میں فرمایا کہ لاتنذروا۔ آگے وجہ بھی بیان فرمادی کہ نذر کرنے سے تقدیر میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو واقعہ پیش آنا ہے وہ ہو کر رہے گا، نذر کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں آئے گی، اس لئے تم نذر معلق مت کرو۔

اس حدیث میں نذر معلق سے جو نہی وارد ہوئی ہے، اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس حدیث میں جو نہی آئی ہے وہ نذر سے نہی وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ

اس بات سے نہی ہے کہ کوئی آدمی نذر کے علاوہ نہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور نہ کوئی نفلی عبادت کرے، صرف نذر کے موقع پر کرے۔ یہ درست نہیں۔ چنانچہ حدیث کا اگلا جملہ وانما یستخرج به من البخیل اس پر دلالت کررہا ہے۔ جیسے قرآن کریم کی آیت اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم یعنی تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ اس آیت میں بھی نیکی کی تعلیم دینے پر نکیر نہیں ہے بلکہ نکیر اس پر ہے کہ تم اپنے آپ کو کیوں بھول جاتے ہو۔ اسی طرح حدیثِ باب میں بھی یہی مراد ہے۔

لیکن مذکورہ بالا توجیہ دل کو نہیں لگتی اس لئے کہ حدیث میں نہی کے الفاظ بالکل صریح ہیں لاتنذروا۔ اس لئے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ نذر معلق میں کراہت ہے، چاہے وہ کراہت تنزیہی ہو یعنی یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی نفلی عبادت کو اپنے کسی دنیاوی مقصد کے پورا ہونے پر موقوف کرے کہ اگر میرا فلاں دنیاوی مقصد پورا ہوجائے گا تو میں نفلی عبادت کروں گا۔ اور اس کراہت کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ گویا آدمی دنیاوی مقصد کے لئے عبادت کررہا ہے، حالانکہ عبادت تو خالص اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر معلق کی صورت اچھی نہیں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ نذر کرنے والا اللہ تعالیٰ کو لالچ دے رہا ہے کہ یا اللہ! اگر آپ نے میرا یہ کام کردیا تو میں اتنی رکعت نفل پڑھوں گا یا اتنا صدقہ کروں گا۔ العیاذ باللہ۔ تو صورتاً یہ ایک طمع دلانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کے مناسب نہیں کہ انسان اپنی عبادت کو اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر معلق کرے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ نذر معلق نہیں کرنی چاہئے۔ نذر معلق کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

باب فی وفاء النذر

﴿عن عمر رضی اللّٰه عنه قال: یا رسول اللّٰه ان کنت نذرت ان اعتکف لیلة فی المسجد الحرام فی الجاهلیة قال: اوف بنذرک﴾ (۱۸۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت جعرانہ میں مقیم تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ

اپنی نذر کو پورا کرو۔

حالت کفر کی مانی ہوئی نذر کا حکم

اس حدیث کے تحت دو فقہی مسئلے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے سے پہلے حالت کفر میں نذر مانے تو کیا اسلام لانے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمانہ جاہلیت کی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ لیکن فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر اور زمانہ جاہلیت کی مانی ہوئی نذر اسلام لانے کے بعد واجب التعمیل نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا الاسلام یجب ما کان قبلہ یعنی اسلام ان تمام التزامات کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام سے پہلے تھے۔ اور اسلام لانے سے پہلے جب کسی شخص نے نذر مانی تھی تو اس وقت اس کا عقیدہ درست نہیں تھا، وہ توحید کا پورا قائل نہیں تھا، اس وقت اس نے جو نذر مانی تھی، العیاذ باللہ۔ وہ اپنے بتوں کو خوش کرنے کے لئے مانی تھی۔ اس لئے درحقیقت وہ نذر شرعی نذر نہیں تھی۔ اس لئے وہ منعقد ہی نہیں ہوئی۔ اب اسلام لانے کے بعد اس کو کیسے پورا کیا جائے گا؟ اور اگر بالفرض نذر صحیح بھی ہوگئی ہو تو حدیث الاسلام یجب ما کان قبلہ کی وجہ سے وہ نذر واجب نہیں رہے گی۔ البتہ جب زمانہ جاہلیت میں ایک نیکی کرنے کا ارادہ کیا تھا تو مستحب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس نیکی کے ارادے کو پورا کرلے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ نے جو وفاء نذر کا حکم دیا وہ حنفیہ کے نزدیک استحباب پر محمول ہے واجب پر نہیں۔ (۱۸۳)

اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے یا نہیں؟

دوسرا فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی، اور رات کو روزہ نہیں ہوتا، لہٰذا رات کا اعتکاف روزہ کے بغیر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو یہ ضروری ہے کہ اعتکاف پورے دن کا ہو اور نہ اس اعتکاف کے ساتھ روزہ شرط ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور حدیثِ باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ لیلة سے "نھار" کے مقابلے میں "لیل" مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد "یوم" ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یوما کا لفظ آیا ہے۔ اس لئے اس میں دن اور رات دونوں داخل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ البتہ متأخرین حنفیہ فرماتے ہیں کہ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں۔ نفلی اعتکاف روزہ کے بغیر بھی کیا جاسکتا ہے۔(۱۸۴)

باب کیف کان یمین النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

﴿عن سالم بن عبد اللّٰہ عن ابیہ قال: کثیرا ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحلف بھذہ الیمین لا ومقلب القلوب﴾

(۱۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے۔ لا ومقلب القلوب یعنی دلوں کے بدلنے والے کی قسم۔

باب فی ثواب من اعتق رقبة

﴿عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من اعتق رقبةً مؤمنةً اعتق اللّٰہ منہ بکل عضو منہ عضوا من النار حتی یعتق فرجہ بفرجہ﴾

(۱۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی مؤمن غلام کو آزاد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہر عضو کو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں دوزخ سے آزاد کرے گا۔ حتی کہ اس کی شرم گاہ کو بھی اس کی شرم گاہ کے بدلے میں آزاد کریں گے۔

باب فی الرجل یلطم خادمہ

﴿عن سوید بن مقرن المزنی رضی اللّٰہ عنہ قال: لقد رایتنا

سبع اخوة مالنا خادم الا واحدة فلطمها احدنا فامرنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان نعتقھا ﴿ (۱۸۷)

حضرت سوید بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم سات بھائی تھے اور سوائے ایک خادمہ کے ہماری کوئی خادمہ نہیں تھی۔ ہم میں سے ایک بھائی نے اس خادمہ کو تھپڑ مار دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس خادمہ کو آزاد کردو۔ یعنی باندی کو تھپڑ مارنے کے کفارے کے طور پر آپ نے فرمایا کہ تم اس کو آزاد کردو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقوق کا اہتمام فرمایا کہ تھپڑ مارنے کا بدلہ آزادی سے دلوایا۔ البتہ یہ حکم بالاتفاق استحباب پر محمول ہے۔ آزاد کرنا واجب اور فرض نہیں لیکن آزاد کرنا بہتر ہے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن ثابت بن الضحاك رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من حلف بملة غیر الاسلام کاذبا فھو کما قال ﴿ (۱۸۸)

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہوجائے گا جیسا اس نے کہا۔

مثلاً کوئی شخص ان الفاظ سے قسم کھائے کہ ان فعلت کذا فانا یھودی یا ان فعلت کذا فانا نصرانی اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی، اگر ایسا کروں تو میں نصرانی۔ اس کے بعد وہ کام کرلے تو وہ ایسا ہی ہوجائے گا جیسا اس نے کہا۔ یعنی یہودی یا نصرانی ہوجائے گا۔

وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا

اس حدیث کی وجہ سے بعض اہل ظاہر نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرلے تو وہ واقعۃً دائرہ اسلام سے خارج ہو کر یہودی یا نصرانی ہوجائے گا۔

لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ شخص اس وقت یہودی یا نصرانی بن جائے گا جب وہ کام کرتے وقت اس کی نیت واقعی یہودی اور نصرانی بننے کی ہو۔ مثلاً ایک شخص نے

یہ قسم کھائی کہ ان دخلت دار فلان فانا یهودی۔ اس کے بعد اس نیت سے فلاں کے گھر میں داخل ہورہا ہے کہ میں اس عمل سے یہودی بن جاؤں گا، تو اس صورت میں وہ شخص واقعۃً یہودی بن جائے گا۔ العیاذ باللہ۔ لیکن اگر اس کا مقصد دین کی تبدیلی نہ ہو تو اس صورت میں اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگائیں گے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ان الفاظ سے قسم کھائے کہ ان دخلت دار فلان فانا یهودی تو اس سے قسم منعقد ہوجائے گی۔ لہٰذا اب اگر وہ شخص اس گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے اور دل میں یہ نیت نہیں ہے کہ میں یہودی بن جاؤں تو اس گھر میں داخل ہوجائے اور پھر قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اور اس حدیث کا تعلق "یمین غموس" سے بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے ایسا کام کیا ہو تو میں یہودی۔ حالانکہ اس نے وہ کام کیا تھا اور اب جھوٹی قسم کھارہا ہے اور اپنے آپ کو یہودی کہہ رہا ہے۔ تو یہ بھی اس حدیث کے تحت داخل ہے۔ (۱۸۹)

باب (بلا ترجمة)

﴿عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنه قال: قلت یا رسول اللہ ان اختی نذرت ان تمشی الی البیت حافیة غیر فختمرة فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ لا یصنع بشقاء اختك شیئا فلترکب ولتختمر ولتصم ثلاثة ایام﴾ (۱۹۰)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ بیت اللہ تک ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل چل کر جائے گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کی مشقت سے کچھ نہیں کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری بہن مشقت میں پڑے۔ اس کو چاہئے کہ وہ سواری کرے اور اوڑھنی بھی اوڑھے اور تین دن کے روزے بھی رکھے۔

یہی وہ حدیث ہے جس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کفارہ یمین پر استدلال کیا ہے۔ حنفیہ کی طرف سے جو اس کا جواب دیا گیا ہے وہ پیچھے تفصیل سے عرض کردیا ہے۔

ننگے پاؤں بیت اللہ جانے کی نذر کا حکم

اس حدیث سے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ننگے پاؤں بیت اللہ جانے کی نذر

مانے تو ننگے پاؤں جانا، واجب نہیں ہوتا اگر جوتے پہن کر جائے گا تو کفارہ نہیں آئے گا کیونکہ ننگے پاؤں ہونا کوئی عبادت نہیں اور جب عبادت نہیں تو اس کی نذر بھی نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک "مشی" کا تعلق ہے تو وہ ایک عبادت بھی ہے چنانچہ طواف اور سعی میں "مشی" موجود ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس عمل کی جنس سے کوئی عبادت مقصود ہو تو اس کی نذر ماننا درست ہے۔ چونکہ مشی کی جنس سے عبادت مقصودہ موجود ہے اور وہ طواف اور سعی ہے۔ اس لئے اس کی نذر ماننا بھی درست ہے۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من حلف منكم فقال فی حلفه واللات والعزی فليقل لا اله الا الله ومن قال تعال، اقامرك، فليتصدق﴾

(۱۹۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تم میں سے "لات اور عزیٰ" کی قسم کھالے تو اس کو چاہئے کہ بعد میں "لا الہ الا اللہ" پڑھ لے۔ اور جو شخص دوسرے سے یہ کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ صدقہ کرے۔

کیونکہ غیر اللہ کی اور بالخصوص بتوں کی قسم کھانا جائز نہیں اور اس وقت کے مسلمان چونکہ عہد جاہلیت سے بہت قریب تھے اور جاہلیت کی بہت سی باتیں ان کی زبان پر چڑھی ہوئی تھیں، اس لئے گفتگو کے دوران بعض اوقات ان کی زبان سے "واللات والعزیٰ" نکل جاتا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت "لا الہ الا اللہ" پڑھ کر اس کا تدارک کرلیا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ کلمہ "واللات والعزیٰ" ظاہراً شرک کا کلمہ ہے۔ اس لئے کہ کسی بت کے نام کی قسم کھانا اس بت کی تعظیم ہے اور بت کی تعظیم شرک ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ دو تاکہ اس کی تلافی ہوجائے۔ اگرچہ اس کہنے والے پر مشرک اور کافر ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ اس لئے کہ یہ کلمہ زبان سے بے اختیار نکل گیا، تعظیم مقصود نہیں تھی۔ اسی طرح جو شخص جوا کھیلنے کا ارادہ ظاہر کرے اور اس کی دعوت دے تو اس کو چاہئے کہ وہ کفارہ کے طور پر کچھ صدقہ کرے۔

باب قضاء النذر عن الميت

﴿عن ابن عباس رضی الله عنه ان سعد بن عبادة استفتی

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی نذر کان علی امہ توفیت قبل ان تقضیہ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقضہ عنھا﴾

(۱۹۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے بارے میں مسئلہ پوچھا جو ان کی ماں پر واجب تھی اور اس نذر کو پورا کرنے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اب تم ان کی اس نذر کو ادا کرو۔

محدثین نے اس بارے میں کلام کیا ہے کہ جس نذر کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ نذر کیا تھی؟ نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ نذر کی تھی کہ میں ایک غلام آزاد کروں گی۔ چنانچہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے حضو اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ایک غلام اپنی والدہ کی طرف سے آزاد کردیا۔

میت کی نذر کو پورا کرنے کے بارے میں حکم

پھر اس بارے میں فقہاء کرام نے کلام کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں کوئی نذر مانے اور پھر اپنی زندگی میں اس نذر کو پورا نہ کرسکے تو کیا وارثین کے ذمہ اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مرنے والے نے نذر پوری کرنے کی وصیت کی تھی اور وہ نذر بھی ایسی تھی جس میں نیابت جاری ہوسکتی ہے۔ مثلاً وہ صدقہ وغیرہ کرنے کی نذر تھی تو اس صورت میں وہ نذر ثلث مال کی حد تک جاری کی جائے گی۔ یعنی اگر وہ نذر ثلث مال سے پوری کی جاسکتی ہے تو ورثاء کے ذمّے اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر وہ نذر ثلث مال سے پوری نہیں ہوسکتی تو مافوق الثلث میں ورثاء کے ذمہ پورا کرنا واجب اور لازم نہیں ہے، اگر وہ پورا کردیں تو اچھا ہے اور اگر پورا نہ کریں تو ان کے ذمّے کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر مرنے والے نے نذر پوری کرنے کی وصیت نہیں کی تھی، تو وارثین کے ذمہ اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں۔ لیکن پھر بھی اگر پورا کردیں تو اچھا ہے اور مستحب ہے۔

اور اگر کسی عبادت بدنیہ کی نذر مانی تھی مثلاً نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی تو اس میں

ہمارے نزدیک نیابت جاری نہیں ہوسکتی۔ اس لئے وارث کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی نیابت میں اس کی طرف سے نماز پڑھ لے یا روزہ رکھ لے۔ البتہ اگر فدیہ ادا کرنا چاہے تو میت کی طرف سے نذر مانی ہوئی نماز یا روزہ کا فدیہ اس کے مال سے ادا کردے۔

اور اس حدیث میں آپ نے اقضہ عنہا جو فرمایا، یہ اباحت کے لئے ارشاد فرمایا، وجوب کے لئے نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے نذر پوری کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ کردو۔ لہٰذا اس سے اباحت ثابت ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب (۱۹۳)

باب ماجاء فی فضل من اعتق

﴿عن ابی امامۃ وغیرہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امری مسلم الخ﴾ (۱۹۴)

اس جیسی حدیث اور اس کا ترجمہ "باب فی ثواب من اعتق رقبۃ" کے تحت پیچھے گزر چکا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب السیر

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"سیر" کے معنی اور مطلب

"سیر" سیرۃ کی جمع ہے۔ سیرۃ کے معنی ہیں "خصلت، عادت، طریقہ" اور جب مطلق لفظ سیرۃ بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ مراد ہوتی ہے۔ ابتداء میں جب لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنی شروع کی تو اس میں چونکہ غالب حصّہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور سرایا وغیرہ کا تھا، اس لئے مغازی اور سرایا اور جہاد پر لفظ "سیر" کا اطلاق ہونے لگا۔ اسی مناسبت سے حضرات محدثین اور فقہاء اپنی کتابوں میں "کتاب السیر" جو لاتے ہیں اس سے مراد جہاد اور مغازی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ابواب السیر سے یہی مراد ہے، اور اس میں جہاد کے احکام اور جہاد سے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

"جہاد" کی تعریف

"جہاد" کے لفظی معنی تو اگرچہ کوشش اور "محنت" کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جو کوئی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب لغت کے اعتبار سے "جہاد" میں داخل ہے۔ لیکن اصطلاح میں "جہاد" اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں کسی دشمن یا کافر کا مقابلہ کیا جائے، چاہے مقابلے کی یہ صورت ہو کہ دشمن نے ہم پر حملہ کردیا اور ہم اس کے حملے کا دفاع کررہے ہیں یا ہم خود کسی دشمن پر جاکر حملہ آور ہورہے ہیں۔ دونوں صورتیں جہاد میں داخل ہیں اور یہ دونوں صورتیں مشروع ہیں۔

عیسائیوں کو شکست فاش

آپ کو معلوم ہے کہ ایک عرصہ دراز تک عیسائی دنیا مسلمانوں سے بر سرِ پیکار رہی ہے۔ جب مسلمان عرب سے باہر نکلے تو ان کا سب سے پہلا مقابلہ قیصر روم سے ہوا، اور روم کی سلطنت کو مسلمانوں کے ہاتھوں بڑا نقصان پہنچا، جس کے نتیجے میں یہ عیسائی مسلمانوں کے دشمن ہوگئے اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی اور عماد الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہم ان سب نے عیسائیوں کو مار مار کر ان کو شکست دی۔

صلیبی جنگیں

ہمارے ہاں "جہاد" ایک عبادت ہے۔ اور جہاد میں شہید ہونے یا اس جہاد میں شریک ہونے پر قرآن و حدیث میں اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس عظیم اجر و ثواب کے حصول کے لئے مسلمان عیسائیوں سے مقابلے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ لیکن عیسائیوں کے ہاں جہاد کی کوئی عبادت نہیں تھی بلکہ ان کے ہاں انجیل میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم اپنا دوسرا گال بھی اس کے سامنے پیش کردو۔ اس لئے ان کے مذہب میں جہاد اور لڑائی کا کوئی تصور نہیں تھا لیکن جب مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ پیش آیا تو انہوں نے بھی اپنے یہاں جہاد کے مقابلے میں "کروسیڈ" یعنی "صلیبی جنگ" اور "مقدس جنگ" کی اصطلاح مقرر کرلی۔ چنانچہ عیسائیوں کے مذہبی رہنما "پوپ" نے عیسائی دنیا میں یہ اعلان کرایا کہ اب تک تو ہم یہ کہتے رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال پیش کردو لیکن اب مسلمانوں کے مقابلے میں جو جنگ لڑیں گے وہ بھی مذہبی اور مقدس جنگ ہوگی اور ساتھ اس نے یہ اعلان کردیا کہ جو شخص اس جنگ میں شرکت کرے گا وہ تو مقدس ہوگا ہی، لیکن اگر کوئی شخص اس جنگ میں چندہ دے گا تو چندے کی صندوقچی میں اس کا سکہ گرنے سے پہلے وہ جنت کا مستحق ہوجائے گا۔ اس قسم کے اعلانات کے بعد صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور عرصہ دراز تک انہوں نے مسلمانوں پر حملے کئے۔ لیکن کبھی کھلے میدان میں انہوں نے نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ جب کبھی مقابلے پر آئے تو ہمیشہ شکست کھائی۔

بایزید یلدرم کا عجیب واقعہ

انہی صلیبی جنگوں کے زمانے کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ترکی کا ایک بادشاہ بایزید یلدرم تھا۔ ترکی زبان میں یلدرم "صاعقہ اور بجلی" کو کہتے ہیں اور وہ واقعی دشمنوں کے لئے صاعقہ، آسمانی سے کم نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس پر یورپ کی ساٹھ ریاستوں نے متحد ہو کر حملہ کر دیا اور جن ساٹھ ریاستوں نے حملہ کیا تھا ہر ریاست کے بادشاہ نے اس جنگ میں اپنا شہزادہ بھیجا تھا، گویا یورپ کے ساٹھ شہزادے اپنا اپنا لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آئے اور بایزید یلدرم پر حملہ کر دیا۔ بایزید یلدرم نے نہ صرف یہ کہ ان کو شکست دی بلکہ ساٹھوں شہزادوں کو زندہ قید کر لیا اور پھر ان شہزادوں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ خیموں میں رکھا۔ چند روز کے بعد ان کو بلا کر پوچھا کہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی قید میں ہیں۔ آپ فاتح ہیں ہم مفتوح ہیں، آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں، چاہیں قتل کریں، چاہیں غلام بنالیں۔ بایزید یلدرم نے کہا کہ میں تمہیں ایک شرط پر چھوڑ دوں گا، وہ شرط یہ ہے کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم سب اپنے وطن واپس جا کر پورے سال جنگ کی تیاری کرو گے اور پھر آئندہ سال تم سب دوبارہ مجھ پر حملہ کرو گے۔ اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تم کو چھوڑتا ہوں، ورنہ نہیں چھوڑوں گا۔

بایزید یلدرم کی گرفتاری اور انتقال

یہ ایسا مجاہد آدمی تھا اور اس نے یورپ کے عیسائیوں کے دانت کھٹے کر رکھے تھے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے بہت مؤثر طریقے سے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے محاصرہ ڈال دیا تھا اور قریب تھا کہ یہ قسطنطنیہ فتح کر لے لیکن پیچھے سے تیمور لنگ آگیا جس کے نتیجے میں اس کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھانا پڑا اور تیمور لنگ نے حملہ کر کے بایزید یلدرم کو شکست دی اور اس کو گرفتار کر کے پنجرے میں بند کر کے لے گیا اور بالآخر اسی پنجرے میں بایزید کا انتقال ہو گیا۔

مسلمانوں نے میدان جنگ میں کبھی شکست نہیں کھائی

بہرحال، ان صلیبی جنگوں کے نتیجے میں ان عیسائیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں بہت مار کھائی اور بہت نقصان اٹھایا۔ اس کے نتیجے میں ان کو مسلمانوں سے زبردست دشمنی پیدا ہو گئی اور چونکہ صلیبی جنگوں میں تو ان کو کامیابی نہیں ہوئی تھی، بلکہ بعد میں اپنے مکر و فریب اور سازشوں کے ذریعہ عالم

اسلام پر قابض ہوئے، اور انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ میدان جنگ میں تو مسلمانوں کو شکست دینا مشکل ہے۔ اس لئے انہوں نے دوسرے طریقے سے مسلمانوں کو شکست دینے کی کوشش کی اور مسلمانوں میں جو تعلیمی نظام جاری کیا اس کے اندر اپنے افکار داخل کئے۔

کیا اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے؟

اس موقع پر انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمانوں میں جہاد اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی بزور شمشیر مسلمان بنایا جائے کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ تمہیں مار دیں گے۔ اور یہ جہاد درحقیقت اسلام کو پھیلانے کے لئے ایک زبردستی کا ذریعہ ہے۔ اور اسی بات کو یہ کہہ کر تعبیر کیا گیا کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" ورنہ عقیدے کو مان کر لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔

حالانکہ اس پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں، اس لئے کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے لاإكراه في الدين دوسری جگہ فرمایا ومن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر[1] اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر جہاد کا منشا لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا ہوتا تو پھر جزیہ ادا کرنے اور غلام بنانے کی شق کیوں ہوتی؟ کہ اگر تم مسلمان نہیں ہوتے تو جزیہ ادا کرو، اس صورت میں بھی ہم تم سے لڑائی نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جزیہ ادا کرنے کی شق خود یہ ظاہر کر رہی ہے کہ جہاد کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود نہیں۔ اور مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ مسلمانوں نے کسی علاقے کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کیا ہو بلکہ ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی گئی، جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اسی دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان کو بھی وہی حقوق دیئے گئے جو ایک مسلمان کو دیئے گئے۔ اس لئے یہ کہنا کہ تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلا، یا یہ کہنا کہ جہاد کا مقصد زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

جہاد کا مقصد کیا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر جہاد کا مقصد کیا ہے؟ خوب سمجھ لیں۔ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت کو توڑا جائے اور اسلام کی شوکت قائم کی جائے اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے۔ جس کا مطلب

(۱) سورۃ الکہف : ۲۹۔

یہ ہے کہ ہم اس بات کو تو برداشت کرلیں گے کہ اگر تم اسلام نہیں لاتے ٹھیک ہے اسلام قبول نہ کرو، تم جانو اور تمہارا اللہ جانے۔ آخرت میں تم سزا بھگتنا۔ لیکن تم اپنے کفراور ظلم کے قوانین کو اللہ کی زمین پر نافذ کرو اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بناؤ اور ان کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناؤ اور ان پر ایسے قوانین نافذ کرو جو اللہ کے قوانین کے خلاف ہیں اور جن قوانین کے ذریعہ فساد پھیلتا ہے۔ تو اس کی ہم تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔ لہٰذا یا تو تم اسلام لے آؤ اور اگر اسلام نہیں لاتے تو پھر اپنے دین پر رہو لیکن جزیہ ادا کرو۔ اور جزیہ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اور ہمارے قانون کی بالادستی تسلیم کرو۔ اس لئے کہ جو قانون تم نے جاری کیا ہوا ہے وہ بندوں کو بندوں کا غلام بنانے والا قانون ہے۔ ہم ایسے قانون کو جاری نہیں رہنے دیں گے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہوگا اور اللہ ہی کا کلمہ بلند ہوگا۔ یہ ہے جہاد کا مقصود۔

یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا؟

اکبر الٰہ آبادی مشہور شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے اہل مغرب کے اعتراضات کے جواب میں بڑے اچھے اچھے شعر کہے ہیں۔ اہل مغرب یہ جو اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، اس پر انہوں نے ایک قطعہ کہا ہے کہ:

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے
غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

یعنی یہ تو اعتراض کرتے رہے کہ تیغ سے اسلام پھیلا لیکن تم نے توپ سے دنیا میں کیا پھیلایا اس کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ تم نے دنیا میں بداخلاقی، فحاشی، عریانی توپ کے بل بوتے پر پھیلائی۔ اگر بالفرض اسلام تلوار ہی سے پھیلا تو اس کے ذریعہ نیکی اور تقویٰ، عفت و عصمت ہی پھیلائی اور تم نے تو فحاشی اور عریانی ہی پھیلائی۔

متجددین کے نزدیک جہاد صرف دفاعی ہے

لیکن ہمارے ہاں انگریزوں کے تسلط کے وقت سے ایک ایسا طبقہ موجود رہا ہے کہ جب کبھی اہل

مغرب نے اسلام پر یا مسلمانوں پر کوئی اعتراض کیا تو اس کے جواب میں وہ طبقہ اہل مغرب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ حضور! آپ کو غلط فہمی ہوئی، ہمارے دین میں یہ بات نہیں ہے، اور اس پر وہ معذرت خواہی کا انداز اختیار کرتا ہے۔

چنانچہ جس وقت اہل مغرب کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ ہوا اور یہ شور مچا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے تو اس خاص طبقے نے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہنا شروع کردیا کہ اسلام میں جو جہاد مشروع ہے وہ درحقیقت صرف مدافعت کے لئے ہے یعنی جب کوئی دشمن ہم پر حملہ آور ہوجائے تو ہم اپنے دفاع کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ باقی ابتداءً کس قوم پر حملہ کرنا، یہ ہمارے اسلام میں مشروع نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر دوسرا ہم پر حملہ آور ہوگا تو ہم ماریں گے لیکن اگر دوسرا ہم پر حملہ آور نہیں ہے تو اس صورت میں دوسرے پر جہاد کرنے اور حملہ کرنے کو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ گویا کہ جہاد مدافعت جائز ہے، جہاد ابتداء مشروع اور جائز نہیں۔

اور اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات سے غلط استدلال شروع کردیا مثلاً یہ آیت پیش کی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا[1] کہ دیکھو اس میں یہ کہا جارہا ہے کہ جن کے ساتھ دوسرے لوگ قتال کریں اور ان پر ظلم کریں تو ان کے لئے قتال اور جہاد کی اجازت ہے، دوسرے لوگوں کو قتال اور جہاد کی اجازت نہیں۔ اسی طرح یہ آیت پیش کی قاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم[2] یعنی اللہ کی راہ میں تم ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کریں۔ ان آیات میں ابتداءً حملہ کرنے اور جہاد کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ لہٰذا ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "جہاد" درحقیقت مدافعت کے لئے مشروع ہوا کہ جب مشرکین تم پر حملہ کریں یا ظلم کریں اس کے جواب میں تم جہاد اور قتال کرو، لیکن اگر مشرکین تم پر حملہ نہ کریں یا تم پر ظلم نہ کریں تو پھر جہاد کی اجازت نہیں۔

(۱) سورۃ الحج : ۳۹۔
(۲) سورۃ البقرۃ : ۱۹۰۔

جہاد کے احکام تدریجاً آئے ہیں

لیکن یہ ایک ایسا قول ہے جس کو چودہ سو سال سے آج تک فقہاء اُمت میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا کہ جہاد مدافعت کے طور پر جائز ہے، ابتداءً جہاد کرنا جائز نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جہاد کے احکام تدریجاً کئی مرحلوں میں آئے ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ مکی زندگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے سے بالکل منع کردیا گیا تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ صبر کرو، اور یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص تمہیں تکلیف پہنچارہا ہے تو اس کے جواب میں تم کوئی

کارروائی نہ کرو۔ اور اس وقت مکی زندگی میں کسی بھی قسم کا جہاد مشروع نہیں ہوا تھا۔ پھر دوسرا مرحلہ آیا جس میں جہاد کی اجازت دے دی گئی لیکن جہاد ان پر فرض نہیں کیا گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا اس آیت میں جہاد اور قتال کی اجازت دی گئی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب دوسرا شخص تم پر ظلم کرے یا قتال کرے، اس کے جواب میں تمہارے لئے قتال کی اجازت ہے۔

ابتداءً جہاد بھی جائز ہے

پھر تیسرا مرحلہ آیا جس میں مدافعت کے لئے جہاد کی اجازت دی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کریں۔ پھر چوتھے مرحلے میں یہ حکم آیا کہ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم اس آیت کے ذریعہ یہ حکم دے دیا کہ اب ابتداءً بھی قتال کرنا ہے، اب صرف دفاع کی حد تک قتال محدود نہیں۔ اس کے بعد سورہ توبہ کی یہ آیات جہاد نازل ہوئیں فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوالھم کل مرصد[2] تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام لوگوں کو پہنچایا کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے ہیں، ان کو معاہدوں کی حد تک مہلت دیتے ہیں اور جن کے ساتھ معاہدے نہیں ہیں ان کو چار مہینے کی مہلت دیتے ہیں۔ وہ لوگ چار مہینے کے اندر جزیرہ عرب خالی کردیں ورنہ ان سے اعلان جنگ ہے۔ بہرحال، ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ابتدائی جہاد بھی جائز ہوگیا۔ اب اگر کوئی شخص ابتدائے اسلام میں نازل ہونے والی آیات لے کر یہ فیصلہ کردے کہ جہاد تو جائز ہی نہیں ہے، مسلمانوں کو تو صبر کا حکم ہے کہ جب مشرکین تکلیف پہنچائیں تو صبر کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص صرف مدافعت والی آیات لے کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ مسلمانوں کے لئے مدافعت کرنا تو جائز ہے، ابتدائی جہاد کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی درست نہیں ہے، بالکل غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتداءً جہاد جائز ہے۔

دیندار حلقوں میں ایک اور غلط فہمی اور اس کا جواب

یہ تو ان متجددین کے قول کا تفصیلی جواب تھا جو اہل مغرب سے مرعوب ہو کر یہ کہتے ہیں کہ

(۱) البقرۃ: ۱۹۰۔　(۲) التوبۃ: ٦٦۔

اسلام میں صرف مدافعتی جہاد ہے۔ ابتداءً جہاد جائز نہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور غلط فہمی ان متجددین کے علاوہ اچھے خاصے دیندار حلقوں میں بھی پائی جاتی ہے اور اب وہ غلط فہمی رفتہ رفتہ بہت پھیل رہی ہے اور ہماری تبلیغی جماعت کے حضرات بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کی بھی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

وہ غلط فہمی یہ ہے کہ جہاد صرف اس وقت اور اس قوم سے مشروع ہے جب کوئی قوم دعوت کے راستے میں آڑے آئے اور رکاوٹ بنے۔ گویا کہ اصل مقصود "دعوت" ہے اور اس دعوت کے پھیلانے کے راستے میں اگر کوئی ملک آڑے آئے اور اپنے ملک میں دعوت و تبلیغ کی اجازت نہ دے تب جہاد مشروع ہے، لیکن اگر کوئی ملک اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہمارے یہاں آکر دعوت کا کام کرو، تبلیغ کرو تو پھر ان کے ساتھ جہاد مشروع نہیں۔ یہ وہ بات ہے جس کو پہلے صرف متجددین کہا کرتے تھے، اب اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار حضرات اور تبلیغی جماعت کے حضرات نے بھی کہنی شروع کردی ہے۔ اور اب سے پہلے تو لوگوں سے صرف زبانی سنا تھا۔ لیکن باقاعدہ اس بارے میں تحریر دیکھ لی ہے، تب یہ بات کہہ رہا ہوں۔ یہ بات جہاد کی حقیقت نہ سمجھنے کے نتیجے میں کہی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صرف اتنی بات کہ کسی کافر حکومت نے اپنے ملک میں ہمیں تبلیغ کی اجازت دے دی ہے اس لئے اب ہمیں اس کے خلاف جہاد نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اس لئے کہ محض تبلیغ کی اجازت دے دینے سے جہاد کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جہاد کا مقصد کفر کی شوکت کو توڑنا ہے اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنا ہے، اور جب تک کفر کی شوکت برقرار رہے گی اس وقت تک حق کو قبول کرنے کے لئے لوگوں کے دل و دماغ نہیں کھلیں گے۔ اس لئے کہ یہ اصول ہے کہ جب کسی قوم کی سیاسی طاقت اور اس کا اقتدار لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہوتا ہے، اس قوم کی بات لوگوں کو جلدی سمجھ میں آجاتی ہے اور اس کے مخالف بات لوگوں کے دلوں میں آسانی سے نہیں اترتی۔ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ آج مغربی دنیا کی بالکل بدیہی البطلان بات لوگ نہ صرف یہ کہ سنتے ہیں بلکہ اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ آج دنیا میں ان کا سکہ چلا ہوا ہے، ان کا اقتدار ہے، ان کے افکار دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر ان حالات میں کسی مغربی ملک میں تبلیغی جماعت چلی گئی اور اس ملک نے ان کو ویزا دے دیا اور تبلیغ کی اجازت دے دی تو صرف اتنی بات سے جہاد کا مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ان کی شوکت نہ ٹوٹے اور جب تک ان کا اقتدار ختم نہ ہو اور جب تک لوگوں کے دلوں پر

چھایا ہوا رعب ختم نہ ہو۔ اور یہ شوکت، یہ اقتدار، یہ رعب اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اگر کسی ملک نے تبلیغ کی اجازت دے دی تو اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی اور اب جہاد کا مقصود حاصل ہوگیا، تو یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

مطلق جہاد کا منکر کافر ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد یا جماعت جہاد کی ابتدائی فرضیت سے انکار کردے جبکہ وہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور وہ جماعت صرف دفاعی جہاد کی قائل ہو، تو شریعت میں ایسی جماعت کی کیا حیثیت ہے؟ کیا ایسی جماعت کی طرف کفر یا ضلالت کی نسبت کرنا درست ہے؟

یہ تو میں نے عرض کردیا کہ یہ نقطہ نظر بالکل غلط ہے کہ جہاد صرف دفاع کے لئے مشروع ہوا ہے، لیکن جو شخص یا جماعت اس نقطہ نظر کی قائل ہو اس پر کفر کا فتویٰ لگانا بھی مشکل ہے۔ اس لئے کہ تکفیر ایک ایسی چیز ہے جس میں بہت احتیاط لازم ہے، اس لئے جو شخص یا جماعت مطلق جہاد کی منکر ہو اس پر بے شک کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا، کیونکہ جہاد کی مشروعیت ضروریات دین میں سے ہے، لیکن جو شخص یا جماعت دفاعی جہاد کی قائل ہے اور ابتدائی جہاد کی مشروعیت سے انکار کرتی ہے تو وہ جماعت مأول ہے (تاویل کرنے والی ہے) اور مأول کو کافر نہیں کہا جاتا۔ اس لئے اس جماعت کو کافر نہیں کہیں گے۔ البتہ یہ نقطہ نظر بالکل غلط اور باطل ہے اور یہ صرف اجتہادی اختلاف نہیں ہے بلکہ حق و باطل کا اختلاف ہے، اور ابتدائی جہاد سے انکار کرنے والے کو یہ کہا جائے گا کہ یہ باطل پر ہے، حق پر نہیں ہے لیکن کفر کا فتویٰ نہیں لگائیں گے۔

اسلام پر خونخوار مذہب ہونے کا الزام کیوں؟

ایک صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ اہل مغرب نے جہاد کے حوالے سے اسلام پر سب سے بڑا بہتان یہ تراشا ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے۔ یہ اشکال اور بہتان اس وقت پیدا ہونا چاہئے تھا جب مسلمانوں نے جہاد کے ذریعہ دنیا میں ایک تہلکہ برپا کر رکھا تھا اور اس وقت فی الواقع دنیا کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کے فاتحانہ اقدامات شاید کسی خونریز تعلیم کا نتیجہ ہوں۔ لیکن آج جب مسلمان ہر اعتبار سے مغلوب اور روبہ انحطاط ہیں ایسے وقت میں اس بہتان تراشی کے پیچھے لادین عناصر کا کون سا جذبہ کارفرما ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں، لیکن مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ذرا ابھرنے کا موقع دیا اور ان میں اتحاد پیدا ہوا تو اس کے نتیجے میں انہوں نے دشمنوں کا ناک میں دم کردیا اور ان کے عزائم کو چلنے نہیں دیا۔ جو طاقتیں اس وقت دنیا پر غالب ہیں وہ اگرچہ یہ دیکھ رہی ہیں کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں، لیکن ان کو ڈراؤنے خواب آتے رہتے ہیں کہ یہ سویا ہوا شیر اگر کسی وقت بیدار ہوگیا تو یہ ہمیں تباہ کردے گا۔ ان مغربی طاقتوں نے اگرچہ مسلمانوں کو دبا رکھا ہے لیکن ان کے دبانے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک لطیفہ ہے کہ ایک کمزور آدمی نے کچھ داؤ پیچ کے ذریعہ ایک پہلوان کو گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو کر بیٹھ گیا اور اوپر بیٹھ کر رونے لگا، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ اب یہ پہلوان اٹھ کر مجھے مارے گا، اس کے تصور سے رو رہا ہوں۔ بس یہی حال ان اہل مغرب کا ہے، طاقت کے بل بوتے پر تو یہ مسلمانوں کو نہیں گرا سکے لیکن داؤ پیچ کے ذریعہ اس طرح گرادیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیا، ان کے اندر فرقہ بندیاں کردیں، اور اس سازش میں لگے ہوئے ہیں کہ ان کے درمیان اتحاد نہ ہونے پائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ اہل مغرب اس بات سے پریشان بھی ہیں کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کو ہوش آگیا اور یہ متحد ہوگئے تو اس وقت ہمارا حشر خراب کردیں گے۔

جہاد کے لئے تین شرطیں

ایک طالب علم نے یہ سوال کیا ہے کہ عہد نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ ان میں جہاد بالمعنی الاصطلاحی موجود نہیں تھا۔ صبر اور مجاہدہ نفس کے بعد جب صحابہ کرام کے اعمال و اخلاق صیقل ہوگئے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں جہاد و قتال کا سلسلہ شروع ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمان چونکہ تزکیہ نفس کے اس معیار پر نہیں اتریں گے، لہٰذا ایسی حالت میں جہاد سے پہلے اصلاح نفس پر توجہ دینی چاہئے۔

یہ بہت اچھا سوال کیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جہاد ابتدائی جو مشروع ہے وہ اصولی اعتبار سے ہے، لیکن اس جہاد ابتدائی کی کچھ شرائط ہیں۔ جب تک وہ شرائط نہ پائی جائیں اس وقت تک وہ جہاد نہ صرف یہ کہ مشروع نہیں بلکہ مضر بھی ہوسکتا ہے۔ ان شرائط میں یہ شرط بھی داخل ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو، فی سبیل النفس نہ ہو۔ یعنی مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہو اور اللہ کے دین کی سربلندی ہو، لیکن اگر کوئی شخص اس لئے جہاد کررہا ہے تاکہ میری شہرت ہوجائے، مجھے لوگ مجاہد

اور بہادر کہیں اور میری تعریف ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے بلکہ فی سبیل النفس ہے۔ اس لئے جہاد کی ایک ناگزیر شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی اصلاح کئے ہوئے ہو۔ اصلاح نفس کے بعد اگر جہاد کرے گا تو وہ جہاد فی سبیل اللہ ہو گا۔

جہاد شرعی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کا ایک امیر ہو اور اس امیر پر سب لوگ متفق ہوں۔ اگر ایک متفقہ امیر نہیں ہو گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جہاد کے بعد آپس ہی میں لڑائی شروع ہو جائے گی۔ جیسے آج افغانستان میں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ امیر نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کے نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔ اس لئے ایک متفقہ امیر کا ہونا ضروری ہے۔

جہاد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جہاد کرنے اور لڑنے کی قوت بھی ہو کیونکہ قوت کے بغیر جہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود اپنا سر پھوڑ لینا۔ اس لئے قوت کے حصول کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا جب تک یہ تین چیزیں موجود ہیں اس قوت تک جہاد یہی ہے کہ ان تین چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یعنی اصلاح نفس بھی ہو، امیر کو تلاش کیا جائے اور قوت کو جمع کیا جائے جب یہ تین چیزیں پائی جائیں اس کے بعد جہاد شروع کیا جائے۔

جہاد کے بارے میں تبلیغی جماعت کا موقف

ایک طالب علم نے سوال کیا ہے کہ تبلیغی جماعت کی کون سی کتاب یا تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاد کی ابتدائی فرضیت سے انکار کرتے ہیں؟ کیا علماء کرام نے تبلیغی جماعت کے علماء اور امراء کو اس بات پر متنبہ کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے مختلف حضرات کی طرف سے لوگ میرے پاس آکر بہت کچھ نقل کرتے رہتے تھے کہ تبلیغی جماعت کے فلاں صاحب نے تقریر میں یہ کہا، اور یہ کہا کہ اس وقت جہاں کہیں جہاد ہو رہا ہے، چاہے وہ کشمیر ہو، یا بوسنیا ہو وہ جہاد شرعی نہیں ہے، اصل چیز تو دعوت ہے۔ اس قسم کی باتیں لوگ میرے پاس آکر نقل کرتے تھے لیکن چونکہ نقل کے اندر غلطی اور غلط فہمی کا امکان رہتا ہے جب تک خود براہ راست نہ سن لیا جائے۔ اس لئے ان باتوں کو میں نے کبھی جماعت یا جماعت کے بزرگوں کی طرف منسوب نہیں کیا، لیکن جماعت کے بزرگوں سے جب کبھی ملاقات کا موقع ملا، ان کو ان باتوں کی طرف متنبہ ضرور کیا کہ یہ باتیں سننے میں آتی رہتی ہیں، آپ حضرات تحقیق کریں۔ اگر یہ باتیں صحیح ثابت ہوں تو ان کا سدباب کریں۔

لیکن اب جماعت کے ایک سرکردہ اور بڑے مقتدر بزرگ جن کا میں بہت احترام کرتا ہوں، ان

کا ایک خط پڑھنے کا اتفاق ہوا جو انہوں نے ایک صاحب کے نام لکھا تھا، جن کے نام وہ خط تھا انہوں نے وہ خط مجھے بھیج دیا۔ اس خط کے اندر تحریر کا سارا رخ اس طرف ہے کہ گویا اس وقت جہاد کی طرف توجہ کرنا یا جہاد کی بات کرنا، جہاد کے بارے میں سوچنا یا جہاد کے بارے میں کوئی اقدام کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ جہاد تو اصل میں دعوت کے لئے ہے۔ اگر دعوت کی آزادی ہو تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ جہاد کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ مضر ہے۔ ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے لیکن رفتہ رفتہ علماء کی سمجھ میں بھی آجائے گی۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جو باتیں تبلیغی جماعت کے حضرات کی طرف منسوب کر کے نقل کی گئی ہیں وہ اتنی بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ یہ فکر رفتہ رفتہ پیدا ہورہی ہے۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر خاموش رہا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پھر ہم نے جماعت کے ان حضرات سے زبانی گزارش بھی کی جن سے رابطے ہیں اور بڑوں تک یہ بات پہنچانے کا اہتمام کیا کہ یہ بات جو پیدا ہورہی ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ یہ خط میرے پاس موجود ہے اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

تبلیغی جماعت اور دین کی عظیم خدمت

الحمدللہ، ان باتوں کو بیان کرنے کا منشاء اصلاح ہی ہے۔ تبلیغی جماعت تنہا ایک ایسی جماعت ہے جس کے کام سے الحمدللہ دل ہمیشہ خوش ہوتا ہے اور اس جماعت نے ایسی بڑی عظیم خدمت انجام دی ہے جو کسی اور جماعت نے انجام نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ذریعہ دین کا کلمہ کہاں سے کہاں پہنچایا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ ان کے اخلاص اور ان کے سچے جذبے نے اس جماعت کو اب تک باقی رکھا ہوا ہے، اور اس جماعت کے پیغام اور دعوت کو اللہ تعالیٰ نے چار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے۔

تعاون اور تنبیہ دونوں کی ضرورت ہے

لیکن ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی بھی جماعت کا پھیل جانا اور اس کے پیغام کا دور دور تک پہنچ جانا اگر صحیح طریقے سے ہو تو یہ قابل خیر مقدم ہے اور اس صورت میں اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اس جماعت میں خرابیاں پیدا ہورہی ہیں یا اس کے اندر غلط فکر

پیدا ہورہی ہے تو پھر تعاون کے ساتھ ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بہترین جماعت جس سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا، کہیں غلط راستے پر نہ پڑ جائے۔ بالخصوص ایسے وقت میں متنبہ کرنا اور زیادہ ضروری ہوجاتا ہے جبکہ اس کی قیادت پختہ اہل علم کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس جماعت میں زیادہ عنصر عوام کا ہے جو پورا علم نہیں رکھتے، اور اس جماعت کے اندر جو علماء شامل ہیں ان علماء کا مشغلہ علم نہیں ہے۔ اس لئے کہ علماء کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض علماء وہ ہوتے ہیں جن کا مشغلہ درس و تدریس اور فتویٰ نویسی ہوتا ہے۔ اس قسم کے علماء کو علم سے مناسبت رہتی ہے۔ اور دوسرے علماء وہ ہیں جن کا مشغلہ درس و تدریس اور فتویٰ وغیرہ نہیں رہتا، ان حضرات علماء کے پاس الحمدللہ علم تو ہے لیکن اس علم کو صیقل نہیں کیا گیا، اس لئے ایسے علماء کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

میں آپ کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوگئے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں دیوبند سے دہلی کسی کام سے تشریف لے گئے۔ دہلی میں آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی عیادت کے لئے نظام الدین تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ معالجین نے ملاقات کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب نے وہاں پر موجود لوگوں سے عرض کردیا کہ میں تو عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا، حالات معلوم ہوگئے۔ اور معالجین نے چونکہ ملاقات سے منع کیا ہوا ہے اس لئے ملاقات کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس جب حضرت کی طبیعت ٹھیک ہو تو حضرت کو بتادیں کہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا اور میرا سلام عرض کردیں۔ یہ کہہ کر حضرت والد صاحب رخصت ہوگئے۔

کسی نے اندر جاکر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بتادیا کہ حضرت مفتی صاحب آئے تھے۔ حضرت مولانا نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ مفتی صاحب کو بلا کر لائیں۔ جب وہ شخص حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ حضرت مولانا آپ کو بلا رہے ہیں تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ معالجین نے ملاقات سے منع کیا ہوا ہے، ایسے میں ملاقات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت مولانا نے سختی سے حکم دیا ہے کہ ان کو بلا کر لاؤ۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں ان صاحب کے ساتھ واپس گیا اور حضرت کے پاس جاکر بیٹھا

اور آپ کی مزاج پرسی کی، تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بے ساختہ روپڑے اور زار و قطار رونا شروع کردیا۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ بہرحال، اس وقت تکلیف اور بیماری میں ہیں، اس کا طبیعت پر تاثر ہے۔ اس لئے میں نے تسلی کے کچھ کلمات کہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے فرمایا کہ میں تکلیف اور بیماری کی وجہ سے نہیں رورہا ہوں۔

مجھے اس وقت دو فکریں اور دو اندیشے لاحق ہیں

بلکہ میں اس لئے رورہا ہوں کہ مجھے اس وقت دو فکریں اور دو اندیشے لاحق ہیں اور انہی کی وجہ سے میں پریشان ہوں اور اسی وجہ سے رونا آرہا ہے۔ حضرت والد صاحب نے پوچھا کہ کونسی فکریں لاحق ہیں؟ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی بات یہ ہے کہ جماعت کا کام اب روز بروز پھیل رہا ہے۔ الحمدللہ اس کے نتائج اچھے نظر آرہے ہیں اور لوگ جوق در جوق جماعت کے اندر آرہے ہیں۔ اب مجھے ڈر یہ لگتا ہے کہ جماعت کی یہ کامیابی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہو؟ استدراج اسے کہتے ہیں کہ کسی باطل آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دے دی جاتی ہے اور اس کو ظاہری کامیابیاں حاصل ہوجاتی ہیں اور حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام نہیں ہوتا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کس مقام کے بزرگ تھے کہ ان کو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ یہ کہیں استدراج تو نہیں ہے۔

یہ استدراج نہیں ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت! آپ کو میں اطمینان دلا سکتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ استدراج نہیں ہے؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی کے ساتھ استدراج کا معاملہ ہوتا ہے تو اس شخص کے دل و دماغ پر یہ واہمہ بھی نہیں گزرتا کہ یہ استدراج ہے اور اس کو استدراج کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔ اور آپ کو چونکہ استدراج کا شبہ ہورہا ہے، تو یہ شبہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ استدراج نہیں ہے، اگر یہ استدراج ہوتا تو کبھی

آپ کے دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے میں آپ کو اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے بلکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت ہے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میرا یہ جواب سن کر حضرت مولانا کے چہرے پر بشاشت آگئی کہ الحمدللہ تمہاری اس بات سے مجھے بڑا اطمینان ہوا۔

دوسری فکر

پھر حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے دوسری فکر یہ لاحق ہے کہ اس جماعت میں عوام بہت کثرت سے آرہے ہیں، اور اہل علم کی تعداد کم ہے، مجھے اندیشہ یہ ہے کہ جب عوام کے ہاتھ میں قیادت آتی ہے تو بعض اوقات آگے چل کر وہ اس کام کو غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جماعت کسی غلط راستے پر نہ پڑ جائے اور اس کا وبال میرے سر پر آجائے۔ اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ اہل علم کثرت سے اس جماعت میں داخل ہوں اور وہ اس جماعت کی قیادت سنبھالیں۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ آپ کی یہ فکر بالکل صحیح ہے لیکن آپ نے تو نیک نیتی سے اور صحیح طریقے پر کام شروع کیا ہے، اگر آگے چل کر اس کو کوئی خراب کردے تو انشاء اللہ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بہرحال یہ بات صحیح ہے کہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ آگے آئیں اور اس کی قیادت سنبھالیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار سنا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا کیا عالم تھا اور ان کے جذبات کیا تھے۔

تبلیغی جماعت کی مخالفت ہرگز جائز نہیں

لیکن اب واقعۃً صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ قیادت زیادہ تر ایسے حضرات کے ہاتھ میں ہے جو علم میں رسوخ نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ سے بعض اوقات کچھ بے اعتدالیاں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ان بے اعتدالیوں کے نتیجے میں جماعت کی مخالفت ہرگز جائز نہیں۔ اس لئے کہ بحیثیت مجموعی الحمدللہ جماعت نے بہت بہترین کام کیا ہے اور اب بھی اچھا کام کررہی ہے۔ لہٰذا اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور جتنا ہو سکے اہل علم کو اس جماعت کے اندر شامل ہونا چاہئے اور اس کے

ساتھ تعاون کا سلسلہ برقرار رکھنا چاہئے۔

لیکن ساتھ ساتھ اہل علم کے داخل ہونے کا یہ فائدہ ہونا چاہئے کہ جو بے اعتدالیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا سدباب ہو۔ لہٰذا جو اہل علم جائیں وہ یہ فکر اور سوچ لے کر جائیں کہ ہم ایک مقصد سے جارہے ہیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ حتی الامکان اس مبارک جماعت کو غلط راستے پر پڑنے سے روکیں، یہ نہ ہو کہ اہل علم خود بھی جماعت کے بہاؤ میں بہہ جائیں۔

تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیاں

مثلاً ایک اہم بے اعتدالی یہ ہے کہ پہلے یہ ہوتا تھا کہ فتویٰ کے معاملے میں تبلیغی جماعت کے حضرات اور ان سے منسلک عوام اہل افتاء کی طرف رجوع کرتے تھے، لیکن اب وہاں فتویٰ دینے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے، اور مسائل میں عام فقہاء اُمت سے اختلاف کا ایک رجحان پیدا ہونے لگا ہے۔ اور بعض حضرات تفریق کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ مثلاً یہ بات چل پڑی ہے کہ اب تبلیغ کرنے والے کو اس مفتی سے فتویٰ پوچھنا چاہئے جو تبلیغ میں لگا ہوا ہو، دوسرے علماء سے پوچھنا ٹھیک نہیں۔

اور بعض اوقات امراء جماعت ایسے فیصلے کرلیتے ہیں جو شریعت کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ بات کہ تبلیغ و دعوت فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے؟ اس بارے میں باقاعدہ ایک موقف اختیار کرلیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت نہ صرف یہ کہ فرض عین ہے بلکہ اس خاص طریقے سے کرنا فرض عین ہے، جو شخص اس خاص طریقے سے نہ کرے وہ فرض عین کا تارک ہے۔ یہ بھی بہت بے اعتدالی کی بات ہے۔ اسی طرح جہاد کے بارے میں بھی بے اعتدالیاں سننے میں آتی رہتی ہیں۔

طلبہ تبلیغی جماعت میں شرکت کریں

الحمدللہ، ہم تو اپنے طلبہ کو یہ ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ وہ تبلیغی جماعت میں جائیں، کیونکہ جماعت میں جانا خود اپنی اصلاح کے لئے بہت مفید ہے، اس لئے کہ نیک لوگوں کی صحبت میسر آتی ہے۔ اس کی وجہ سے اپنی کوتاہیاں دور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اصلاح نفس کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ دیکھا یہ ہے کہ یہاں مدرسے میں آٹھ سال پڑھنے سے بھی فضائل اعمال کی اتنی اہمیت دل

میں پیدا نہیں ہوتی جتنی ایک چلہ لگانے سے وہ اہمیت پیدا ہوجاتی ہے اور اعمال کی طرف توجہ ہوجاتی ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے ہم طلبہ کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اس جماعت میں وقت لگائیں۔

لیکن وقت لگانے والے طلبہ ساتھ ساتھ یہ بھی مد نظر رکھیں کہ اس جماعت میں مندرجہ بالا بے اعتدالیاں بھی پائی جاتی ہیں، ان بے اعتدالیوں سے خود متاثر ہونے کے بجائے ان کو دور کرنے کی فکر کرنی چاہئے، یہ نہ ہو کہ وہاں جاکر خود بھی بہہ گئے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگ گئے۔ ہرچہ در کان نمک رفت، نمک شد۔ یہ نہ ہونا چاہئے۔

یہ اس جماعت کی صحیح صورت حال ہے۔ اور الحمدللہ اب بھی ان بے اعتدالیوں کے باوجود بحیثیت مجموعی اس جماعت پر خیر غالب ہے اور بحیثیت مجموعی اس جماعت سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے، اور اس جماعت میں شرکت کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، لیکن ان بے اعتدالیوں کی طرف بھی نگاہ رکھنی چاہئے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی شخص ان بے اعتدالیوں پر ذرا سی تنقید کرتا ہے تو اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع ہوجاتا ہے کہ یہ شخص جماعت کا مخالف ہے، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔

آج کل کا جہاد اقدامی ہے یا دفاعی ہے؟

ایک طالب علم نے پوچھا ہے کہ آج کل جو جہاد ہو رہا ہے یہ اقدامی ہے یا دفاعی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب جہاد جو بوسنیا یا کشمیر میں ہو رہے ہیں، یہ سب حقیقت میں دفاعی جہاد ہیں۔ بوسنیا کے مسلمانوں پر خود کفار نے حملہ کر کے ان پر ظلم کیا تھا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے تو ہندوستان نے زبردستی اس پر قبضہ کیا ہوا ہے، اس لئے کہ تقسیم کے وقت یہ طے ہوگیا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہ علاقے پاکستان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ اس اصول کے اعتبار سے کشمیر پاکستان کا حصہ تھا لیکن ہندوستان نے زبردستی اس پر قبضہ کرلیا، اس لئے وہ مقبوضہ علاقہ کہلاتا ہے، اب اگر وہاں کے لوگ اپنے علاقے کو کافروں کے تسلط سے آزاد کرانا چاہ رہے ہیں تو یہ دفاعی جہاد ہے۔

ان باتوں سے غلط نتیجہ نہ نکالا جائے

تبلیغی جماعت کے بارے میں جو بات میں نے بتائی اس کو ایک تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اس لئے کہ بعض اوقات جب کوئی بات مجمع میں کہی جاتی ہے تو اس کو غلط سمجھ کر پھر غلط طریقے سے آگے نقل کردیا جاتا ہے اور نقل کرنے میں احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی، اور بعض اوقات بات کا ایک حصہ نقل کردیا جاتا ہے اور دوسرا حصہ نقل نہیں کیا جاتا، جس کے نتیجے میں اصلاح نہیں ہوتی بلکہ الٹا فساد پھیلتا ہے۔ آپ حضرات کو بتلانے کا منشا یہ ہے کہ چونکہ آپ حضرات اب درس نظامی سے فارغ ہونے والے ہیں، آپ حضرات کو ہر چیز کی حقیقت اس کے محل میں معلوم ہونی چاہئے اور اس کے مطابق اپنا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے، اس لئے یہ ساری باتیں آپ کو بتائی جارہی ہیں۔ لہٰذا اس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نہ نکالے کہ میں تبلیغی جماعت کے خلاف ہوں۔

تبلیغی جماعت معصوم نہیں

بہرحال، میں نے آپ حضرات کو کھول کر بتادیا کہ تبلیغی جماعت میں خیر غالب ہے، لہٰذا اس جماعت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ لیکن خیر غالب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ جماعت معصوم ہے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے یا کوئی بے اعتدالی نہیں ہے۔

علماء دین کے چوکیدار ہیں

اہل علم دین کے چوکیدار ہیں ہم تو طالب علم ہیں۔ اہل علم کو اللہ تعالیٰ نے دین کا چوکیدار بنایا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب سے میں نے اس قسم کی کچھ باتیں عرض کیں تو جواب میں وہ صاحب کہنے لگے کہ یہ مولوی تو اسلام کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جس چیز کے بارے میں کہہ دیں کہ یہ اسلام ہے تو وہ اسلام ہے اور جس کو یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ اسلام نہیں تو وہ اسلام میں داخل نہیں۔ میں نے ان سے جواب میں کہا کہ اسلام کا ٹھیکیدار تو کوئی نہیں بن سکتا لیکن ہم چوکیدار ضرور ہیں، اور چوکیدار کا فریضہ یہ ہے کہ اگر شہزادہ بھی دربار شاہی میں داخل ہونا چاہے اور اس کے پاس پاس نہیں ہوگا تو وہ چوکیدار اس شہزادے کو بھی روک دے گا، حالانکہ چوکیدار جانتا ہے کہ میں چوکیدار ہوں اور یہ شہزادہ ہے لیکن چوکیدار کے فرائض منصبی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ شہزادے کو روکے۔ اسی طرح ہم دین کے ٹھیکیدار نہیں البتہ چوکیدار ضرور ہیں۔ ہمارا کام جھاڑو دینا ہے۔ آپ کی تعظیم اور تکریم ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن بحیثیت چوکیدار کے ہمیں یہ بتانا ہوگا کہ آپ کا

یہ کام صحیح نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الدعوة قبل القتال

﴿عن ابی البختری ان جیشا من جیوش المسلمین کان امیرهم سلمان الفارسی حاصروا قصرا من قصور فارس فقالوا: یا ابا عبد اللّٰه الا ننهد الیهم؟ قال: دعونی ادعوهم کما سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یدعوهم فاتاهم سلمان فقال لهم: انما انا رجل منکم فارسی ترون العرب یطیعوننی فانی اسلمتم فلکم مثل الذی لنا وعلیکم مثل الذی علینا وان ابیتم الا دینکم ترکناکم علیه واعطونا الجزیة عن یدوانتم صاغرون قال ورطن الیهم بالفارسیة وانتم غیر محمودین وان ابیتم نابذناکم علی سواء قالوا: مانحن بالذی یعطی الجزیة ولکنا نقاتلکم فقالوا: یا اباعبد اللّٰه! الا ننهد الیهم قال لا قال فدعاهم ثلثة ایام الی مثل هذا ثم قال انهدوا الیهم قال: فنهدنا الیهم ففتحنا ذلک القصر﴾ (۱۹۴)

جہاد شروع کرنے سے پہلے دعوت اسلام دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرمایا ہے اور اس میں حضرت ابوالبختری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر کے امیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فارس کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ لشکر کے لوگوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، یا اباعبداللہ! (یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے)۔ کیا ہم ان کی طرف نہ اٹھیں؟ نھد، ینھد کے معنی ہیں اٹھنا، ابھرنا۔ اسی سے "ناہید" کہا جاتا ہے اس عورت کو جس کا سینہ ابھرا ہوا ہو۔ اسی وجہ سے یہ نام رکھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کیا ہم ان پر حملہ نہ کریں؟ جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں ان کو اس طرح دعوت دوں جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اہل فارس کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ دیکھو، میں تمہیں میں کا ایک فارسی ہوں اور اہل عرب میری اطاعت کررہے ہیں۔ حالانکہ عرب کا یہ

حال تھا کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلائق سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں اور کسی کی اطاعت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود یہ عرب میری اطاعت کررہے ہیں اور مجھے یہ مقام اسلام کی بدولت عطا ہوا ہے۔ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جیسے ہم کو حاصل ہیں اور تم پر وہی فرائض ہوں گے جو ہم پر ہیں۔ لیکن اگر اپنے دین پر ہی رہنا چاہتے ہو تو ہم تم کو تمہارے دین پر چھوڑ دیں گے لیکن تم چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو۔

اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے فارسی زبان میں بات کی کہ اگر یہ جزیہ تم دو گے تو ہم قبول تو کرلیں گے لیکن اس صورت میں تم قابل تعریف نہیں ہوگے۔ رطن کے معنی ہیں "بڑبڑانا" اور ایسے الفاظ زبان سے نکالنا کہ سننے والے کو پتہ نہ چلے کہ کیا بول رہا ہے۔ اہل عرب کا یہ حال تھا کہ جب کوئی غیر عرب اپنی زبان میں بات کرتا تو اس کے لئے رطن کا لفظ استعمال کرتے۔ "قال" یا "تکلم" نہیں بولتے، اس لئے کہ عربی زبان کے علاوہ ہر زبان ان کے نزدیک بڑبڑاہٹ ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم جزیہ دینے سے بھی انکار کروگے تو ہم تمہارے سامنے معاہدہ برابر سرابر پھینک دیں گے۔ یعنی پھر ہمارا تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے، جہاد اور قتال کریں گے۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ نہیں ہیں جو جزیہ ادا کریں۔ گویا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کی جو بات کی تھی اس کا تو ذکر نہیں کیا یعنی اسلام لانا تو خارج از بحث ہے اور جہاں تک جزیہ دینے کا معاملہ ہے تو ہم ایسی قوم نہیں جو جزیہ ادا کریں، لیکن ہم تم سے لڑیں گے۔ تو اہل لشکر نے پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا اب ان پر حملہ نہ کریں؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، اس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تین روز تک ان کو یہی دعوت دیتے رہے، تین دن کے بعد لشکر سے فرمایا کہ اب ان پر حملہ کردو۔ چنانچہ ہم نے ان پر حملہ کردیا اور وہ قلعہ ہم نے فتح کرلیا۔

جہاد سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حملہ کرنے سے پہلے دعوت دینا ضروری سمجھا اور تین روز تک دعوت دی، اس کے بعد حملہ کیا۔ چنانچہ فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے کہ ہر جہاد اور حملے سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ دعوت دینا

ضروری نہیں البتہ دعوت دینا مستحب ہے۔ اور بعض فقہاء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت پہنچ چکی ہے تب تو ان کو دعوت دینا ضروری نہیں، لیکن اگر ان لوگوں کو پہلے دعوت نہیں پہنچی تو پھر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینا ضروری اور واجب ہے، اس کے بغیر قتال جائز نہیں۔ جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام خطوں میں اسلام کی دعوت عام پہنچ چکی ہے کیونکہ دنیا کا کوئی آدمی اب ایسا نہیں رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے بحیثیت اجمالی واقف نہ ہو لہٰذا اب کسی بھی جگہ جہاد سے پہلے دعوت دینا شرط نہیں البتہ مستحب ہے۔ لہٰذا دعوت دیئے بغیر بھی اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جائز ہوگا، ناجائز نہیں ہوگا۔ (۱۹۵)

دعوت فرض دنیا میں ہر ایک فرد کو پہنچ چکی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جو دعوت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے وہ پہنچ چکی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلموں کو یہ پتہ لگ جائے کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے اور آپ نے توحید کی دعوت دی اور آپ یہ دین اسلام لے کر تشریف لائے تھے۔ اگر اتنی بات بھی اجمالی طور پر پہنچ گئی ہے تو دعوت کا فریضہ ادا ہوگیا۔ اب ہر ہر فرد کو الگ الگ جاکر دعوت دینا یہ کوئی فرض نہیں۔ آج کل یہ تصور مشکل ہے کہ کوئی فرد ایسا ہو جس کو اسلام کے بارے میں اجمالی دعوت نہ پہنچی ہو۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں بھی ایسا فرد نہیں تھا۔ اس لئے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہوگئی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اتنی بات تو سب جانتے تھے اس لئے وہ لوگ معذور نہیں سمجھے جائیں گے۔

تبلیغی جماعت کی ایک اور بے اعتدالی

تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں میں سے ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ ایک ایک فرد کو الگ جاکر دعوت دینا فرض سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے جاکر دعوت نہیں دی تو قیامت کے دن کفار تمہارے گریبان پکڑلیں گے۔ حالانکہ ایک ایک فرد کو الگ الگ جاکر دعوت دینا فرض نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو کافر قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑیں گے کہ تم نے ہمیں کیوں دعوت نہیں دی تھی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تقریر کے جوش میں کسی نے یہ

بات کہہ دی، ہو لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

معاشرے کی ایک خرابی

ہمارے یہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو جب تک وہ اس کام کو فرض عین قرار نہ دے دے اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا اور جب تک وہ یہ نہ کہہ دے کہ جو آدمی یہ کام نہیں کررہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا۔ اپنے اس کام کو فرض عین قرار دینا اور دوسرے کاموں پر تنقید کرنا یہ اس کام کی اہمیت اور تاکید جتلانے کے لئے لازمی سمجھا جانے لگا ہے۔ مثلاً جو شخص دعوت و تبلیغ میں لگ گیا تو اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ دعوت و تبلیغ فرض عین ہے۔ جو شخص جہاد میں لگ گیا اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ جہاد فرض عین ہے۔ جو شخص درس و تدریس اور علم سیکھنے میں لگ گیا تو اس نے اس کو فرض عین قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ سب دین کے مختلف راستے اور طریقے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا چاہئے لیکن اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عمل کرنا چاہئے، اور اعتدال نہ ہونے کے نتیجے میں فرقہ بندیاں ہوتی ہیں اور آپس میں ناراضگیاں پیدا ہوتی ہیں اور آپس میں تناؤ اور کھچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے کام میں اعتدال کے ساتھ لگنا چاہئے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن ابن عصام المزنی عن ابیه وکانت له صحبة قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا بعث جیشا او سریة یقول لهم: اذا رایتم مسجدا او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احدا﴾

(۱۹۶)

حضرت ابن عصام مزنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا سریہ کو بھیجتے تو ان کو ہدایت فرماتے کہ جب تم کسی جگہ مسجد دیکھ لو یا آذان کی آواز سن لو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرو۔ (ترجمہ از مرتب)

باب فی البیات والغارات

﴿عن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم

حین خرج الی خیبر اتاھا لیلا وکان اذاجاء قوما بلیل لم یغرعلیھم حتی یصبح فلما اصبح خرجت یھود بمساحیھم ومکاتلھم فلما راوہ قالوا: محمد وافق واللّٰہ محمد الخمیس فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین ﴾ (۱۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کو فتح کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو رات کے وقت خیبر پہنچے۔ اور آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کسی قوم کے پاس رات کے وقت پہنچتے تو رات کے وقت حملہ نہیں کرتے تھے بلکہ صبح ہوجانے کا انتظار فرماتے، چنانچہ جب صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ یہودی پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر نکلے۔ "مساحی" جمع ہے "مسحاۃ" کی، اس کے معنی ہیں پھاوڑا۔ اور "مکاتل" "مکتل" کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں ٹوکرا۔ چونکہ وہ لوگ کاشتکار تھے، اس لئے زمین کی کھدائی اور صفائی کے لئے چل پڑے۔ جب انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اللہ کی قسم یہ لشکر کے ساتھ آگئے۔ لشکر کو "خمیس" اس لئے کہا جاتا ہے کہ عام طور پر لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر، خیبر ویران ہوگیا۔ یہ آپ نے تفاؤلاً فرمایا۔ اس لئے کہ جب صبح کے وقت آپ نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر جارہے ہیں اور یہ دونوں چیزیں تخریب کی علامت ہیں، تو ان کو دیکھ کر آپ نے گویا کہ فرمایا کہ ان سے ہم یہ فال لیتے ہیں کہ خیبر اب ویران ہونے والا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خربت خیبر آپ نے لفظی مناسبت کی وجہ سے فرمایا اور اس سے تفاؤل لیا کہ لفظ خیبر میں بھی خ ب ر ہیں اور خراب کے اندر بھی یہی حروف ہیں۔ گویا کہ یہ خیبر عنقریب خراب ہونے والا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب ہم کسی قوم کے صحن میں آکر اترتے ہیں تو منذرین کی صبح بری ہوتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے خیبر پر حملہ کر کے اس کو فتح کرلیا۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے رات کے وقت حملہ کرنے اور شب خون مارنے کو برا سمجھتے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جنگی حکمت عملی کے تحت دن کے وقت حملہ کیا جائے، یا رات کے وقت حملہ کیا جائے دونوں طریقے جائز ہیں۔

﴿عن ابی طلحة رضی اللّٰه عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا ظھر علی قوم اقام بعرصتھم ثلاثا﴾ (۱۹۸)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر فتح حاصل کر لیتے تو ان کی آبادی کے باہر تین دن قیام فرماتے۔

باب فی التحریق والتخریب

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حرق نخل بنی النضیر وقطع وھی البویرة فانزل اللّٰه تعالی ما قطعتم من لینة اوترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللّٰه ولیخزی الفاسقین﴾ (۱۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت جلوادیئے اور کٹوادیئے جو بویرہ کے مقام پر تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو کھجوروں کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا انہیں ان کی جڑوں پر چھوڑدیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل اور رسوا کریں۔

جنگی حکمت عملی میں ضرورت کے وقت آگ لگانا اور عمارتوں کو گرانا اور درختوں کو کاٹنا جائز ہے۔ بعض حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ پھل دار درختوں کو کیوں کاٹا جاتا ہے؟ ان کو نہیں کاٹنا چاہئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنگ ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں فیصلے ضرورت کے تابع ہوتے ہیں، جس وقت جیسی جنگی ضرورت اور مصلحت ہے، اس کے مطابق کرنا درست ہے۔ جب جنگ میں انسان کی جان لی جاسکتی ہے تو پھل دار درخت کاٹنا تو اس سے اھون ہے۔ اس لئے یہ سب کام جنگ کے دوران جائز ہیں۔

باب ماجاء فی الغنیمة

﴿عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ان اللّٰه فضلنی علی الانبیاء اوقال امتی علی الامم واحل لنا الغنائم﴾ (۲۰۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت بخشی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ میری اُمت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔

﴿عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم قال: فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق كافة وختم بی النبيون﴾

(۲۰۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے دوسرے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں ① مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں۔ ② مجھے رعب عطا کیا گیا ہے۔ ③ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ ④ میرے لئے پوری زمین مسجد اور طہور بنادی گئی ہے۔ ⑤ مجھے تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ⑥ اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔

باب فی سهم الخيل

﴿عن ابن عمر رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قسم فی النفل للفرس بسهمين وللراجل بسهم﴾

(۲۰۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں تقسیم کرتے وقت گھوڑے کے دو حصّے اور پیدل کا ایک حصّہ عطا فرمایا۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو کر لڑا ہے تو اس کے تین حصّے ہوں گے، ایک حصّہ خود اس لڑنے والے کا اور دو حصّے گھوڑے کے، اور جو شخص پیدل لڑا ہے تو اس کو ایک حصّہ ملے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ فارس کے دو حصّے ہیں۔ ایک حصّہ لڑنے والے کا اور ایک حصّہ اس کے گھوڑے کا۔ اور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

وغیرہ سے مروی ہیں۔ اور ایک روایت ابن ماجہ میں مجمع بن جاریہ سے مروی ہے۔ ان روایات کے الفاظ یہ ہیں۔ للفارس سهمان وللراجل سهم یعنی فارس کے دو حصے ہیں اور راجل کا ایک حصہ ہے۔

اور حدیث باب کے بارے میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ لفظ یا تو اصل میں "فارس" تھا اور راوی نے اس کو فرس کہہ دیا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ اس میں جو دو حصے گھوڑے کو دیئے گئے وہ بطور مال غنیمت نہیں دیئے گئے بلکہ بطور نفل دیئے گئے۔ اس لئے کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال غنیمت کے علاوہ کسی کو بطور انعام دینا چاہے تو اس کا اختیار ہے۔ چنانچہ حدیث باب میں نفل کا لفظ ہے۔ "قسم في النفل" اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ فرس کو جو ایک حصہ زیادہ دیا گیا وہ بطور نفل دیا گیا ورنہ استحقاق دو حصے کا تھا۔ یعنی ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ لڑنے والے کا۔ (۲۰۳)

باب ماجاء في السرايا

﴿عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الصحابة اربعة وخير السرايا اربع مائة و خير الجيوش اربعة الاف ولا يغلب اثنا عشر الفا من قلة﴾

(۲۰۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ساتھیوں کی اچھی تعداد چار ہے۔ ساتھیوں سے مراد یہ ہے کہ جب کچھ لوگ سفر کر رہے ہوں تو بہتر یہ ہے کہ چار آدمیوں کی جماعت بنالیں۔ اور بہترین سریہ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو۔ اور بہترین لشکر وہ ہے جو چار ہزار افراد پر مشتمل ہو۔ اور بارہ ہزار کا لشکر محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری باتیں اپنے حالات اور ماحول کے اعتبار سے ارشاد فرمائیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ حالات ہمیشہ اسی طرح برقرار رہیں بلکہ اس تعداد میں کمی وبیشی بھی کرسکتے ہیں۔

باب من يعطى الفئ

﴿عن يزيد بن هرمز ان نجدة الحروري كتب الى ابن عباس

یسالہ ھل کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغزوبالنساء؟ وھل کان یضرب لھن بسھم؟ فکتب الیہ ابن عباس کتبت الی تسالنی ھل کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغزوبالنساء وکان یغزو بھن فیداوین المرضی ویحذین من الغنیمۃ واما السھم فلم یضرب لھن بسھم ﴾ (۲۰۵)

یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ یہ نجدہ حروری خارجیوں کا سردار تھا اور مسلمانوں سے لڑائی کرتا تھا۔ اور یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جایا کرتے تھے؟ اور کیا آپ ان عورتوں کے لئے کوئی حصہ مقرر فرماتے تھے؟ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ تم نے مجھ سے یہ پوچھا ہے کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو جہاد میں ساتھ لے جایا کرتے تھے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو ساتھ لے جاتے تھے، وہ بیماروں کا علاج کرتی تھیں۔ اور مال غنیمت میں سے ان کو کچھ عطا کیا جاتا تھا۔ یعنی تھوڑا بہت ان کو دے دیا جاتا تھا لیکن باقاعدہ کوئی حصہ مال غنیمت میں سے ان کے لئے مقرر نہیں کیا گیا۔

باب ھل یسھم للعبد

﴿عن عمیر مولی ابی اللحم رضی اللّٰہ عنہ قال: شھدت خیبر مع سادتی فکلموا فی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکلموہ انی مملوک قال فامرنی فقلدت السیف فاذا انا اجرہ فامرلی بشئی من خرثی المتاع وعرضت علیہ رقیۃ کنت ارقی بھا المجانین فامرنی بطرح بعضھا وحبس بعضھا ﴾ (۲۰۶)

حضرت عمیر مولی ابی اللحم صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے آقا کا لقب "ابواللحم" ہے۔ اس کے معنی ہیں "گوشت کا انکار کرنے والا" چونکہ یہ گوشت نہیں کھاتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب مشہور ہوگیا تھا اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ ان کے غلام ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ خیبر کی جنگ میں میں اپنے آقاؤں کے ساتھ حاضر ہوا تو میرے بارے میں میرے آقاؤں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ کو بتایا کہ میں غلام ہوں۔ بات کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو بھی مال

غنیمت سے کچھ حصہ ملنا چاہئے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حکم دیا تو میری گردن میں تلوار لٹکادی گئی۔ "قلد یقلد تقلیدا" کے معنی ہیں کوئی چیز لٹکا دینا۔ یہ تلوار یہ دیکھنے کے لئے لٹکائی گئی کہ ان کا قدو قامت بڑوں کے برابر ہے یا نہیں؟ جب تلوار لٹکائی تو میں اس کو گھسیٹ رہا تھا۔ یعنی تلوار زمین پر گھسٹ رہی تھی اور میرا قد چھوٹا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ برتنے کا سامان دینے کا حکم دیا۔ یعنی چونکہ جنگ میں شریک ہوا تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھر میں استعمال کرنے کا کچھ سامان دے دیا لیکن باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔ اس حدیث سے فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ چھوٹا بچہ یا غلام ہو تو اس کو مال غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

باب ما جاء فی اهل الذمة یغزون مع المسلمین هل یسهم لهم

﴿عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج الی بدر حتی اذا کان بحرة الوبر لحقه رجل من المشرکین یذکر منه جراة ونجدة فقال له النبی صلی الله علیه وسلم تؤمن بالله ورسوله؟ قال لا قال ارجع فلن استعین بمشرک﴾ (۲۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے لئے نکلے یہاں تک کہ جب آپ وبر کے حرہ کے پاس پہنچے۔ مدینہ منورہ کے آس پاس ایسی پتھریلی زمین ہے جس میں کالے کالے پتھر ہیں، ایسی زمینوں کو "حرہ" کہا جاتا ہے۔ مدینہ کے پاس بہت سے حرے ہیں، ان میں سے ایک حرہ کا نام "حرۃ الوبر" ہے۔ تو آپ سے ایک مشرک شخص آکر ملا جس کی جرأت اور شجاعت مشہور تھی اور اس نے آکر یہ خواہش ظاہر کی کہ میں آپ کے ساتھ جنگ میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لوٹ جاؤ اس لئے کہ جہاد میں کسی مشرک سے مدد ہرگز نہیں لوں گا۔

جہاد میں کافروں سے مدد لینے کا حکم

اس حدیث کی وجہ سے بعض اہل ظاہر نے یہ کہا ہے کہ جہاد میں کسی کافر سے مدد لینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشرک کو واپس کردیا اور یہ فرمایا کہ میں مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔ البتہ جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہو تو کافر اہل ذمہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگرچہ اس موقع پر تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد لینے سے انکار فرمادیا تھا لیکن بعد کے مختلف غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو بھی جنگ میں شریک کیا اور ان سے مدد لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی نفسہ ایسا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ غزوہ حنین کے موقع پر بعض غیر مسلموں سے مدد لی گئی اور وہ جنگ میں شامل ہوئے۔

حدیث باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشرک کو جنگ میں شامل ہونے سے جو منع فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ غزوہ بدر اسلام کا پہلا غزوہ تھا اور اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا دن "یوم الفرقان" تھا۔ اس پہلے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر سے مدد لینے کو مصلحت کے مطابق نہیں سمجھا اور اس کو گوارہ نہیں فرمایا، تاکہ کفر اور اسلام کے درمیان جو پہلا معرکہ ہو اس میں جنگ خالصۃً مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہو اور کوئی کافر مسلمانوں کی طرف سے شامل نہ ہو تاکہ حق و باطل واضح ہوجائے۔ اس وجہ سے آپ نے مدد لینے سے انکار کردیا، ورنہ فی نفسہ اگر مدد لینا مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہو تو غیر مسلموں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور کافر مسلمانوں کے تابع ہوں لیکن جہاں معاملہ برعکس ہو یعنی کافر متبوع ہوں اور مسلمان ان کے تابع بن جائیں تو یہ صورت جائز نہیں۔ (۲۰۸)

تحریک آزادیٔ ہند میں ہندوؤں کی شمولیت

یہی مسئلہ پاکستان بننے سے پہلے آزادیٔ ہند کے موقع پر پیش آیا، ایک وقت وہ تھا جب مسلمانوں نے آزادیٔ ہند کے لئے تحریک خلافت کا آغاز کیا تھا اور اس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ نے بیڑہ اٹھایا تھا، اس وقت صورت حال یہ تھی کہ تحریک کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور ہندو تابع ہوکر مسلمانوں کے ساتھ لگ گئے تھے، اس لئے اس وقت ہندوؤں

کی شرکت کو ناجائز نہیں سمجھا گیا، اور اسی وجہ سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملاکر تحریک خلافت چلائی۔

غیر مسلموں کے تابع ہو کر کام کرنا جائز نہیں

لیکن جس زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس وجود میں آئی اور اس نے آزادیٔ ہند کا پرچم اٹھایا، اس وقت قیادت گاندھی، نہرو اور پٹیل وغیرہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے ہمارے علماء میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے یہ فرمایا کہ چونکہ قیادت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو ان کے ساتھ مل کر کام کرنا درست نہیں، بلکہ ان کو الگ اپنی جماعت بنانی چاہئے، چنانچہ پھر الگ جماعت بنائی گئی۔

اس وقت بعض حضرات علماء نے یہ کہا تھا کہ کافروں کے ساتھ معاہدے اور ان کے ساتھ اشتراک عمل ہو سکتا ہے، اس لئے کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے میں مسلمانوں کے لئے کوئی حرج نہیں۔ لیکن حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ مشرکوں اور کافروں کے ساتھ کسی مشترک سیاسی مقصد کے لئے اشتراک عمل جائز ہے لیکن ان کان حکم الاسلام ھو الظاھر بشرطیکہ اسلام کا حکم ظاہر ہو، مسلمان متبوع ہوں اور غیر مسلم تابع ہوں۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے کہ غیر مسلم متبوع بن گئے ہیں اور مسلمان ان کے تابع بن گئے ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ اشتراک عمل جائز نہیں اور ان کی تائید و حمایت درست نہیں۔

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان خود اپنی جماعت بنا سکتے ہوں اور قیادت کر سکتے ہوں لیکن جس جگہ پر اپنی جماعت بنانے کا امکان نہ ہو اور اس بات پر مجبور ہوں کہ کسی نہ کسی کا ساتھ تو دینا ہے تو اس وقت مسلمان جس جماعت کو اور جس صورت کو اھون البلیتین سمجھیں، اس کو اختیار کر لیں۔ لیکن جہاں اس بات کا موقع ہو کہ مسلمان خود اپنا تشخص قائم کریں اور اپنی جماعت بنائیں اور تحریک چلائیں تو اس وقت غیر مسلموں کے تابع ہو کر کام کرنا درست نہیں۔

کمک کو مال غنیمت میں سے حصہ دینے کا حکم

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال: قدمت علی رسول اللہ

صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی نفر من الاشعرین خیبر، فاھم لنا من الذین افتتوھا ﴾ (۲۰۹)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اشعری قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر پہنچا ہم یعنی اس وقت وہاں پہنچے جب جنگ تقریباً ختم ہوچکی تھی تو آپ نے ہمیں ان لوگوں میں شامل کر کے مال غنیمت کا حصہ عطا فرمایا جن لوگوں نے خیبر فتح کیا تھا۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مجاہدین کو پیچھے سے کوئی کمک پہنچے تو اگر وہ کمک مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پہنچی ہے تو اس کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔

باب ماجاء فی الانتفاع بانیة المشرکین

﴿عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللّٰہ عنہ قال: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن قدور المجوس قال انقوھا غسلا واطبخوا فیھا ونھی عن کل سبع ذی ناب ﴾ (۲۱۰)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسیوں کی دیگوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا مسلمان ان کو استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو دھو کر صاف کرلو پھر اس میں کھانا پکا سکتے ہو۔ اور آپ نے ہر ایسے درندے کو کھانے سے منع فرمایا جو ناب والا ہو۔ اس لئے کہ ناب والا درندہ ہوتا ہے اور درندہ حرام ہے۔

﴿ابو ثعلبۃ الخشنی یقول: اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللّٰہ انا بارض قوم اھل کتاب ناکل فی انیتھم قال: ان وجدتم غیر انیتھم فلا تاکلوا فیھا فان لم تجدوا فاغسلوھا وکلوا فیھا ﴾ (۲۱۱)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم ایسی زمین پر ہیں جہاں اہل کتاب بستے ہیں۔ کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن تمہیں مل جائیں

تو پھر اہل کتاب کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ ان برتنوں میں انہوں نے کیسی کیسی ناجائز اور حرام اشیاء کھائی ہوں گی اس لئے بلاوجہ ان برتنوں کو استعمال کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر اور برتن موجود نہ ہوں تو ان برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو۔

باب فی النفل

﴿عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان ینفل فی البداۃ الربع وفی القفول الثلث﴾

(۲۱۲)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں چوتھائی کا اور لوٹتے وقت ایک تہائی کا نفل یعنی انعام دیا کرتے تھے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک بڑا لشکر کسی بڑی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تو بعض اوقات اس بڑے لشکر میں سے ایک چھوٹے لشکر کو علیحدہ کر کے کسی جزوی مہم پر بھیج دیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کو یاد ہوگا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر تھا۔ پھر اس لشکر میں سے ایک چھوٹے دستہ کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں آپ نے اکیدر کو قتل کرنے کے لئے دومۃ الجندل کی طرف بھیجا۔ اب وہ چھوٹا لشکر فتح اور کامیابی حاصل کر لے اور مال غنیمت لے کر واپس آئے تو اس مال غنیمت میں پورا لشکر حصہ دار ہوتا ہے، لیکن وہ چھوٹا لشکر جس نے براہ راست فتح حاصل کر کے مال غنیمت حاصل کیا اس کو عام لشکر کے مقابلے میں زیادہ انعام دیا جاتا ہے اس انعام کو نفل کہا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات اس چھوٹے لشکر کو کل مال غنیمت کا ایک ثلث دیا اور بعض اوقات ایک چوتھائی دیا۔ لیکن کس موقع پر چوتھائی دیا اور کس موقع پر ثلث دیا؟ اس کی تفصیل حدیث باب میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ چھوٹا دستہ لشکر کے ابتدائی سفر میں روانہ کیا گیا مثلاً ابھی مدینہ منورہ سے لشکر نکلا ہی تھا اور جس جنگ کے لئے وہ بڑا لشکر نکلا تھا وہ ابھی پیش نہیں آئی کہ اس سے پہلے ہی کسی مہم پر چھوٹے دستہ کو روانہ کر دیا گیا تو اس صورت میں اس چھوٹے دستے کے مجاہدین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک چوتھائی دیا کرتے تھے۔ اور اگر بڑے لشکر کو جس محاذ پر بھیجا گیا تھا، اس محاذ سے وہ لشکر فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد کسی چھوٹے دستے کو واپسی کے وقت کسی مہم پر روانہ کر دیا گیا تو اس صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس

چھوٹے دستے کو اس کے لائے ہوئے مال غنیمت میں سے ایک تہائی دیا کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بڑا معرکہ پیش آنے سے پہلے مجاہدین تازہ دم ہوتے تھے۔ ابھی ان کا دشمن سے مقابلہ نہیں پیش آیا تھا، تو اس وقت کی چھوٹی مہم پر چھوٹے دستے کو جانے میں کوئی زیادہ مشقت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اس موقع پر ان کو مال غنیمت میں سے انعام کم یعنی چوتھائی دیا گیا۔ لیکن جب مجاہدین ایک بڑی مہم سے فارغ ہوچکے اور تمام مجاہدین تھکے ہوئے ہیں، ہرایک کی خواہش اس وقت یہ ہوتی ہے کہ جلد از جلد گھر پہنچے، اس موقع پر کسی مہم پر جانا زیادہ مشقت کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے اس موقع پر جانے والے مجاہدین کو آپ انعام زیادہ یعنی تہائی دیا کرتے تھے۔

اس کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ جب وہ چھوٹا لشکر مال غنیمت لے کر واپس آتا تو سب سے پہلے اس میں سے بیت المال کے لئے خمس نکال لیا جاتا، اب جو باقی مال بچتا اس کا ثلث یا ربع اس چھوٹے لشکر والوں کو دے دیا جاتا اور باقی مال باقی لشکر میں تقسیم کردیا جاتا۔

آپ کی تلوار "ذوالفقار"

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تنفل سیفہ ذوالفقار یوم بدر وھو الذی رای فیہ الرویا یوم احد﴾ (۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنی تلوار ذوالفقار نفل کے طور پر لی۔ یہ تلوار عاص بن امیہ کی تھی جو بدر میں مال غنیمت کے طور پر آئی تھی۔ روایت میں ہے کہ یہی تلوار بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوگئی۔ یہاں تک کہ یہ مقولہ مشہور ہوگیا کہ لا فتح الا علی لا سیف الا ذوالفقار

یہ لفظ ذوالفقار بفتح الفاء ہے۔ بکسر الفاء نہیں ہے۔ "فقار" جمع ہے "فقرۃ" کی، جس کے معنی ہیں مہرہ۔ ہوسکتا ہے کہ اس تلوار میں کچھ مہرے ہوں جس کی وجہ سے یہ نام پڑگیا ہو۔ یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ نے احد کے روز خواب دیکھا تھا کہ اس تلوار میں دندانہ پڑ گیا ہے۔

"نفل" کی تعریف

"نفل" اس کو کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے جو ہر مجاہد کو ملتا ہے اس کے علاوہ جو زائد مال

کسی مجاہد کو بطور انعام دیا جائے وہ نفل کہلاتا ہے۔ اس بارے میں فقہاء کے درمیان کلام ہوا ہے کہ امام کو کس حد تک نفل دینے کا اختیار ہے اور کس حد تک اختیار نہیں؟ حنفیہ کا کہنا ہے کہ نفل دینے کے بارے میں امام کو وسیع اختیار حاصل ہے اور اگر امام چاہے تو پہلے سے اعلان بھی کر سکتا ہے کہ جو مجاہد یہ عمل کرے گا اس کو یہ انعام ملے گا۔

باب ماجاء فی من قتل قتیلا فله سلبه

﴿عن ابی قتادة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه﴾ (۲۱۴)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کو (جنگ میں) قتل کرے اور اس کے پاس اس کو قتل کرنے پر بینہ موجود ہو جو گواہی دے سکتا ہو کہ اس مقتول کو اس نے قتل کیا ہے تو قاتل کو مقتول کا سلب ملے گا۔ "سلب" کے معنی ہیں وہ سامان جو اس کا ذاتی ہے مثلاً اس کے کپڑے، اس کی تلوار، اس کی زرہ وغیرہ۔

مقتول کے سلب کا حکم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تشریعی حکم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قاعدہ اور اصول وقتی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے کہ مقتول کا سلب عام مال غنیمت میں شامل کر کے تمام افراد میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہر مقتول کا سلب مال غنیمت سے الگ کیا جائے گا اور صرف قاتل ہی اس کا حق دار ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی تشریعی اور ابدی حکم نہیں ہے بلکہ یہ امام کی طرف سے انعام کا اعلان ہے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ سلب ہمیشہ قاتل ہی کو ملے بلکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ سلب بھی مال غنیمت میں شامل ہوگا اور دوسرے مال غنیمت کی طرح اس کو بھی تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا، لیکن اگر کسی وقت امام لوگوں کو ہمت دلانے کے لئے مناسب سمجھے تو یہ اعلان کر سکتا ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سلب ہم اس کو دیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف حکم دے دیا او یہ حکم تشریعی اور ابدی ہے۔

لیکن حنفیہ اور مالکیہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال فرماتے ہیں واعلموا انما غنمتم من شی فان للہ خمسہ اس آیت میں "ماغنمتم" میں لفظ "ما" کلمہ عام ہے، اس وجہ سے "سلب" بھی اس میں داخل ہے۔ اور خبر واحد سے کتاب اللہ کی تقیید یا تخصیص نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا دونوں پر اپنے اپنے محل پر عمل کریں گے اور یہ کہیں گے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ "سلب" بھی مال غنیمت کا حصہ ہے، لیکن اگر امام چاہے تو کسی وقت یہ اعلان کرسکتا ہے کہ من قتل قتیلا فلہ سلبہ اس صورت میں سلب قاتل کو مل جائے گا۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بعض واقعات ایسے پیش آئے جن میں "سلب" قاتل کو نہیں دیا گیا۔ مثلاً غزوہ بدر میں ابو جہل کو دو بھائی معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا سلب کپڑے وغیرہ ان دو میں سے ایک کو غالباً حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دیئے اور ابو جہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دی اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا حالانکہ قتل میں وہ بھی شریک تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلب کا قاتل کو ملنا کوئی ابدی حکم نہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں جن میں سلب کو عام مال غنیمت کی طرح تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قاتل کے لئے اس کو مخصوص نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ حدیث باب میں آپ نے جو حکم فرمایا وہ بطور امام کے ارشاد فرمایا، بطور شارع کے حکم نہیں دیا۔ اس لئے اس کو ابدی حکم نہیں کہا جاسکتا۔ (۲۱۵)

"سلب" کے بارے میں کس وقت اعلان کیا جائے؟

پھر اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ سلب کے بارے میں اعلان امام کو کس وقت کرنا چاہئے؟ فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ اس میں امام کو اختیار ہے جب چاہے اعلان کردے، چاہے جہاد کی ابتداء میں کرے یا وسط میں کرے یا آخر میں کرے یا مال غنیمت کی تقسیم کے وقت کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کو سلب کے بارے میں آغاز جہاد میں اعلان نہیں کرنا چاہئے بلکہ جہاد کے ختم کے وقت اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اعلان کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ابتداء میں اعلان کرنے کے نتیجے میں جہاد کے اندر دنیوی غرض شامل ہوجائے گی، لہٰذا جہاد کو خالص رکھنے کے لئے شروع میں اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں کرے۔

حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صرف سلب حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان خطرے میں نہیں

ڈالنا، لہٰذا جہاد کرنے والے کی اصل نیت اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہوتی ہے، البتہ سلب کے اعلان کی وجہ سے اس کے اندر تشجیع کا پہلو بھی شامل ہوجاتا ہے۔ اب اس کی وجہ سے یہ نہیں کہیں گے کہ جہاد خالص نہیں رہا، کیونکہ اخلاص کے لئے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کام کے کرنے کا اصل محرک کیا ہے؟ اگر اصل محرک اللہ کو راضی کرنا ہے تو اخلاص حاصل ہے۔ چاہے بعد میں اس کے اندر ضمنی طور پر دوسری باتیں بھی شامل ہوگئی ہوں۔

مثلاً ایک شخص علم حاصل کررہا ہے، اب علم حاصل کرنے کا اصل محرک تو یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام جان کر اس پر عمل کروں گا اور اللہ کے دین کی جو خدمت پڑے گی وہ انجام دوں گا اور اللہ کو راضی کروں گا۔ لیکن بعض اوقات درمیان میں کچھ دوسرے خیالات بھی شامل ہوجاتے ہیں، مثلاً یہ کہ میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے انعام حاصل کروں یاپوزیشن حاصل کروں تاکہ اساتذہ میری تعریف کریں، یہ چیزیں چونکہ اصل محرک نہیں ہیں، لہٰذا اس کی وجہ سے اخلاص فوت نہیں ہوگا۔ جب تک اصل محرک اللہ کو راضی کرنا ہے اس وقت تک ان چیزوں کے درمیان میں آنے سے اخلاص فوت نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ۔ لیکن اگر پڑھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ میں پڑھنے کے بعد عالم بنوں گا اور مقتدا بنوں گا تاکہ میں مخدوم بن جاؤں اور لوگ میری خدمت کریں اور میرے لئے ہدیے تحفے لایا کریں تو اس صورت میں اخلاص فوت ہوجائے گا۔ العیاذ باللہ۔ (۲۱۶)

باب فی کراھیة بیع المغانم حتی تقسم

﴿عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن شراء المغانم حتی تقسم﴾ (۲۱۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے غنیمت کی چیزیں خریدنے سے منع فرمادیا۔ اس لئے کہ تقسیم سے پہلے وہ چیز ملکیت اور قبضے میں نہیں آئی اور جب ملکیت میں نہیں آئی تو اس کو فروخت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

باب ماجاء فی کراھیة وطی الحبالی من السبایا

﴿عن عرباض بن ساریة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان توطأ السبایا حتی یضعن ما فی بطونهن﴾ (۲۱۸)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قید ہو کر آنے والی حاملہ عورتوں کے ساتھ ان کے بچہ جننے سے پہلے صحبت کرنے سے منع فرمادیا۔

باب ماجاء في طعام المشركين

﴿قبيصة بن هلب يحدث عن ابيه قال: سالت النبي صلى الله عليه وسلم عن طعام النصارى، فقال: لايتخلجن في صدرك طعام ضارعت فيه النصرانية﴾ (۲۱۹)

حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرانیوں کے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دل میں کوئی کھانا شک و شبہ پیدا نہ کرے، اگر تم ایسا کروگے تو تم اس معاملے میں نصرانیت کے مشابہ ہوجاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو نصرانیوں کا کام ہے کہ وہ دوسرے مذاہب والے کے کھانوں سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کے کھانے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے دل میں کسی کھانے کی نفرت نہ ہونی چاہئے، چاہے وہ کسی کافر کا پکایا ہوا ہو۔ اگر تم ایسا کروگے تو نصرانیوں کے مشابہ ہوجاؤ گے کیونکہ وہ لوگ دوسرے مذہب والوں کے کھانوں سے نفرت کرتے ہیں۔

غیر مسلموں کے پکائے ہوئے کھانوں کا حکم

اس حدیث کے تحت دو باتیں سمجھنے کی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث یا تو اس کھانے پر محمول ہے جس میں گوشت وغیرہ شامل نہ ہو۔ مثلاً سبزی، ترکاری، دال، چھولے وغیرہ۔ اس صورت میں یہ حکم عام ہوگا اور اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب کو شامل ہوگا۔ مثلاً ہندوؤں نے کوئی چیز پکائی ہے تو صرف اس وجہ سے اس کو رد کرنا کہ یہ کافر نے پکائی ہے، یہ جائز نہیں بلکہ اس کو کھانا جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ حرمت اس میں موجود نہ ہو۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کھانے میں گوشت شامل ہے تو اہل کتاب کے گوشت کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے۔ اور احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجازت دی

ہے۔ اس اجازت دینے کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب چاہے وہ یہودی ہوں یا عیسائی ہوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ذبح کرتے وقت ان تمام شرائط کا لحاظ کرتے تھے جو اسلام نے بیان کی ہیں۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے تھے اور عروق اربعہ کو مشروع طریقے سے کاٹتے تھے۔ اور غیر اہل کتاب اللہ کا نام ذبح کے وقت نہیں لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اس لئے غیر اہل کتاب کے ذبیحہ کو کھانے سے آپ نے منع فرمادیا تھا۔

لیکن ہمارے دور میں صورت حال بدل گئی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یہودی تو اب بھی ذبح کرتے وقت اپنے مذہبی قواعد کا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لیتے ہیں اور عروق اربعہ کو شریعت کے مطابق کاٹتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے سب کچھ چھوڑ دیا، اب وہ نہ تو اللہ کا نام لیتے ہیں اور نہ ہی عروق اربعہ کو مشروع طریقے پر کاٹنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس لئے یہودیوں کا ذبیحہ ہمارے لئے جائز ہوگا اور عیسائیوں کا ذبیحہ ہمارے لئے جائز نہیں ہوگا۔

آج کل کے عیسائیوں کے ذبیحہ کا حکم

آج مغربی ممالک امریکہ، یورپ [illegible] وغیرہ میں عیسائیوں ہی کا ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے۔ چنانچہ عرب کے بعض علماء نے یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ اگرچہ یہ عیسائی شرائط کا لحاظ نہ بھی کریں تب بھی ان کا ذبیحہ جائز ہے۔ اور دلیل میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم لہٰذا اب یہ عیسائی جو چیز بھی جس طرح بھی پکائیں وہ سب جائز ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس موقف کو تسلیم کرلیا جائے کہ اہل کتاب کا ہر ذبیحہ حلال ہے، چاہے وہ اللہ کا نام لیں یا نہ لیں، شرائط شرع کا لحاظ کریں یا نہ کریں تو اس صورت میں عجیب صورت حال ہوجائے گی۔ وہ یہ کہ اگر ایک مسلمان ذبح کرتے وقت شرائط کا لحاظ نہ کرے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر عیسائی اور کافر ذبح کے وقت شرائط کا لحاظ نہ کرے تو ذبیحہ حلال ہے۔ حالانکہ مسلمان کے دل میں تو کم از کم توحید کا کلمہ موجود ہے۔ وحدانیت کا تو قائل ہے اور کافر تو وحدانیت ہی کا قائل نہیں تو پھر ایک مسلمان کے ذبیحہ کے مقابلے میں ایک کافر کے ذبیحہ کو کیسے حلال کہا جائے گا؟

ویسے بھی غور کرنے کی بات ہے کہ یوں تو قاعدہ ہے کہ الکفر ملۃ واحدۃ تمام کافر ایک ہی ملت میں ہیں۔ چاہے وہ یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا ہندو ہوں۔ لیکن شریعت نے خاص طور پر اہل کتاب کے ذبیحہ کو کیوں جائز قرار دیا اور دوسروں کے ذبیحہ کو جائز کیوں قرار نہیں دیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل کتاب اس زمانے میں ذبیحہ کی شرعی شرائط کا لحاظ کرتے تھے۔ اس لئے

ان کے ذبیحہ کو حلال کیا گیا۔ حلال ہونے کی یہی علت تھی، اب وہ علت مفقود ہوگئی اس لئے حرام ہوگیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ چونکہ یہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے اس لئے حلال ہے۔ یہ کہنا درست نہیں۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے جائز ہونے کا فتویٰ دینے والے یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ اہل کتاب کا وہ کھانا حلال ہے جو شرائط شرعیہ کے مطابق ہو اور دوسرا کھانا حرام ہے، بلکہ مطلق فرمایا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر عموم مراد لیا جائے گا تو پھر تو خنزیر بھی مسلمانوں کے لئے حلال ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ خنزیر بھی طعام اہل کتاب میں داخل ہے۔ لیکن خنزیر کو اس لئے حرام کہتے ہیں کہ وہ شریعت کے احکام کے مطابق نہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب کا وہ کھانا جو شریعت کے احکام کے مطابق ہو وہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ نہ یہ کہ ہر کھانا حلال ہے۔ اس لئے یہ استدلال درست نہیں۔

باب ماجاء فی کراھیة التفریق بین السبی

﴿عن ابی ایوب رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ﴾ (۲۲۰)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان تفریق کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق کردیں گے۔

باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء

﴿عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان جبرئیل ھبط علیہ فقال لہ خیرھم یعنی اصحابک فی اساری بدر القتل او الفداء علی ان یقتل منھم قابل مثلھم قالوا الفداء ویقتل منا﴾ (۲۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو اختیار دے دیجئے بدر کے قیدیوں کے بارے میں کہ یا تو وہ قتل کرنے کو اختیار کریں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔ لیکن فدیہ لینے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ آئندہ سال صحابہ کرام میں سے اتنی ہی تعداد کے لوگ قتل کئے جائیں گے۔ وہ ستر قیدی تھے اگر ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تو پھر آئندہ سال غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوں گے۔ صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم فدیہ لینے کو اختیار کرتے ہیں اور ہم اس پر راضی ہیں کہ ہم میں سے ستر افراد آئندہ سال شہید ہو جائیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ "تخییر" کا تو یہ مطلب ہے کہ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں اور جائز ہیں۔ لہٰذا جب صحابہ کرام کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ دونوں صورتوں میں سے جو صورت چاہیں اختیار کرلیں اور پھر انہوں نے ایک صورت فدیہ والی اختیار کرلی تو پھر ان پر وہ عتاب کیوں ہوا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الاخرة[1] چنانچہ اس آیت کے نزول کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس فدیہ لینے کے فیصلے کے نتیجے میں عذاب قریب آچکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کو دور فرمادیا۔ یہ عتاب کیوں ہوا؟ (۱) سورۃ الانفال : ۶۷۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کو جو تخییر دی گئی تھی وہ تخییر امتحان تھی۔ لہٰذا یہاں پر تخییر کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دونوں صورتیں اللہ کی رضا کے مطابق ہیں بلکہ ان میں سے ایک اللہ کی رضا کے مطابق ہے۔ لیکن اب تمہارا امتحان ہے کہ تم کون سی صورت اختیار کرتے ہو؟ اور یہ جو فرمایا کہ فدیہ لینے کی صورت میں آئندہ سال تمہارے ستر آدمی شہید ہوں گے اس سے اس طرف اشارہ کردیا گیا تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پاداش میں آئندہ سال تم میں سے ستر کو قتل کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ صحابہ کرام کو اس معاملے میں جو تخییر دی گئی وہ تخییر اباحت نہیں تھی بلکہ تخییر امتحان تھی۔ (۲) سورۃ الاحزاب : ۲۸۔

جیسے ازواج مطہرات کو ان آیات کے ذریعہ تخییر دی گئی۔ ان کنتن تردن الحیوة الدنیا و زینتها فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنت منکن اجرا عظیما[2] لیکن یہ تخییر امتحان تھی کہ کون دنیا کو اختیار کرتی ہے اور کون اللہ کو اختیار کرتی ہے۔ حدیث باب میں بھی ایسی ہی تخییر ہے۔ اور چونکہ

صحابہ کرام نے فدیہ لینے کی صورت کو اختیار کیا جو اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ نہیں تھا، اس لئے ان پر عتاب ہوا۔

فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا حکم

عن عمران بن حصين رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم فدى رجلين من المسلمين برجل من المشركين

(۲۴۲)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے مقابلے میں دو مسلمانوں کا فدیہ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے فدیہ پر عمل فرمایا۔ بات دراصل یہ ہے کہ فدیہ لینے پر صحابہ کرام پر جو عتاب ہوا تھا وہ ابتداء میں تھا۔ جب تک کافروں کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک نہیں بیٹھی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ ابھی ان کافروں کو فدیہ لے کر نہ چھوڑا جائے بلکہ ان کو قتل کیا جائے تاکہ مسلمانوں کا رعب ان کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ اسی لئے آیت قرآنی میں فرمایا کہ حتى يثخن فى الارض حتیٰ کہ ایک مرتبہ خوب خونریزی کردیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہوگیا ہے تو اس کے بعد فدیہ لے کر چھوڑنے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ جیسا کہ سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں فرمایا۔ حتى اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء[1] یعنی جب تم کفار کی خوب خونریزی کر چکو تو ان کو گرفتار کرسکتے ہو، پھر اس کے بعد تمہارے لئے جائز ہے کہ چاہے تو ان پر احسان کرتے ہوئے بغیر فدیے کے چھوڑ دو اور چاہو تو فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔ گویا کہ غزوہ بدر کے موقع پر جو احسان کرنا اور فدیہ لینا جائز نہیں تھا اس آیت نے ان دونوں کو جائز کردیا۔

سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مندرجہ بالا آیت فاما منا بعد واما فداء نے ایک ایسی چیز کی اجازت دی جو پہلے جائز نہیں تھی یعنی احسان کرنا اور فدیہ لینا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو چیزیں پہلے جائز تھیں اس آیت نے ان کو حرام کردیا جیسے قتل کرنا اور غلام بنانا۔ بلکہ اس آیت نے دو مزید چیزوں کو جائز کردیا۔ اس طرح امام کے لئے چار طریقے جائز ہوگئے۔ احسان کرکے چھوڑنا، فدیہ لے کر چھوڑنا، قتل کرنا، غلام بنانا۔ امام جیسی مصلحت سمجھے اس کے مطابق عمل کرے۔ یہ

(۱) سورۃ محمد: ۴۔

اُمت کا اجماعی موقف ہے جس پر صدیوں سے عمل چلا آرہا ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

کیا قتل کرنا اور غلام بنانا منسوخ ہو گیا ہے؟

لیکن ہمارے دور کے بعض متجددین نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس آیت نے قتل کرنے اور غلام بنانے کو منسوخ کردیا ہے۔ لہٰذا قتل کرنا اور غلام بنانا جائز نہیں۔ صرف احسان کرکے چھوڑنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا جائز ہے۔ میرے علم کے مطابق شاید سب سے پہلے مولانا عبیداللہ سندھی نے یہ موقف پیش کیا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ سورۃ محمد کی آیت فاما منا بعد واما فداء کے ذریعہ دو چیزوں میں حصر کردیا گیا۔ ایک احسان اور ایک فدیہ۔ لہٰذا کوئی تیسرا طریقہ جائز نہیں۔

لیکن یہ استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ کلمہ "اما" کبھی بھی حصر کے لئے نہیں آتا بلکہ تخییر کے لئے آتا ہے۔ اور اس آیت میں تخییر علی سبیل منع الجمع ہے یعنی اس کے علاوہ اور طریقے بھی ہوسکتے ہیں۔ اور یہ دو طریقے جو پہلے جائز نہیں تھے اب جائز کردیئے گئے ہیں۔ وہ ہے احسان کرنا اور فدیہ لینا۔ اور یہ آیت صحیح قول کے مطابق ۲ ہجری میں نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی بہت سے غزوات ہوئے۔ چنانچہ غزوہ بنی المصطلق اس کے بعد پیش آیا اور اس میں قیدیوں کو غلام بنایا گیا، اگر اس آیت نے استرقاق کو منسوخ کردیا ہوتا تو آپ استرقاق نہ فرماتے۔ حتی کہ غزوہ حنین جو ۸ ہجری میں پیش آیا اس میں بھی استرقاق ہوا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا سارا دور اس طرح گزرا کہ اس میں استرقاق پر عمل جاری رہا۔ اگر یہ حکم منسوخ ہوگیا ہوتا تو خلفاء راشدین اس پر کیسے عمل کرتے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس آیت نے قتل اور استرقاق کو منسوخ کردیا ہے یہ بات بالکل باطل ہے اور غلط ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے استرقاق کو ایک اختیار کے طور پر باقی رکھا ہے کہ اگر امام حالات کے مناسب سمجھے تو استرقاق بھی کرسکتا ہے اور یہ حکم آج تک باقی ہے۔

استرقاق ایک مباح فعل ہے واجب نہیں

ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ استرقاق ایک اباحت ہے کوئی وجوب نہیں۔ اور شریعت کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ انسان آزاد ہو اور غلام نہ

رہے۔ چنانچہ شریعت نے ہر کفارے میں "عتق رقبہ" کو مقدم رکھا۔ اور قرآن وحدیث میں اعتاق رقبہ کے بے شمار فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی امام استرقاق کرنا نہ چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

آج کل ہمارے دور میں جو اسلامی ممالک اقوام متحدہ کے ممبر ہیں ان کے لئے استرقاق جائز نہیں۔ اس لئے کہ اقوام متحدہ میں تمام ملکوں نے باہم مل کر یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے۔ اب جو ملک اس معاہدے میں شریک ہیں، اس معاہدے کے مطابق ان کے لئے غلام بنانا جائز نہیں۔ اور یہ عدم جواز اس لئے نہیں ہے کہ استرقاق کا حکم منسوخ ہوگیا بلکہ اس وجہ سے کہ استرقاق ایک جائز اور مباح چیز تھی لیکن ہم نے معاہدہ کر کے خود اپنے اوپر پابندی عائد کرلی ہے۔

اسلام نے غلامی کو ختم کیوں نہیں کردیا؟

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے غلامی کو ختم کیوں نہیں کردیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام کے زمانے میں جس طرح کی غلامی رائج تھی اس کے اندر نام صرف غلامی کا باقی رہ گیا تھا، ورنہ حقیقت میں وہ بھائی چارہ بن گیا تھا۔ اس لئے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کے لئے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہوتا کہ ان کو غلام بنالیا جائے۔ کیونکہ اگر ان قیدیوں کو قتل کرتے ہیں تو ان کی جان جاتی ہے۔ اگر ان کو چھوڑتے ہیں تو وہ اسلامی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس لئے ان کی زندگی بچانے کے لئے اور ان کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے غلام بنانے سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

اسلام میں غلام کا درجہ

لیکن غلام بنانے کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ اسلام نے غلام کے حقوق بھی بتائے ہیں۔ غلام کوئی جانور نہیں ہوتا، وہ بھی انسان ہوتا ہے اور شریعت نے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اسلام نے غلام کو ایسے حقوق دیئے کہ اس سے پہلے لوگوں کے تصور میں بھی نہیں آیا تھا کہ غلاموں کو ایسے حقوق مل سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے اندر غلاموں کو یہ وقعت حاصل ہوئی کہ سارے عالم اسلام میں ایک زمانہ وہ گزرا ہے کہ علم و فضل کے بڑے بڑے پہاڑ

سب کے سب یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد تھے۔ اور یہی غلام بعد میں بادشاہ بھی بنے۔ اس طرح اسلام نے ان کی انسانی صلاحیتوں کو محفوظ رکھ کر ان سے خیر کا کام لیا۔ لیکن جہاں اس بات کا احتمال ہو کہ لوگ ان کے حقوق کی رعایت نہیں کریں گے تو چونکہ استرقاق نہ فرض ہے نہ واجب ہے۔ نہ سُنّت ہے اور نہ مستحب ہے اور نہ پسندیدہ عمل ہے، صرف مباح ہے جو ضرورت کے وقت اختیار کی جاسکتی ہے تو اس صورت میں غلام نہ بنایا جائے۔ تکملۃ فتح الملہم کے اندر کتاب العتق کے شروع میں میں نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ اسلام نے غلامی کے نظام میں کیا اصلاحات کی ہیں۔

وقال الاوزاعی: بلغنی ان هذه الایة منسوخة جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ مولانا عبیداللہ سندھی تو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت فاما منا بعد واما فداء نے قتل اور استرقاق کو منسوخ کردیا ہے جبکہ امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت خود منسوخ ہے اور اس کی ناسخ دوسری آیت ہے۔ واقتلوهم حیث ثقفتموهم[1] لہٰذا اب احسان کرنا اور فدیہ لینا جائز نہیں۔ اب تو قتل ہی کرنا ہے۔

قال اسحق: الا ثخان احب الی امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ قتل ہی کیا جائے۔ الّا یہ کہ کوئی قیدی کافروں کا مشہور آدمی ہو اور پھر اس کے ذریعہ بہت سے مسلمان قیدیوں کی رہائی کا ان کو لالچ دیا جائے۔ مثلاً ان سے کہا جائے کہ اگر تم اس کو چھڑانا چاہتے ہو تو ہمارے پچاس آدمی اس کے بدلے میں چھوڑو۔ اس طرح اس کو فدیہ میں چھوڑا جاسکتا ہے۔

(۱) سورۃ البقرۃ: ۱۹۱۔

باب ماجاء فی النهی عن قتل النساء والصبیان

﴿عن ابن عمر رضی الله عنهما اخبره ان امراة وجدت فی بعض مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم مقتوله فانکر رسول الله صلی الله علیه وسلم ذلک ونهی عن قتل النساء والصبیان﴾ (۲۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا۔

اس حدیث کی وجہ سے قصد کر کے تو عورتوں اور بچوں کو مارنا ناجائز ہی نہیں بلکہ حتی الامکان

عورتوں اور بچوں کو بچانا ہی چاہئے۔ لیکن اگر کہیں مجبوری پیش آجائے مثلاً مسلمانوں نے کافروں کے کسی علاقے پر شب خون مارا اور اب تاریکی کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا ہے کہ سامنے مرد ہے یا عورت ہے تو اس صورت میں اجازت ہے۔

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: اخبرنی الصعب بن جثامة قال: قلت یا رسول الله ان خیلنا اوطئت من نساء المشرکین واولادهم قال هم من آبائهم﴾ (۲۲۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت صعب بن جثامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے گھوڑوں نے کفار کی عورتوں اور بچوں کو روند ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپ دادا ہی سے ہیں۔ اس حدیث میں وہ صورت بیان کی گئی ہے جب عورتیں اور بچے بلاقصد مارے گئے۔ اسی لئے آپ نے فرمادیا کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے مجبوری ہے۔

باب بلا ترجمة

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال بعثنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بعث فقال: ان وجدتم فلانا و فلانا لرجلین من قریش فاحرقوهما بالنار ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم حین اردنا الخروج انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا بالنار وان النار لا یعذب بها الا الله فان وجدتموهما فاقتلوهما﴾ (۲۲۵)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ اگر تم قریش کے فلاں فلاں شخص کو پاؤ تو انہیں آگ سے جلادو۔ پھر جب روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا۔ میں نے تم کو فلاں فلاں کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا لیکن آگ سے عذاب صرف اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ دو آدمی تمہیں مل جائیں تو انہیں قتل کردینا۔

باب ماجاء فی الغلول

﴿عن ثوبان رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات وهو بری من الکبر والغلول والدین دخل الجنة﴾ (۲۲۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تکبر اور قرض اور مال غنیمت میں خیانت سے بری ہو کر فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

﴿عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه قال قیل یا رسول الله ان فلانا قد استشهد قال: کلا قد رایتة فی النار بعباءة قد غلها قال قم یا عمر فناد انه لا یدخل الجنة الا المؤمنون﴾ (۲۲۷)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں شخص شہید ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ میں نے اسے مال غنیمت میں سے ایک عباء کے چرانے کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے۔ پھر فرمایا اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور تین مرتبہ یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن لوگ داخل ہوں گے۔

باب ماجاء فی خروج النساء فی الحرب

﴿عن انس رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یغزو بام سلیم ونسوة معها من الانصار یسقین الماء ویداوین الجرحی﴾ (۲۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں ام سلیم اور بعض انصاری عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے تاکہ وہ پانی وغیرہ پلائیں اور زخمیوں کا علاج کریں۔

باب ماجاء فی قبول هدایا المشرکین

﴿عن علی رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم ان کسری اهدی له فقبل وان الملوك اهدوا الیه فقبل منهم﴾

(۲۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ کسریٰ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ اسی طرح جب بادشاہ کوئی ہدیہ بھیجتے تو آپ قبول فرمالیتے۔

﴿عن عیاض بن حمار انہ اھدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ھدیۃ لہ ناقۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اسلمت، فقال: لا قال فانی نھیت عن زبد المشرکین﴾ (۲۳۰)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ناقہ کا ہدیہ پیش کیا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ دینے والے سے پوچھا کہ کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے مشرکین کے عطیہ سے منع کیا گیا ہے۔ "زبد" عطیہ کو کہتے ہیں۔

مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، جبکہ اس باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کے ہدایا قبول فرمائے۔ ان دونوں حدیثوں میں تضاد پایا جارہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ جس حدیث میں آپ نے مشرکین کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا وہ ابتداء کا واقعہ ہے اور کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کے ہدایا قبول کرنے کا جو واقعہ ہے وہ بعد کا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے لئے ناسخ ہے۔ یا دونوں حدیثوں کو مختلف حالتوں پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جہاں کسی مشرک سے ہدیہ قبول کرنے کے نتیجے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت فوت ہورہی ہو مثلاً یہ خیال ہو کہ وہ مشرک ہدیہ دینے کے بعد اپنا رعب جمائیں گے اور ہم سے اپنی بات منوانے کی کوشش کریں گے تو اس صورت میں ان کا ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے سے شرک کی یا مشرکین کی تائید کسی طریقے سے لازم آتی ہو تو بھی ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ اور جہاں اس قسم کا کوئی خدشہ نہ ہو وہاں ان کا ہدیہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

باب ماجاء فی سجدة الشکر

﴿عن ابی بکرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم اتاه امر فسربه فخر ساجدا﴾ (۲۳۱)

حضرت ابوبکرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک معاملہ آیا جس سے آپ کو خوشی ہوئی تو آپ سجدہ میں چلے گئے (یعنی سجدہ شکر ادا کیا)

باب ماجاء فی امان المراة والعبد

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان المراة لتاخذ للقوم یعنی تجیر علی المسلمین﴾

(۲۳۲)

حضرت ابوہریرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عورت کسی قوم کو پناہ دینے کا حق رکھتی ہے یعنی مسلمانوں سے پناہ دلواسکتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت بھی اپنی قوم کی طرف سے امان دے سکتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت کسی کافر کو امان دے دے تو وہ امان ساری قوم پر نافذ ہوگی اور سب لوگوں کو اس کی امان کا احترام کرنا واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم (یہ حدیث آگے آرہی ہے۔)

﴿عن ام هانی رضی الله عنها انها قالت: اجرت رجلین من احمائی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قدامنا من امنت﴾ (۲۳۳)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے سسرال کے دو آدمی کو امان دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن کو تم نے امان دی ہم بھی اس کو امان دیتے ہیں۔

﴿عن علی بن ابی طالب وعبدالله بن عمرو رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ذمة المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم﴾ (۲۳۴)

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایتؓ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے اور ان میں سے ایک ادنیٰ آدمی بھی وہ ذمہ داری لے کر چل سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ اور معمولی درجے کا آدمی بھی ذمہ داری دے دے اور یہ کہے کہ میں امان دیتا ہوں تو تمام مسلمانوں پر اس امان کا احترام کرنا لازم ہو جائے گا۔

باب ماجاء فی الغدر

﴿سليم بن عامر يقول: كان بين معاوية وبين اهل الروم عهد وكان يسير في بلادهم حتى اذا انقضى العهد اغار عليهم فاذا رجل على دابة اوعلى فرس وهو يقول: الله اكبر وفاء لاغدر، واذا هو عمرو بن عبسة رضي الله عنه فساله معاوية عن ذلك فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من كان بينه وبين قوم عهد فلايحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضي امده اوينبذ اليهم على سواء قال: فرجع معاوية بالناس﴾ (۲۳۵)

حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ جنگ بندی کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت شام کے گورنر تھے یا خلیفہ تھے۔ اہل روم سے ان کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک مدت تک جنگ بند کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے سیاست دان آدمی تھے۔ مدت معاہدے کے دوران جنگ کی تیاری کرتے رہے اور جب معاہدہ ختم ہونے کا وقت بالکل قریب آگیا تو اس وقت انہوں نے سوچا کہ معاہدہ کی مدت کے دوران حملہ تو نہیں کیا جاسکتا لیکن اہل روم کے ملک میں داخل ہونے کی ممانعت تو نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے جنگ بندی کی مدت کے دوران ہی اپنی فوجیں لے کر ان کے ملک میں داخل ہوگئے اور چلتے رہے، جنگ نہیں کی۔ اور یہ سوچا کہ اہل روم تو اس خیال میں ہوں گے کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی اس کے بعد لشکر وہاں سے چلے گا تو یہاں پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگے گا اس لئے وہ لوگ غفلت میں پڑے ہوں گے اور میں ایسا کروں گا کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت ختم ہوگی اور اس دن کا سورج غروب ہوگا تو فوراً حملہ کردوں گا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے ملک میں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت

جیسے ہی ختم ہوئی فوراً ان پر حملہ کردیا۔ چونکہ وہ لوگ غفلت میں تھے، اس لئے آپ نے ان کے بہت سے علاقے فتح کر لئے۔ فتح کرتے ہوئے ابھی آگے جارہے تھے کہ اچانک دیکھا کہ ایک شخص ایک دابہ پر یا گھوڑے پر چلا آرہا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے۔ اللہ اکبر وفاء لاغدر یعنی مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں۔ وہ شخص قریب آئے تو پتہ چلا کہ وہ حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے یعنی ہم نے کون سی غداری کی ہے؟ حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا جب کسی کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو وہ اس معاہدے کو نہ کھولے اور نہ باندھے یعنی اس معاہدے کے اندر کوئی تصرف نہ کرے اور اس معاہدے کے خلاف کوئی کام نہ کرے، یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا ان کی طرف معاہدے کو برابر سرابر کر کے پھینک دے۔ یعنی یہ اعلان کردے کہ ہم اس معاہدے کو ختم کرتے ہیں اور اب ہم اس معاہدے کے پابند نہیں۔ جب تک یہ کام نہ کرے اس وقت تک اس معاہدے کے خلاف کوئی تصرف کرنا جائز نہیں۔ اور چونکہ آپ معاہدے کی مدت کے دوران ان کے ملک میں داخل ہوئے تھے، اس لئے آپ کا یہ عمل شریعت کے مطابق نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فوج کو لے کر واپس ہوگئے۔

وفاداری کی ایک بہترین مثال

ذرا تصور تو کرو کہ ایک لشکر شہر کے شہر، گاؤں کے گاؤں فتح کرتا ہوا جارہا ہے اور فتح کے نشے میں چور ہے اور کامیابیاں حاصل ہورہی ہیں۔ اس حالت میں ایک آدمی پیچھے سے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنادیتا ہے تو اس وقت میں ایک فاتح کا کیا عالم ہوگا۔ آج اس کا تصور کرنا ہے کہ ایک فاتح اتنی سی بات پر اپنا سارا پروگرام ختم کردے اور اپنا سارا منصوبہ منہدم کردے۔ یہ ایثار کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر مفتوحہ علاقہ دشمن کو واپس کردے۔ شاید دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہوگی۔ مجھ جیسا کوئی ہوتا تو ہزار تاویلیں کرلیتا کہ صاحب! ہم نے معاہدے کی مدت کے دوران حملہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف ایک عام شہری کی طرح ان کے ملک میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو کوئی تاویل نہیں کی بلکہ سر جھکا دیا اور فوج کو لے کر واپس چلے گئے اور مفتوحہ علاقہ خالی کردیا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا لڑنا اور جہاد کرنا ملک اور مال

حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے تھا۔ اس لئے جہاں یہ شک پیدا ہو گیا کہ ہمارا یہ عمل معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں؟ وہاں جہاد اور لڑائی چھوڑ دی۔

باب ماجاء ان لکل غادر لواء یوم القیامة

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة

(۲۳۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے جھنڈا گاڑا جائے گا۔ (یہ اس کی ذلت اور رسوائی سے کنایہ ہے)۔

باب ماجاء فی النزول علی الحکم

عن جابر رضی الله عنه انه قال رمی یوم الاحزاب سعد بن معاذ فقطعوا اکحله اوابجله فحسمه رسول الله صلی الله علیه وسلم بالنار فانتفخت یده فترکه فنزفه الدم فحسمه اخری فانتفخت یده، فلما رای ذلک قال: اللهم لا تخرج نفسی حتی تقرعینی من بنی قریظة فاستمسک عرقه فما قطر قطرة حتی نزلوا علی حکم سعد بن معاذ فارسل الیه فحکم ان یقتل رجالهم وتستحیی نسائهم یستعین بهن المسلمون فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اصبت حکم الله فیهم و کانوا اربع مائة فلما فرغ من قتلهم انفتق عرقه فمات

(۲۳۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ کو تیر لگ گیا جس کی وجہ سے ان کی رگ اکحل یا رگ ابجل کٹ گئی۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس کو آگ سے داغا تو ان کا ہاتھ سوج گیا۔ پھر جب چھوڑا تو خون بہنے لگا، آپ نے دوبارہ داغا تو پھر ہاتھ سوج گیا۔ جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو دعا کی کہ یا اللہ! میری روح اس وقت تک نہ نکلے جب تک تو بنی قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ کردے (یعنی جب تک ان کا فیصلہ نہ دیکھ لوں۔) اس دعا کے بعد ان کی رگ سے خون بہنا بند ہوگیا اور ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا، یہاں تک کہ بنی قریظہ نے سعد بن معاذ کو اپنا حکم بنالیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کردیئے جائیں اور عورتیں زندہ رکھی جائیں تاکہ مسلمان ان سے مدد حاصل کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے صحیح فیصلے تک پہنچ گئے ـــــ وہ لوگ چار سو کی تعداد میں تھے، جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے قتل سے فارغ ہوئے تو آپ کی رگ کھل گئی، اور آپ کا انتقال ہوگیا۔

﴿عن سمرة بن جندب رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقتلوا شیوخ المشرکین واستحیوا شرخهم﴾

(۲۳۸)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے بوڑھوں کو قتل کرو اور ان کے نابالغ بچوں کو زندہ رکھو۔

﴿عن عطیة القرظی رضی الله عنه قال: عرضنا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم قریظة فکان من انبت قتل، ومن لم ینبت خلی سبیله فکنت فیمن لم ینبت فخلی سبیلی﴾

(۲۳۹)

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریظہ کے دن ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو جس شخص کے زیر ناف کے بال نکل آئے تھے اسے قتل کردیا گیا اور جس کے زیر ناف کے بال نہیں اگے تھے اسے چھوڑ دیا گیا۔ میں ان لوگوں میں تھا جن کے بال نہیں اگے تھے، چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں حضرت عطیہ مسلمان ہوگئے اور بڑے اونچے درجے کے عالم ہوئے۔

بلوغ کی علامت کیا ہے؟

اس حدیث سے بعض فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ زیر ناف کے بالوں کا نکل آنا

بلوغ کی علامت ہے۔ لیکن دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ چونکہ وہاں عمر کی تعیین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور بلوغ کی جو اصل علامت احتلام ہے اس کو بھی معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، اس واسطے ایک ظاہری علامت کے طور پر زیر ناف کے بالوں کے نکل آنے کو اختیار کرلیا گیا تھا۔ اس لئے فقہاء کے نزدیک یہ بلوغ کی فیصلہ کن علامت نہیں ہے۔ (۲۴۰)

باب ماجاء في الحلف

﴿عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في خطبته اوفوا بحلف الجاهلية فانه لايزيده يعني الاسلام الا شدة ولاتحدثوا حلفا في الاسلام﴾ (۲۴۱)

حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ جاہلیت کے معاہدات کو پورا کرو۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں کسی سے کوئی معاہدہ کرلیا تھا مثلاً یہ کہ میں تمہاری مدد کروں گا اگر تم پر ظلم ہورہا ہوگا۔ اب اسلام لانے کے بعد بھی اس کو پورا کرو۔ اس لئے کہ اسلام اس معاہدے میں مزید اضافے کا باعث ہوگا، اس کو توڑنے کا باعث نہیں بنے گا، بشرطیکہ وہ معاہدہ ایسا ہو جو شرعاً جائز ہو تو اس کو باقی رکھنا اور اس کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد کوئی نیا معاہدہ نہ کرو کیونکہ جاہلیت میں جو معاہدے ہوتے تھے اس میں تو یہ کہا جاتا تھا کہ میں ہر حالت میں تیری مدد کروں گا۔

انصرا خاک ظالما او مظلوما کا مطلب

چنانچہ یہ مقولہ جو مشہور ہے کہ انصرا خاك ظالما او مظلوما یہ اصل میں جاہلیت کا مقولہ تھا وہ لوگ اس مقولے کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرتے تھے وہ یہ کہ اگر تمہارا بھائی ظلم بھی کررہا ہو تو بھی اس کی مدد کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جاہلیت کے اسی جملے کو استعمال فرمایا لیکن اس کے معنی بدل دیئے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انصرا خاك ظالما او مظلوما تو صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن ظالم کی کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو۔ اس طرح آپ نے اس جملے کے معنی بدل دیئے۔

جاہلیت میں کیئے گئے معاہدے کا حکم

حدیث باب میں جس معاہدے کی ممانعت ہے یہ وہ معاہدہ ہے جس میں ہر حالت میں مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اور عصبیت میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ اس میں بھی آدمی یہ سوچتا ہے کہ چونکہ یہ میرے وطن یا میری زبان کا یا میری قوم کا ہے، لہٰذا میں اس کی مدد کروں گا۔ چاہے یہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کو منتنة فرمایا۔ یعنی یہ بدبودار چیز ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ حق پر ہے یا باطل پر ہے۔ اگر حق پر ہے تو بیشک اس کی مدد کرو اور اگر باطل پر ہے تو اس کی مدد نہ کرو بلکہ اس شخص کی مدد کرو جو اس کے مقابلے میں حق پر ہے۔ چاہے وہ تمہارے قبیلے، تمہاری قوم اور تمہارے وطن کا آدمی نہ ہو۔

باب في اخذ الجزية من المجوسي

﴿عن بجالة بن عبدة قال: كنت كاتبا لجزء بن معاوية على مناذر فجاء نا كتاب عمر انظر مجوس من قبلك فخذ منهم الجزية فان عبدالرحمن بن عوف اخبرني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ الجزية من مجوس هجر﴾ (۲۴۲)

حضرت بجالۃ بن عبدہ فرماتے ہیں کہ میں مناذر کے مقام پر حضرت جزء بن معاویہ کا کاتب مقرر تھا۔ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خط آیا کہ اپنے علاقے میں مجوسیوں کو دیکھو کہ کون کون ہیں اور ان سے جزیہ وصول کرو، اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مقام کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

﴿عن بجالة ان عمر رضى الله عنه كان لا ياخذ الجزية من مجوس حتى اخبره عبدالرحمن بن عوف رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم اخذ الجزية من مجوس هجر﴾ (۲۴۳)

حضرت بجالۃ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔ حتی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

باب ماجاء مایحل من اموال اهل الذمة

﴿عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال: قلت یا رسول الله انا نمر بقوم فلاهم یضیفونا ولا هم یؤدون مالنا علیهم من الحق ولا نحن ناخذ منهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ابوا الا ان تاخذوا کرها فخذوا﴾ (۲۴۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بعض اوقات ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو نہ تو وہ ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ وہ لوگ وہ حق ادا کرتے ہیں جو ہمارا ان پر ہے اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں۔

بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی جنگی مہم پر کوئی لشکر بھیجا جاتا تو راستے میں جو گاؤں اور بستیاں آتیں، لشکر والوں کو ان بستیوں سے کھانا خریدنے کی ضرورت ہوتی تو وہ بستی والے جو مسلمانوں کے دشمن ہوتے یا مسلمانوں سے عناد رکھتے وہ نہ تو ان لشکر والوں کی مہمانی کرتے، جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ اگر بستی میں کوئی اجنبی مسافر آجاتا تو لوگ اس کی مہمانی کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ ہمارا حق نہیں دیتے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ بستی والے اپنی دکانیں بند کر کے چلے جاتے تھے تاکہ یہ مسلمان کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ اور ہم اس خیال سے ان سے زبردستی بھی نہیں لیتے تھے کہ زبردستی لینا ٹھیک نہیں ہے۔ ایسے موقع پر ہم کیا کریں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بستی والے دینے سے انکار کریں سوائے اس کے کہ تم ان سے زبردستی لو تو ان سے زبردستی لے لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی رضامندی سے بیع کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے تو تم زبردستی بھی ان سے لے سکتے ہو۔

جبری بیع کا حکم

اس حدیث سے فقہاء کرام نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کا امیر اور ولی الامر اگر مسلمانوں کی مصلحت سمجھے تو کسی شخص کو زبردستی بیع پر آمادہ کر سکتا ہے۔ عام حالات میں بیع کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ فریقین کی رضامندی سے وجود میں آتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم[1] لہٰذا زبردستی کسی کو بیع پر مجبور

(۱) سورۃ النساء: ۲۹۔

نہیں کیا جاسکتا لیکن ایسے حالات میں جہاں مسلمانوں کی کوئی حاجت داعی ہو اور مسلمانوں کی مصلحت عامہ کا تقاضہ ہو، اس وقت زبردستی بیچنے کا حکم ولی الامر اور حاکم دے سکتا ہے۔

مسجد کی توسیع کے لئے بیع پر مجبور کرنا

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مسجد حرام کی توسیع کا ارادہ کیا تو مسجد کے آس پاس لوگوں کے مکانات بنے ہوئے تھے اور مسجد تنگ پڑ رہی تھی۔ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے آس پاس جن کے مکان تھے ان کو حکم دیا کہ اپنے مکان خالی کرو اور مسجد کی ضرورت کے لئے ہمیں فروخت کردو، ہم تمہیں ان کی قیمت ادا کردیں گے۔ اس وقت بعض لوگوں نے ان میں سے یہ اعتراض کیا کہ رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوتی تو پھر ہم سے زبردستی بیع کیوں کی جارہی ہے؟ جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کعبے پر آکر اترے ہو، کعبہ تم پر آکر نہیں اترا۔ یعنی حقیقت میں یہ جگہ بیت اللہ اور اس کی ضروریات کے لئے تھی لیکن تم لوگوں نے آکر اس جگہ پر مکانات بنالئے اور اس جگہ پر قبضہ کرلیا ہے اور کعبہ کی ضرورت مقدم ہے اور جو زائرین آتے ہیں ان کو تنگی پیش آتی ہے۔ لہٰذا میں جبراً تم سے یہ زمین خریدوں گا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زبردستی وہ مکانات ان سے خریدے۔ اور پھر ان میں سے بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے پھر بھی مکان خالی کرنے سے انکار کیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کے مکانات کی قیمت بیت اللہ کے دروازے پر رکھ دی اور ان سے کہہ دیا کہ مکان خالی کردو اور قیمت وہاں سے اٹھالو۔ اس طرح زبردستی ان سے مکان خالی کرائے۔

اس واقعہ سے فقہاء کرام نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد تنگ ہوجائے اور اس کی توسیع کے لئے جگہ کی ضرورت ہو یا مسلمانوں کا راستہ تنگ ہوگیا ہے اور اس کے لئے جگہ کی ضرورت ہے تو حاکم اور اولی الامر کے لئے معاوضہ ادا کرکے لوگوں سے جگہ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ معاوضہ بازاری قیمت کے مطابق ہو اور معاوضہ ادا کرنے میں تاخیر نہ کی جائے بلکہ فوراً معاوضہ ادا کردیا جائے۔

اس کے برخلاف ایک اور واقعہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت بھی کسی شخص کو بیع پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسجد نبوی تنگ پڑگئی اور اس میں توسیع کی ضرورت پیش آئی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آس پاس کے مکان والوں سے کہا کہ آپ اپنے مکانات ہم کو فروخت کردیں، ہم ان کو مسجد میں داخل کریں

گے۔ بعض لوگوں نے خوشی سے دے دیئے اور بعض لوگوں سے زبردستی لے لئے۔ ان میں سے ایک مکان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو اپنا مکان نہیں دوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ مسجد نبوی کے لئے ضرورت ہے اس لئے آپ کو یہ مکان دینا ہوگا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی اصول نہیں ہے کہ آپ فروخت کرنے پر زبردستی کریں۔ میں دینے پر تیار نہیں ہوں۔ جب بات زیادہ آگے بڑھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اپنے درمیان کسی کو حکم بنالیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا گیا انہوں نے دونوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو زبردستی مکان لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کیا کہ جب آپ بیت المقدس کی تعمیر کررہے تھے تو اس وقت آپ ایک نوجوان لڑکے کی زمین لے کر بیت المقدس میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو زبردستی لینے پر ممانعت کے اشارے دیئے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے لئے زبردستی کسی کا مکان لینا جائز نہیں۔

جب یہ فیصلہ ہوگیا تو اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب میں اپنا یہ مکان ہدیۃً مسجد نبوی کے لئے دیتا ہوں۔ اور فرمایا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے سامنے مسئلہ واضح ہوجائے اور آئندہ کوئی حاکم کسی کے مکان یا جائیداد پر زبردستی قبضہ کرنے کی جرأت نہ کرے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے میرا یہ مقصد حاصل ہوگیا۔ اس لئے اب میں یہ زمین مسجد نبوی کے لئے مفت دیتا ہوں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا یہ موقف تھا۔ اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو تسلیم کرلیا کہ دوسرے کی زمین اور جائیداد اس کی مرضی کے بغیر لینا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت دوسرے کی زمین یا جائیداد زبردستی لینا اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب ضرورت شدید ہو اور اس کے بغیر گزارہ ممکن نہ ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ میرے مکان کو لینا کوئی ایسی ناگزیر ضرورت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے جبری بیع جائز ہوجائے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا۔ اس کے برخلاف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ ذکر کیا گیا، اس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صاف صاف بتادیا تھا کہ کعبہ تم پر آکر نہیں اترا تم کعبے پر آکر اترے ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ

کعبہ کے آس پاس کا علاقہ کعبہ کی ضروریات کے لئے تھا۔ اور قرآن کریم نے بھی فرمادیا، کہ جو لوگ یہاں مقیم ہیں اور جو لوگ باہر سے آنے والے ہیں، وہ سب اس حق میں برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں۔ تو چونکہ وہاں واقعۃً ضرورت تھی اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زبردستی لینے کا فیصلہ کیا اور فقہاء صحابہ میں سے کسی نے بھی اس فیصلے کی مخالفت نہیں کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار اس بات پر ہے کہ ضرورت کس درجے کی ہے؟ اگر واقعی ضرورت ایسی ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو اس صورت میں معاوضہ دے کر زبردستی لیا جاسکتا ہے۔ لیکن معاوضہ منصفانہ ہو یعنی بازاری قیمت کے مطابق ہونا چاہئے اور اس کی ادائیگی فوری ہونی چاہئے تاکہ مالک پریشان نہ پھرے البتہ بلامعاوضہ لینا کسی حال میں جائز نہیں۔

پاکستان کے قوانین اور جبری بیع

ہمارے پاکستان میں جو قوانین رائج ہیں، ان میں سے بعض قوانین ایسے تھے جو بلامعاوضہ دوسرے کی ملکیت لینے کی اجازت دیتے تھے۔ وہ قوانین تو الحمدللہ اب میرے فیصلے کے ذریعہ منسوخ ہوگئے۔ لیکن بعض قوانین اب بھی ایسے ہیں جن میں جبری بیع کی اجازت ہے لیکن ان میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ اس جائیداد کا معاوضہ بازاری قیمت کے حساب سے نہیں دیا جائے گا بلکہ قیمت مقرر کرنے میں حکومت آزاد ہے جو قیمت چاہے مقرر کرے۔ یہ طریقہ درست نہیں۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل میرے اس فیصلے میں موجود ہے جو سپریم کورٹ میں لکھا تھا۔ یہ فیصلہ اب کتابی شکل میں "ملکیت زمین اور اس کی تحدید" کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ اس فیصلے نے ذوالفقار علی بھٹو کے دور کے قوانین کو ختم کیا ہے۔ اس فیصلے میں میں نے تفصیلی دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حکومت کو کس وقت کسی کی ملکیت معاوضہ کے ساتھ لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور بلامعاوضہ اور بلاضرورت دوسرے کی جائیداد لینے پر جو دلائل دیئے ہیں ان کی تفصیل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔

باب ماجاء فی الهجرة

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم فتح مكة لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد و

نیة واذا استنفرتم فانفروا ﴾ (٢٤٥)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہجرت جو پہلے فرض عین تھی اور جو مسلمان مکہ مکرمہ میں مقیم تھا اس پر فرض عین تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ جائے، وہ ہجرت اب فرض نہیں رہی۔ البتہ اب ہجرت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے دارالکفر میں مقیم ہے جہاں اپنے دین کے احکام پر عمل کرنا ممکن نہیں تب تو ہجرت کرنا اس شخص پر فرض ہے۔ اور اگر وہ ایسی جگہ پر مقیم ہے جہاں وہ دین کے احکام پر عمل کرسکتا ہے تو اس صورت میں ہجرت کرنا مستحب ہے۔ لیکن اب جہاد ہے اور نیت حسنہ ہے۔ یعنی آدمی یہ نیت رکھے کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے گی تو اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال کو قربان کروں گا۔ اور جب تمہیں جہاد کے لئے نکالا جائے تو نکل کھڑے ہو۔

باب ماجاء فی بیعة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

﴿عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ فی قولہ تعالٰی : لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذیبا یعونک تحت الشجرة قال جابر بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ان لانفر ولم نبایعہ علی الموت ﴾ (٢٤٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرآن کریم کی آیت لقد رضی اللّٰہ کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے اور ہم نے موت پر بیعت نہیں کی تھی۔

﴿عن یزید بن ابی عبید قال قلت لسلمة بن الاکوع علی ای شی بایعتم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الحدیبیة قال علی الموت ﴾ (٢٤٧)

حضرت یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صلح حدیبیہ کے دن آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ موت پر۔

بظاہر دونوں احادیث میں تضاد معلوم ہورہا ہے۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیعت علی الموت کی نفی کی اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے موت پر بیعت کی تھی۔ حقیقت میں دونوں میں کوئی تضاد نہیں، اس لئے کہ یہ مختلف حالات پر محمول ہے۔ بعض مرتبہ بیعت اس بات پر لی گئی کہ بھاگیں گے نہیں اور بعض مرتبہ اس بات پر لی گئی کہ مرجائیں گے لیکن پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: كنا نبايع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على السمع والطاعة فيقول لنا فيما استطعتم﴾ (۲۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اس وقت فرماتے کہ بقدر استطاعت۔

﴿عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال لم نبايع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على الموت انما بايعناه على ان لا نفر﴾ (۲۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم میدان جہاد سے بھاگیں گے نہیں۔

باب فی نکث البیعة

﴿عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلاثة لا يكلمهم اللّٰه يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم رجل بايع اماما فان اعطاه وفا له وان لم يعطه لم يف له﴾ (۲۵۰)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے نہ بات کریں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے امام کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر اگر امام نے اس کو کچھ دے دیا تو اس کی اطاعت کی ورنہ نہیں کی۔

باب ماجاء فی بیعة العبد

﴿عن جابر رضی اللّٰه عنه انه قال: جاء عبد فبایع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی الهجرة ولا یشعر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انه عبد فجاء سیده فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعنیه فاشتراه بعبدین اسودین ولم یبایع احدا بعد حتی یسئله اعبد هو؟﴾ (۲۵۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کے ہاتھ پر ہجرت پر بیعت کرلی۔ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ غلام ہے۔ اس کے بعد اس غلام کا مالک بھی آگیا۔ آپ نے مالک سے فرمایا کہ یہ غلام مجھے فروخت کردو۔ چنانچہ آپ نے اسے دو سیاہ غلاموں کے عوض خرید لیا۔ اس کے بعد آپ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تو پہلے یہ پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد ہے۔

باب ماجاء فی بیعة النساء

﴿عن محمد بن المنکدر سمع امیمة بنت رقیقة رضی الله عنها تقول: بایعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی نسوة فقال لنا فی ما استطعتن واطقتن قلت اللّٰه ورسوله ارحم بنا منا بانفسنا فقلت یا رسول اللّٰه بایعنا قال سفیان تعنی صافحنا فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انما قولی لمائة امراة کقولی لامراة واحدة﴾ (۲۵۲)

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کئی عورتوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے فرمایا جتنی تمہاری استطاعت اور طاقت ہو۔ میں نے کہا اللہ اور اللہ کے رسول ہماری جانوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم سے بیعت لے لیجئے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بیعت سے مراد مصافحہ ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا سو عورتوں کو کہا جانے والا قول ایک عورت کو کہے جانے والے قول کی طرح ہے۔

(یعنی مصافحہ کی ضرورت نہیں۔ قول ہی سے بیعت کافی ہے)

باب فی عدة اصحاب البدر

﴿عن البرآء قال كنا نتحدث ان اصحاب بدر يوم بدر كعدة اصحاب طالوت ثلاث مائة وثلاثة عشر﴾ (۲۵۳)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی تعداد اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر تھی۔ یعنی تین سو تیرہ تھے۔

باب ماجاء فی الخمس

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال لوفد عبد القیس امرکم ان تود وا خمس ما غنمتم﴾

(۲۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس سے فرمایا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرو۔

باب ماجاء فی کراهیة النهبة

﴿عن رافع قال كنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فتقدم سرعان الناس فتعجلوا من الغنائم فاطنجوا و رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی اخری الناس فمر بالقدور فامر بها فاكفئت ثم قسم بينهم فعدل بعيرا بعشر شياه﴾

(۲۵۵)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو کچھ جلد باز قسم کے لوگ آگے بڑھے اور انہوں نے مال غنیمت کی کچھ چیزیں لے لیں اور ان کو پکانا شروع کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پیچھے تھے، جب آپ ان دیگوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان دیگوں کو الٹ دینے کا حکم دیا، وہ الٹ دی

گئیں۔ پھر آپ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا اور تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک مال غنیمت تقسیم نہ ہوجائے اس وقت تک اس میں سے کوئی چیز کھانا یا اپنے استعمال میں لانا درست نہیں۔ کیونکہ اگرچہ اس مال سے سارے مسلمانوں کا حق متعلق ہے لیکن جب تک تقسیم نہ ہوجائے اس وقت تک کسی فرد واحد کو اس سے انتفاع کا حق حاصل نہیں۔

سرکاری املاک سے اپنا حق وصول کرنا

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے یعنی اس کو مولویت کے رنگ میں دھوکہ دیتا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک مولوی نے استفتاء بھیجا اور اس میں لکھا کہ میں سرکاری املاک کو بے دھڑک استعمال کرتا ہوں۔ مثلاً بجلی چوری کرلی، سرکاری ٹیلیفون استعمال کرلیا، انعامی بانڈ کے ذریعہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ وصول کرلی کیونکہ وہ سرکاری پیسہ ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ سرکاری خزانے میں علماء اور طلبہ کا بھی حق ہے، اور حکومت وہ حق نہیں دیتی ہے۔ اس لئے ہم زبردستی ان طریقوں سے وصول کرلیتے ہیں۔ دیکھئے حدیث باب میں جس مال غنیمت کا ذکر ہے اس مال غنیمت میں تمام مجاہدین کا حق ثابت ہوگیا تھا لیکن جب تک تقسیم نہیں ہوگیا اس وقت تک آپ نے اس سے انتفاع کی اجازت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض حق ثابت ہوجانا وصول کرنے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ وہ باقاعدہ تقسیم ہو کر نہ مل جائے اور مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوجائیں۔

مال غنیمت میں ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے

اور اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر کیا۔ اس سے جمہور فقہاء کے اس موقف کی تقویت ہوتی ہے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ ایک اونٹ دس آدمیوں میں تقسیم ہوسکتا ہے اس سے مراد تقسیم غنیمت ہے۔ قربانی مراد نہیں۔

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من انتھب فلیس منا﴾ (۲۵۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب ماجاء فی التسلیم علی اهل الکتاب

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لاتبدؤا الیهود و النصاری بالسلام واذا لقیتم احدهم فی الطریق فاضطروه الی اضیقه﴾ (۲۵۷)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود و نصاری کو سلام کی ابتداء نہ کرو اور اگر ان سے راستے میں ملاقات ہوجائے تو اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کرو۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ ان سے ملاقات کے وقت تحیہ کا کوئی لفظ بھی ابتداءً استعمال نہ کرنا چاہئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سلام کے علاوہ دوسرے الفاظ استعمال کرسکتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ انگریز ہے تو اس سے ملاقات کے وقت گڈ مارننگ کہہ دو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن السلام علیکم سے ابتدا نہ کرے۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ لوگ تمہیں سلام کریں تو جواب میں تم صرف علیکم کہہ دو۔ البتہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جواب میں پورا وعلیکم السلام کہنا بھی جائز ہے۔ لیکن یہ نیت ہو کہ اس کو سلامتی اسلام کے واسطے سے ہو یعنی یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسلام کی توفیق دے اور اس کے نتیجے میں اس پر سلامتی ہو، اس نیت سے پورا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه قال: رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان الیهود اذا سلم علیکم احدهم فانما یقول السام علیك فقل علیك﴾

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود جب تم کو سلام کرتے ہیں تو السام علیک کہتے ہیں۔ لہٰذا جواب میں تم علیک کہہ دو۔

باب ماجاء فی کراهیة المقام بین اظهر المشرکین

﴿عن جریر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه

علیه وسلم بعث سریة الی خثعم فاعتصم ناس بالسجود فاسرع فیهم القتل فبلغ ذلک النبی صلی الله علیه وسلم فامرلهم بنصف العقل وقال انا بری من کل مسلم یقیم بین اظهر المشرکین قالوا یا رسول الله ولم؟ قال لاترآی ناراهما﴾ (۲۵۸)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو خثعم کی طرف ایک لشکر بھیجا تو اس قبیلے کے بعض لوگوں نے سجدہ کے ذریعے بچاؤ کیا یعنی سجدہ کر کے دکھایا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، لیکن انہیں جلدی قتل کر دیا گیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ لوگ سجدہ میں گرے ہوئے تھے، اس کے باوجود مسلمانوں نے انہیں قتل کر دیا ہے تو آپ نے ان کے لئے نصف دیت دیئے جانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو ـــــ یعنی اگر کبھی مسلمانوں کا لشکر ان پر حملہ کرے اور وہ مسلمان مارا جائے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، کیونکہ وہ خود غلطی کر رہا ہے کہ مشرکین کے درمیان رہ رہا ہے ـــــ صحابہ کرام نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نظر نہ آنی چاہئیں۔ یعنی مسلمانوں کو کافروں کی بستی سے اس طرح ممتاز اور دور رہنا چاہئے کہ اگر مسلمان آگ جلائیں تو کافروں کو آگ نظر نہ آئے۔ اور اگر کافر آگ جلائیں تو مسلمانوں کو نظر نہ آئے۔ ایک بستی میں سب اس طرح نہ رہیں کہ اس میں کافر اور مسلم کا کوئی فرق نہ ہو۔ اسی لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ باب قائم فرمایا۔

غیر مسلموں کے ملک میں رہنے کا حکم

اگرچہ اس حدیث کی عبارۃ النص سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر مشرکین کی بستی میں کوئی مسلمان مقیم ہے اور مسلمانوں کا لشکر اس بستی پر حملہ آور ہو جائے اور ناواقفیت کی وجہ سے وہ مسلمان مارا جائے تو مسلمانوں پر ان کا تاوان اور دیت وغیرہ کچھ نہیں آئے گا۔ لیکن اس حدیث سے اشارۃ النص کے طور پر یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ایک مسلمان کو غیر مسلم کی بستی میں نہیں رہنا چاہئے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں قیام پذیر ہے اور وہاں

رہنے کا کوئی معقول مقصد نہیں ہے بلکہ زیادہ پیسے کمانا مقصود ہے۔ جیسے آج کل لوگ امریکہ اور یورپ وغیرہ میں جاکر آباد ہو جاتے ہیں اور ان کا مقصد پیسے میں اضافہ کرنا ہے۔ حالانکہ اپنے ملک میں بقدر ضرورت روزی میسر ہو سکتی تھی اس کے باوجود غیر مسلم ملک میں جاکر آباد ہو گئے۔ اس طرح وہاں پر جاکر مستقل مقیم ہو جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہاء کرام نے یہاں تک فرمایا کہ جو شخص ایسا کرے اس کی شہادت بھی قبول نہیں، گویا کہ اس کو فاسق قرار دے دیا جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی ضرورت داعی ہے مثلاً یہ کہ اپنے ملک میں روزگار ملتا ہی نہیں۔ ایسی صورت کے بارے میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی منا کبها وکلوا من رزقه[1] لہٰذا ایسی صورت میں اگر کوئی مسلمان دوسرے غیر مسلم ملک میں تلاش روزگار کے لئے جاتا ہے تو فی نفسہ اس کے لئے جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا اہتمام کرے کہ غیر مسلم ملک میں جانے کے بعد اپنے شعائر اسلامی اور واجبات اسلامی کو ترک نہیں کرے گا اور اپنے بچوں کی صحیح تربیت کر سکے گا۔ اگر اس کا اطمینان ہو تو پھر جا سکتا ہے۔

غیر مسلم ممالک میں پناہ لینا

بعض اوقات یہ مجبوری ہوتی ہے کہ مسلمان ملک میں پناہ نہیں ہے، وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے تو ایسی صورت میں اگر مجبوراً کسی غیر مسلم ملک میں چلا جائے تو بھی جائز ہے لیکن وہاں جاکر اس بات کا اہتمام کرے کہ دین کے احکام پر عمل کرے اور اس پر عمل کرنے میں جو رکاوٹیں ہوں ان کو دور کرے۔ مثلاً آج کل بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں کہ اگر وہاں کوئی مسلمان دین کا نام لے تو اس پر سختیاں کی جاتی ہیں، اس کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے، اس کو پریشان کرتے ہیں۔ چنانچہ آج مصر میں، الجزائر میں، تیونس میں یہی ہو رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم ملک میں چلا جائے جہاں اس کو اسلامی عبادات اور احکام پر عمل کی آزادی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ مصر، شام اور الجزائر وغیرہ کے بہت سے مسلمان ایسے ہیں جن کو کسی مسلمان ملک نے پناہ نہیں دی اور ان کی اپنی حکومتوں نے دین کی وجہ سے ان پر ظلم کیا، ان کو امریکہ اور یورپ نے پناہ دی وہ لوگ وہاں جاکر آباد ہو گئے۔ حالانکہ آج عالم اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلا ہوا ہے لیکن کہیں ان کو پناہ نہیں ملی۔

---

(۱) سورۃ الملک: ۱۵۔

آج کل کے اسلامی ممالک ''دارالاسلام'' ہیں یا نہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس اسلامی ملک میں نہ صرف یہ کہ اسلامی احکام نافذ نہ ہوں بلکہ اسلام کا نام لینے والوں پر سختیاں کی جارہی ہوں جس کی وجہ سے وہ دوسری جگہ جاکر پناہ لینے پر مجبور ہوں تو ایسے ملک دارالاسلام کیونکر کہیں گے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے وہ ملک پھر بھی دارالاسلام ہے۔ کیونکہ دارالاسلام کی تعریف یہ نہیں ہے کہ وہاں بالفعل اسلامی احکام نافذ ہوں بلکہ دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ اس ملک پر غالب قوت مسلمانوں کی ہو کہ جب وہ اسلامی احکام نافذ کرنا چاہیں تو نافذ کرسکیں، چاہے بالفعل انہوں نے اسلامی احکام نافذ نہ کر رکھے ہوں۔ اور چاہے وہ مسلمانوں پر اور دین کا نام لینے والوں پر ظلم ہی کررہے ہوں۔ اس لئے کہ ان کاموں سے وہ ملک دارالاسلام کی تعریف سے نہیں نکلتا۔ لہٰذا اس پر دارالاسلام ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

جب حجاج بن یوسف حکمران بنا تو اس نے تقریباً ایک لاکھ سے زائد افراد کو قتل کیا، اور وہ افراد بھی علماء، فقہاء، محدثین، قراء اور حفاظ تھے۔ لیکن اس کے اس عمل کی وجہ سے وہ ملک دارالاسلام ہونے سے نہیں نکلا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا اور اس پر دارالاسلام ہی کے احکام جاری ہوں گے تاوقتیکہ اس پر کافروں کا اقتدار قائم نہ ہوجائے۔ جب ان کا اقتدار قائم ہوجائے تو اس وقت وہ ملک دارالحرب کے حکم میں ہوگا ورنہ نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ دارالاسلام ایک ایسی اصطلاح ہے کہ اس پر بے شمار احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔ اگر ہم اس کو دارالحرب قرار دے دیں تو اس کے احکام بدل جائیں گے۔ لہٰذا ان فقہی احکام کی حد تک ملک دارالاسلام ہی رہے گا۔

ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف خروج کا حکم

اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی اسلامی ملک پر غلط افراد اقتدار پر آجائیں تو کیا ان کے خلاف خروج کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی اسلامی حکومت پر ظالم اور ایسے حکمران مسلط ہوجائیں جو اسلام سے انتہائی دور ہیں تو ان کو وہاں سے ہٹانے کے لئے اور صحیح افراد کی طرف اقتدار منتقل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اور بعض اوقات اس کی بھی گنجائش ہوگی کہ ان کے خلاف باقاعدہ خروج کیا جائے اور غلط آدمی کو ہٹایا جائے۔

لیکن خروج کی پہلی شرط یہ ہے کہ خروج کرنے کی طاقت ہو۔ اس لئے کہ اگر طاقت کے بغیر خروج کیا جائے گا تو پھر یہ مثال صادق آئے گی کہ دوسرے کا سر نہیں پھوڑ سکتے تو اپنا ہی سر پھوڑ لیں۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ اس خروج کے نتیجے میں ایسی خونریزی اور خانہ جنگی ہو جائے جو مسلمانوں کے لئے زیادہ فتنے کا موجب ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کا ایک امیر ہو اور سب لوگ اس کے ماتحت خروج کریں۔ اس لئے کہ امیر کے بغیر خروج کے نتیجے میں کامیابی کے حصول کے بعد آپس ہی میں جنگ و جدال شروع ہو جائے گا۔ اگر یہ دونوں شرائط موجود ہوں تو میرے نزدیک اس وقت عالم اسلام کے بیشتر حکمرانوں کے خلاف خروج جائز ہو جائے گا۔

﴿وروی سمرة بن جندب رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تساكنوا المشركين ولا تجامعوهم فمن ساكنهم او جامعهم فهو مثلهم﴾ (۲۵۹)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کے ساتھ مت رہو اور ان کے ساتھ اپنے آپ کو جمع نہ کرو۔ جو شخص ان کے ساتھ رہے یا ان کے ساتھ جمع ہو جائے وہ انہی جیسا ہے۔ دیکھئے، اس حدیث میں کتنی سخت وعید بیان فرمادی۔ اس لئے جب تک کوئی ضرورت داعی نہ ہو غیر مسلم ملک میں جاکر بلاوجہ آباد ہونے کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

غیر مسلم ملک میں مسلم بستی کے اندر قیام کا حکم

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں جاکر اپنی بستی الگ آباد کرلیں اور اس بستی میں صرف مسلمان ہی ہوں تو اس میں جاکر قیام کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت تو پھر بھی اس بستی میں جاکر آباد نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر مسلمان اپنی بستی الگ بھی کرلیں پھر بھی غیر مسلموں سے بہت سے معاملات میں واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے بلاضرورت تو وہاں بھی آباد نہ ہو۔ البتہ اگر ضرورت ہو تو ان کی بستی میں رہنے کے مقابلے میں مسلمانوں کی الگ بستی میں قیام کرنا زیادہ بہتر ہے۔

باب ماجاء فی اخراج الیهود والنصاری من جزیرة العرب

﴿اخبرنی عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه انه سمع رسول اللّٰہ

صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لاخرجن الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب فلا اترک فیھا الا مسلما ﴾ (۲۶۰)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں یہود و نصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا اور مسلمان کے علاوہ کسی کو اس میں نہیں چھوڑوں گا۔

جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کو قیام کی اجازت نہیں

یہ حکم اس اصول پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ عرب کو مسلمانوں کا مستقر بنایا ہے۔ یہ مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس لئے اب اس میں کسی غیر مسلم کو مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرہ عرب میں کافروں سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تو صرف دو چیزیں ہیں یا اسلام یا تلوار۔ البتہ اگر عارضی طور پر تجارت یا ملازمت کے ارادے سے یہاں رہیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اور جزیرہ عرب کی حد یہ ہے: اردن کی سرحد سے یمن تک لمبائی میں اور چوڑائی میں بحر احمر سے خلیج فارس تک۔ اس وقت جزیرہ عرب کے اندر کم از کم میرے خیال میں ایک درجن حکومتیں ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک حکومت تھی۔

﴿عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لئن عشت ان شاء اللّٰہ لاخرجن الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب ﴾ (۲۶۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میں انشاء اللہ زندہ رہا تو یہود و نصاری کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا۔

باب ماجاء فی ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: جاء ت فاطمۃ رضی اللہ عنھا الی ابی بکر رضی اللہ عنہ فقالت: من یرثک؟ قال: اھلی وولدی قالت: فمالی لا ارث ابی؟ فقال ابوبکر: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا نورث ولکن اعول من کان

رسول الله صلى الله عليه وسلم يعوله وانفق على من كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق عليه (٢٦٢)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور فرمایا: آپ کا وارث کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: میرے گھر والے اور میری اولاد۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں پھر اپنے والد کی وارث کیوں نہیں ہوں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس کی کفالت کرتے تھے میں بھی اس کی کفالت کروں گا اور جس پر آپ خرچ کیا کرتے تھے میں بھی اس پر خرچ کروں گا۔

عن مالك بن اوس بن الحدثان قال: دخلت على عمر بن الخطاب رضى الله عنه ودخل عليه عثمان بن عفان والزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن ابى وقاص ثم جاء على والعباس يختصمان فقال عمر لهم: انشدكم بالله الذى باذنه تقوم السماء والارض اتعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نورث ما تركناه صدقة قالوا نعم قال عمر: فلما توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابوبكر: انا ولى رسول الله صلى الله عليه وسلم فجئت انت وهذا الى ابى بكر تطلب انت ميراثك من ابن اخيك ويطلب هذا ميراث امراته من ابيها، فقال ابوبكر: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا نورث ما تركناه صدقة" والله يعلم انه صادق بار راشد تابع للحق وفى الحديث قصة طويلة (٢٦٣)

حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوا تو حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی آگئے، اتنے میں حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما بھی تکرار کرتے ہوئے آگئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس اللہ کی قسم

دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ ان سب نے فرمایا کہ ہاں! ہمیں معلوم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں، اس وقت آپ (یعنی حضرت عباس) اور یہ (یعنی حضرت علی) دونوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ اپنے بھتیجے کی اور یہ اپنی بیوی کے باپ کی میراث طلب کرنے لگے، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے" اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ (حضرت ابوبکر) سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔

باب ما جاء قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ الخ

عن الحارث بن مالک بن برصاء رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ یقول: لا تغزی ھذہ بعد الیوم الی یوم القیمۃ (۲۶۴)

حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد قیامت تک مکہ مکرمہ کو فتح نہیں کرنا پڑے گا۔ یعنی انشاء اللہ قیامت تک یہ مسلمانوں ہی کی تحویل میں رہے گا، اور کافروں کی تحویل میں اس طرح نہیں جائے گا کہ اس کو چھڑانے کے لئے مسلمانوں کو جہاد کرنا پڑے اور اس کو فتح کرنا پڑے۔ ایسا نہیں ہوگا۔

باب ما جاء فی الساعۃ التی یستحب فیھا القتال

عن النعمان بن مقرن قال: غزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فکان اذا طلع الفجر امسک حتی تطلع الشمس فاذا

طلعت قاتل فاذا انتصف النهار امسک حتی تزول الشمس فاذا زالت الشمس قاتل حتی العصر ثم امسک حتی یصلی العصر ثم یقاتل وکان یقال عند ذلک تهیج ریاح النصر ویدعو المؤمنون لجیوشهم فی صلوتهم﴾ (۲۶۵)

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہا، جب فجر طلوع ہوتی تو آپ لڑائی روک دیتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہوجائے۔ اور جب سورج طلوع ہوجاتا تو پھر لڑائی شروع فرماتے، پھر جب نصف النہار ہوجاتا تو لڑائی روک دیتے حتی کہ آفتاب ڈھل جائے۔ پھر جب زوال آفتاب ہوجاتا تو پھر لڑائی شروع فرماتے اور عصر تک جاری رکھتے۔ اور عصر کے وقت لڑائی روک دیتے اور عصر کی نماز ادا فرماتے، عصر کی نماز کے بعد پھر لڑائی شروع فرماتے۔ اور اس وقت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت مدد الٰہی کی ہوا چلتی ہے۔ اور مؤمنین نمازوں میں اپنے لشکروں کے لئے اس وقت دعا کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی الطیرة

﴿عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الطیرة من الشرک، ومامنا ولکن اللہ یذهبه بالتوکل﴾ (۲۶۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدفالی اور بدشگونی لینا شرک کا ایک شعبہ ہے۔ اور "وما منا" کے بعد ایک جملہ محذوف ہے۔ "وما منا الا وقد یتوهم الطیرة" یعنی ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے دل میں کبھی بدفالی اور بدشگونی کا خیال دل میں نہ آتا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو توکل کے ذریعہ زائل فرمادیتے ہیں۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ توہمات دل سے نکل جاتے ہیں۔

بدفالی اور بدشگونی لینا

اس حدیث میں بدفالی اور بدشگونی کی ممانعت فرمائی ہے، جیسے سکھوں کے اندر یہ مشہور ہے کہ اگر یہ گھر سے کسی مقصد کے لئے نکلتے اور سامنے سے بلی راستہ کاٹ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سفر

اب منحوس ہوگیا۔ اس لئے اس وقت واپس آجاتے ہیں اور سفر ملتوی کردیتے ہیں۔ مثلاً کوا بائیں طرف اڑ گیا تو اس سے بدفالی لیتے ہیں۔ یہ بدفالی شرک کا ایک شعبہ ہے۔ اور یہاں جہاد میں اس کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ جب لوگ جنگ کے لئے نکلتے ہیں تو اس وقت لوگ بدشگونی بہت کرتے ہیں، اس لئے اس کو منع کیا گیا۔ البتہ نیک فال لینا جائز ہے۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لئے روانہ ہوتے اور اس وقت "یا نجیح" کا کلمہ کسی کی زبان سے سن لیتے تو آپ خوش ہوتے اور فرماتے کہ ہم نے آغاز سفر ہی میں نجاح کا کلمہ سن لیا۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائیں گے۔ لیکن بدفالی جائز نہیں

﴿عن انس رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا عدوی ولا طیره واحب الفال قالوا: یا رسول الله وما الفال؟ قال الكلمة الطيبة﴾ (۲۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عدویٰ اور بدفالی نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! فال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا کلمہ۔

ایک کی بیماری دوسرے کو لگنے کا عقیدہ

"عدویٰ" کے معنی ہیں بیماری کا ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف متعدی ہونا۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ اس کی نفی نہیں کی گئی بلکہ زمانہ جاہلیت میں "عدویٰ" ایک مخصوص عقیدہ تھا۔ وہ یہ کہ بیماری کے اندر بذات خود دوسرے کو لگنے کی تاثیر ہے۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بغیر بھی۔ جاہلیت کے اس غلط عقیدے کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نفی فرمائی۔ لیکن اگر کوئی شخص اسباب کے درجے میں یہ کہے کہ یہ بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف متعدی ہوتی ہے، لیکن وہ بیماری خود مؤثر بالذات نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور حکم سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں۔ لہٰذا جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ فرمن المجذوم فرارك من الاسد اس کا مطلب یہ ہے کہ سبب کے درجے میں احتیاط کرنی چاہئے اور یہ احتیاط اس حکم کے منافی نہیں۔ اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کے ساتھ کھانا

کھایا، یہ بتانے کے لئے کہ بیماری کی ذات میں کوئی تاثیر نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو۔

﴿عن انس بن مالک رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یعجبه اذا خرج لحاجته ان یسمع یا راشد یا نجیح﴾
(۲۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر وغیرہ کے لئے نکلتے تو آپ "یا راشد یا نجیح" کے کلمات سننے کو پسند فرماتے تھے۔ "راشد" رشد سے نکلا ہے، اور لفظ "نجیح" نجاح سے نکلا ہے، دونوں چیزیں ایک مسافر کے لئے یا کسی ضرورت سے باہر نکلنے والے کے لئے خیر وبرکت کی باعث ہیں۔ رشد کے معنی ہیں ہدایت، اور نجاح کے معنی ہیں کامیابی۔

باب ماجاء فی وصیة النبی صلی الله علیه وسلم فی القتال

﴿عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا بعث امیرا علی جیش اوصاه فی خاصة نفسه بتقوی الله ومن معه من المسلمین خیرا۔ وقال: اغزوا بسم الله وفی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا فاذا لقیت عدوک من المشرکین فادعهم الی احدی ثلث خصال او خلال ایتها اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم ادعهم الی الاسلام والتحول من دارهم الی دار المهاجرین واخبرهم انهم ان فعلوا ذلک فان لهم ماللمها جرین وعلیهم ما علی المهاجرین وان ابوا ان یتحولوا فاخبرهم انهم یکونون کاعراب المسلمین یجری علیهم ما یجری علی الاعراب لیس لهم فی الغنیمة والفئی شئی الا ان یجاهدوا فان ابوا فاستعن بالله علیهم وقاتلهم واذا حاصرت حصنا

فارادوک ان تجعل لهم ذمة الله وذمة نبیه فلا تجعل لهم ذمة الله ولا ذمة نبیه واجعل لهم ذمتک وذمم اصحابک فانکم ان تخفروا ذممکم وذمم اصحابکم خیرلکم من ان تخفروا ذمة الله وذمة رسوله واذا حاصرت اهل حصن فارادوک ان تنزلوهم علی حکم الله فلا تنزلوهم ولکن انزلهم علی حکمک فانک لا تدری اتصیب حکم الله فیهم ام لا اونحوذا﴾ (۲۶۹)

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو آپ اس کو یہ وصیت کرتے کہ وہ اپنے نفس کے معاملات میں اللہ سے ڈرے، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہوتے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتے، اور فرماتے کہ بسم اللہ پڑھ کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو اور کافروں سے قتال کرو اور مال غنیمت میں خیانت مت کرو۔ اور بدعہدی مت کرو۔ اور کسی کو مثلہ مت کرو۔ اور کسی بچے کو قتل مت کرو۔ اور جب تمہارا مقابلہ تمہارے مشرک دشمن سے ہو تو تم ان کو تین میں سے ایک بات کی دعوت دو۔ اگر وہ ان تین میں سے کسی ایک پر راضی ہوجائیں تو تم ان سے قبول کرلو اور پھر ان سے رک جاؤ اور ان سے قتال نہ کرو۔ سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اور یہ کہ وہ اپنے گھروں سے دارالمہاجرین کی طرف منتقل ہوجائیں۔ اور ان کو بتادو کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے وہی حقوق اور وہی فرائض ہوں گے جو دوسرے مہاجرین کے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ اپنی جگہ سے منتقل ہونے سے انکار کردیں یعنی اسلام تو لائیں لیکن ہجرت نہ کریں تو اس صورت میں ان پر وہی احکام جاری ہوں گے جو دوسرے اعراب المسلمین کے ہوتے ہیں۔ اور مال غنیمت اور مال فئی میں سے اس وقت تک ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا جب تک وہ جہاد نہ کریں۔ اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتے ہوئے ان سے قتال کرو۔ اور اگر تم کسی قلعے کا محاصرہ کرلو اور وہ لوگ یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ دو، تو تم ان سے یہ مت کہو کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کا ذمہ دیتے ہیں، بلکہ یہ کہو کہ ہم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی ذمے کی بے حرمتی کرنا یہ زیادہ شدید ہے اس بات سے کہ انسان اپنے ذمے کی بے حرمتی کرلے۔ اسی طرح اگر تم کسی قلعے کا محاصرہ کرلو اور وہ لوگ یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتارو، یعنی اللہ کے فیصلے پر مصالحت کرنا چاہیں تو تم ایسا مت کرو بلکہ ان سے یہ

کہو کہ ہم تم کو اپنے فیصلے پر اتارتے ہیں، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ جو تم فیصلہ کررہے ہو وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟ لہٰذا اپنے فیصلے کو اللہ کا فیصلہ قرار نہ دو۔

﴿عن انس بن مالك رضی الله عنه قال كان النبی صلی الله عليه وسلم لا يغير الا عند صلوة الفجر فان سمع اذانا امسك والا اغار واستمع ذات يوم فسمع رجلا يقول الله اكبر فقال علی الفطرة فقال اشهدان لا اله الا الله قال خرجت من النار﴾

(   )

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے وقت حملہ کیا کرتے تھے، اگر اذان سنتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کردیتے۔ ایک دن آپ نے اذان کی آواز سننے کے لئے کان لگائے تو ایک شخص کو سنا، وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ فطرت اسلام پر ہے، پھر اس شخص نے اشھدان لا الہ الا اللہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ تو آگ سے نکل گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابواب فضائل الجهاد

باب فضل الجهاد

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قيل يا رسول الله ما يعدل الجهاد قال: انكم لا تستطيعونه فردوا عليه مرتين او ثلاثا كل ذلك يقول لا يستطيعونه فقال فى الثالثة مثل المجاهد فى سبيل الله مثل الصائم القائم الذى لا يفتر من صلوة ولا صيام حتى يرجع المجاهد فى سبيل الله﴾ (۲۷۰)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل جہاد کے برابر ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ اس عمل کی استطاعت نہیں رکھتے، دو تین مرتبہ لوگوں نے سوال کیا تو آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ تم لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ تیسری مرتبہ کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں مجاہد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نمازی اور روزہ دار جو نماز اور روزے میں کوئی فتور اور نقص نہیں آنے نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ وہ مجاہد جہاد سے واپس آجائے۔ (ترجمہ از مرتب)

﴿عن انس بن مالك رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول الله المجاهد فى سبيلى هو على ضمان ان قبضته اورثته الجنة وان رجعته رجعته باجر اوغنيمة﴾ (۲۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میرے راستے میں جہاد کرنے والے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ اگر میں اس کی روح قبض کرتا ہوں تو اس کو جنت کا وارث بناتا ہوں۔ اور اگر اس کو واپس بھیجتا ہوں تو اجر یا

مال غنیمت کے ساتھ واپس کرتا ہوں۔ (ترجمہ از مرتب)

باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا

﴿فضالة بن عبيد رضي الله عنه يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال: كل ميت يختم على عمله الا الذى مات مرابطا فى سبيل الله فانه ينمى له عمله الى يوم القيمة ويامن فتنة القبر وسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المجاهد من جاهد نفسه﴾ (۲۷۲)

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہر مرنے والے شخص کے اعمال پر اس کی موت کے وقت مہر لگادی جاتی ہے۔ مگر جو شخص اللہ کی راہ میں محافظ کے فرائض انجام دیتے ہوئے مرجائے تو اس کے عمل کو قیامت تک بڑھایا جاتا ہے اور وہ شخص قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ مجاھد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے (یعنی اس کی اتباع نہ کرے)

باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل اللہ

﴿عن ابى هريرة رضي الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من صام يوما فى سبيل الله زحزحه الله عن النار سبعين خريفا احدهما يقول سبعين والاخر يقول اربعين﴾ (۲۷۳)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جہاد کے دوران ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے اس کو ستر برس کی مسافت تک دور کردیں گے۔ ایک راوی ستر اور دوسرے راوی چالیس برس فرماتے ہیں۔

﴿عن ابى سعيد الخدرى رضي الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لا يصوم عبد يوما فى سبيل الله الا باعد ذلك اليوم النار عن وجهه سبعين خريفا﴾ (۲۷۴) (ترجمہ واضح ہے)

﴿عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من صام یوما فی سبیل اللّٰه جعل اللّٰه بینه وبین النار خندقا کما بین السماء والارض﴾ (۲۷۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے جہاد کے دوران ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے آسمان اور زمین کے فاصلے کے برابر ایک خندق بنادیتے ہیں۔

باب ماجاء فی فضل النفقة فی سبیل اللّٰه

﴿عن خریم بن فاتک قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من انفق نفقة فی سبیل اللّٰه کتبت له سبع مائة ضعف﴾ (۲۷۶)

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جہاد کے راستے میں کچھ خرچ کرتا ہے تو اس کے لئے ایک کے بدلے سات سو گنا لکھا جاتا ہے۔

باب ماجاء فی فضل الخدمة فی سبیل اللّٰه

﴿عن عدی بن حاتم الطائی رضی اللّٰه عنه انه سال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ای الصدقة افضل؟ قال: خدمة عبد فی سبیل اللّٰه اوظل فسطاط اوطرقة فحل فی سبیل اللّٰه﴾

(۲۷۷)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں کسی غلام کی خدمت پیش کردی جائے۔ یعنی کسی مجاہد کو غلام دیدیا کہ وہ غلام اس مجاہد کی خدمت کرے گا۔ یا کسی خیمے کا سایہ۔ یعنی کسی مجاہد کو خیمہ دیدیا تاکہ وہ مجاہد جہاد کے دوران اس خیمے سے سایہ حاصل کرے۔ یا اللہ کی راہ میں کوئی نر دیدینا۔ یعنی کوئی شخص دوسرے کو اپنا نر دیدیتا ہے کہ وہ اس نر کے ذریعہ مادہ

سے جفتی کرائے اور اس سے جو بچہ پیدا ہو اس کو جہاد میں استعمال کرے۔ یہ بھی بڑا صدقہ ہے۔

باب ماجاء فیمن جهز غازیا

﴿عن زید بن خالد الجهنی رضی اللّٰہ عنه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من جهز غازیا فی سبیل اللّٰہ فقد غزی ومن خلف غازیا فی اهله فقد غزی﴾ (۲۷۸)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جانے والے غازی کا سامان تیار کرائے گا۔ وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں ہوگا۔ اور جو شخص مجاہدین کے اہل و عیال کی نگہبانی کرے گا وہ بھی انہی کے حکم میں ہوگا۔

باب من اغبرت قدماه فی سبیل اللّٰه

﴿عن یزید بن ابی مریم قال: لحقنی عبایة بن رفاعة بن رافع وانا ماش الی الجمعة فقال: ابشر فان خطاك هذه فی سبیل اللّٰہ سمعت اباعبس یقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من اغبرت قدماه فی سبیل اللّٰہ فهما حرام علی النار﴾ (۲۷۹)

حضرت یزید بن ابو مریمؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے لئے جاتے وقت راستے میں مجھے عبایہ بن رفاعہ بن رافع ملے اور فرمایا کہ خوشخبری سن لو، تمہارے اٹھنے والے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں۔ میں نے ابوعبس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے وہ قدم آگ پر حرام ہوجاتے ہیں۔

باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل اللّٰه

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا یلج النار رجل بکی من خشیة اللّٰہ حتی یعود

اللبن فی الضرع ولا یجتمع غبار فی سبیل اللّٰہ ودخان جھنم ﴿ (۲۸۰)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہو وہ اس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا جب تک دودھ تھن میں واپس نہ چلا جائے۔ یعنی جس طرح دودھ تھنوں میں واپس جانا ممکن نہیں اسی طرح ایسے شخص کا جہنم میں جانا بھی ممکن نہیں۔ اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

احادیث میں جہاں کہیں لفظ "فی سبیل اللہ" آیا ہے، اس کا براہ راست "جہاد" پر ہی اطلاق ہوتا ہے، لیکن یہ اور بات ہے کہ دین کے جو اور اعمال کئے جارہے ہیں یا جو شخص دین کی کسی اور خدمت میں مشغول ہے تو امید ہے کہ انشاء اللہ وہ بھی اللہ کی رحمت سے "فی سبیل اللہ" کے حکم میں داخل ہوگا۔ لیکن بحیثیت مجموعی زیادہ تر "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے۔

باب ما جاء من شاب شیبة فی سبیل اللہ

﴿ عن سالم بن ابی الجعد ان شرحبیل بن السمط قال: یا کعب بن مرة حدثنا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واحذر قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من شاب شیبة فی الاسلام کانت لہ نورا یوم القیامة ﴿ (۲۸۱)

حضرت سالم بن الجعد سے سے روایت ہے کہ حضرت شرجیل بن سمط نے حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنایئے۔ اور احتیاط سے کام لیجئے۔ تو اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوگیا تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور کی شکل میں ہوگا۔

﴿ عن عمرو بن عبسة رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من شاب شیبة فی سبیل اللّٰہ کانت لہ نورا یوم القیامة ﴿ (۲۸۲)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو

شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے بوڑھا ہوگیا تو قیامت کے دن وہ بڑھاپا اس کے لئے نور کی شکل میں ہوگا۔

باب ماجاء من ارتبط فرسا فی سبیل اللّٰہ

عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمة الخیل ثلاثة ھی لرجل اجر وھی لرجل ستر وھی علی رجل وزر فاما الذی ھی لہ اجر فالذی یتخذھا فی سبیل اللّٰہ فیعد ھا لہ ھی لہ اجر لا یغیب فی بطونھا شیئا الا کتب اللّٰہ لہ اجرا

(۲۸۳)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر بندھی ہوئی ہے۔ اور گھوڑے تین قسم کے ہیں: پہلی قسم وہ ہے جو آدمی کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہے، دوسری قسم وہ ہے جو پردہ پوشی کا باعث ہے، تیسری قسم وہ ہے جو آدمی کے لئے بار ہے یعنی عذاب اور گناہ کا باعث ہے۔ پہلی قسم کا گھوڑا جو اجر و ثواب کا باعث ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کو انسان اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے پالے اور اس کو تیار کرے، اور وہ گھوڑا جو چارہ بھی کھائے گا اس پر بھی اس کے لئے اجر لکھا جائے گا۔

باب ماجاء فی فضل الرمی فی سبیل اللّٰہ

عن عبد اللّٰہ بن عبد الرحمن بن ابی حسین رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان اللّٰہ لیدخل بالسھم الواحد ثلثة الجنة صانعہ یحتسب فی صنعتہ الخیر والرامی بہ والممد بہ قال: ارموا وارکبوا ولان ترموا احب الی من ان ترکبوا کل ما یلھو بہ الرجل المسلم باطل الا رمیة بقوس وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ اھلہ فانھن من الحق (۲۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک اس کے بنانے والے کو جو اچھی نیت سے اس کو بنائے گا۔ دوسرے تیر پھینکنے والے کو، اور تیسرے اس شخص کو جو تیر اٹھا کر دینے والا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تیراندازی کرنا اور گھوڑ سواری سیکھو۔ اور تیر پھینکنا گھوڑ سواری سے بہتر ہے۔ ہر وہ کھیل جو مسلمان کھیلتا ہے سب باطل ہیں سوائے تیراندازی کے اور گھوڑے کو سدھانے کے اور بیوی کے ساتھ ملاعبت کے، یہ تینوں درست ہیں۔

﴿عن ابی نجیح السلمی قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من رمی بسھم فی سبیل اللّٰہ فھوله عدل محرر﴾ (۲۸۵)

حضرت ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر پھینکتا ہے تو اس کا ایک تیر پھینکنا ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

باب ماجاء فی فضل الحرس فی سبیل اللّٰہ

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: عینان لا تمسھما النار عین بکت من خشیۃ اللّٰہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللّٰہ﴾ (۲۸۶)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔

باب ماجاء فی ثواب الشھید

﴿عن ابن کعب بن مالک عن ابیه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان ارواح الشھداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ اوشجر الجنۃ﴾ (۲۸۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں جنت کے پھلوں یا درختوں سے کھاتی پھرتی ہیں۔

ان شہداء کی فضیلت یہ ہے کہ ان کی روحیں آزاد ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں ان کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن یہ سوال کہ وہ کس طرح سبز پرندوں کے اندر داخل ہوتی ہیں؟ اس کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ واقعہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ارواح کا مستقر کیا ہوتا ہے؟ وہ کہاں رہتی ہیں؟ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر رہتی ہیں۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد پھرتی ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "مقام علیین" میں چلی جاتی ہیں۔ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح کے اندر لکھا ہے کہ ہر انسان کی روح کے ساتھ جدا جدا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کسی انسان کی روح کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی روح کہاں جائے گی۔ البتہ شہداء کی روحوں کے بارے میں احادیث کے اندر خاص طور پر بیان فرمادیا ہے کہ ان کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور کھاتی پیتی پھرتی ہیں۔ لیکن اس بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ کیا شہداء کی روحیں ان پرندوں کے اندر حلول کرجاتی ہیں یا ان کی شکلیں قدرتی طور پر پرندوں کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہم اس کی کنہ اور کیفیت سے واقف نہیں۔ بس خلاصہ یہ ہے کہ ان کو شکل بھی حسین و جمیل عطا کی جاتی ہے اور ان کو آزادی بھی عطا کی جاتی ہے۔

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: عرض علی اول ثلثة يدخلون الجنة شهيد وعفيف متعفف وعبد احسن عبادة الله ونصح لمواليه﴾ (۲۸۸)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے وہ تین شخص پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک شہید۔ دوسرا حرام سے اور شبہات سے پرہیز کرنے والا۔ تیسرا وہ بندہ جو اچھی طرح عبادت کرے اور اپنے مالک کی بھی اچھی طرح خدمت کرے۔

﴿عن انس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: القتل فی سبيل الله يكفر كل خطيئة، فقال جبرئيل الا

الدین فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا الدین ﴾

(۲۸۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل ہوجانا ہر گناہ کا کفارہ ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: قرض کے علاوہ۔ آپ نے بھی فرمایا: قرض کے علاوہ۔

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال: مامن عبد یموت لہ عند اللّٰہ خیر یحب ان یرجع الی الدنیا وان لہ الدنیا وما فیھا الا الشھید لما یری من فضل الشھادۃ فانہ یحب أن یرجع الی الدنیا فیقتل مرۃ اخری ﴾

(۲۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس کا انتقال ہوجائے اور اللہ کے نزدیک اس کے لئے بہترین صلہ ہو، کہ وہ دنیا کی طرف واپس لوٹ جانے کو پسند کرے، اگرچہ دنیا میں اس کو پوری دنیا ومافیہا مل رہی ہو سوائے شہید کے۔ کہ وہ شہادت کی فضیلت اور مرتبہ دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ وہ دنیا میں دوبارہ جائے اور دوبارہ اسے قتل کردیا جائے۔

باب ماجاء فی فضل الشھداء عند اللّٰہ

﴿عمر بن الخطاب یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: الشھداء اربعۃ رجل مؤمن جید الایمان لقی العدو فصدق اللّٰہ حتی قتل فذلک الذی یرفع الناس الیہ اعینھم یوم القیمۃ ھکذا ورفع راسہ حتی وقعت قلنسوتہ فلا ادری قلنسوۃ عمر اراد ام قلنسوۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ ﴾ (۲۹۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ شہداء کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ جو مؤمن تھا اور اس کا ایمان بھی اچھا تھا۔ یعنی ایمان کے تقاضوں

پر عمل کیا تھا اور اس نے اللہ کے ساتھ اپنے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا حتی کہ وہ جہاد میں شہید ہوگیا تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے روز اپنی آنکھیں اٹھاکر یوں دیکھیں گے، یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا سر اتنا بلند کیا کہ ان کی ٹوپی گر گئی راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ بیان کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گر گئی۔ یا یہ ٹوپی کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا۔ بہرحال یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کا درجہ اتنا بلند ہوگا کہ لوگ اس طرح آنکھیں اٹھاکر دیکھیں گے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ایک مؤمن جید الایمان تھا۔ (لیکن کمزور اعضاء اور کمزور دل کا آدمی تھا) جب دشمن کا سامنا ہوا تو اس کو بزدلی کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ اس کی کھال میں طلح کے کانٹے چبھا دیئے گئے ہیں۔ یعنی کمزوری کی وجہ سے اس کو ڈر اور خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اسی حال میں اس کو ایک ایسا تیر لگا جس کا مارنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ "سہم غرب" ایسے تیر کو کہا جاتا ہے جس کا مارنے والا سامنے نہ ہو۔ اس تیر نے اس کو قتل کردیا۔ ایسا شخص دوسرے درجے پر ہوگا۔ اس لئے کہ اگرچہ اس کو ڈر لگ رہا تھا کمزور تھا، اور اس کے دل میں بزدلی پیدا ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلا اور شہید ہوگیا، اس کو بھی دوسرا درجہ ملے گا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو ایسا مؤمن تھا کہ اس نے عمل صالح کے ساتھ دوسرے برے اعمال بھی ملالئے تھے یعنی دونوں قسم کے اعمال کئے تھے، اچھے بھی اور برے بھی۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا یہاں تک کہ وہ شہید ہوگیا۔ یہ شخص تیسرے درجے میں ہوگا۔

چوتھا وہ شخص جو کہ مؤمن تو تھا لیکن اپنی جان پر ظلم کیا ہوا تھا یعنی زندگی میں اچھے اعمال کم اور برے اعمال زیادہ کئے تھے۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس نے بھی اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا۔ یہ شخص چوتھے درجے میں ہوگا۔

باب ماجاء فی غزو البحر

عن انس رضی اللہ عنہ انہ سمعہ یقول: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل علی ام حرام بنت ملحان فتطعمہ وکانت ام حرام تحت عبادۃ بن الصامت فدخل علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فاطعمتہ وحبستہ تفلی راسہ

فنام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ الخ (۲۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایک انصاری صحابیہ تھیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور وہ خاتون حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ایک دن جب آپ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کے سر کی جوئیں تلاش کرنے کے لئے آپ کو روک لیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خاتون دور کے رشتے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہو۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سو گئے۔ اور جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے چہرہ مبارک پر تبسم تھا۔ یہ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خواب میں میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے اس حال میں کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے تھے اور سمندر کی موجوں پر سواری کر رہے تھے۔ اور اس طرح سواری کر رہے تھے جیسے تخت پر بادشاہ بیٹھے ہوں میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمادیں۔ آپ نے ان کے لئے دعا فرمادی۔ اور پھر آپ نے سر رکھا اور دوبارہ سو گئے۔ پھر آپ نے دوبارہ تبسم کے ساتھ بیدار ہوئے، میں نے پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے تبسم کی وجہ کیا تھی؟ آپ نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ میرے لئے ان میں شامل ہونے کی دعا فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم پہلے جماعت میں شامل ہو، لہٰذا دوسری جماعت میں شامل نہیں ہوگی۔

صحابہ کرام کا قبرص فتح کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کو خواب میں دو منظر دکھائے گئے جن میں صحابہ کرام جہاد کے لئے سمندر کا سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے پہلا خواب تو اس طرح پورا ہوا کہ مسلمانوں نے قبرص پر حملہ کیا۔ یہ ایک جزیرہ ہے اور آجکل ترکی اور یونان کا اس پر جھگڑا چل رہا ہے۔ یہ جزیرہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوا تھا، جب صحابہ کرام قبرص پر حملہ کرنے کے لئے نکلے اور سمندر کا سفر کیا تو اور اس وقت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں، جب یہ

خاتون ساحل پر اتریں تو وہاں یہ اپنے گھوڑے سے گر گئیں اور اسی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ قبرص پر سمندر کے سفر کا پہلا غزوہ تھا۔

مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ

اور سمندر کے سفر کا دوسرا غزوہ وہ تھا جس میں صحابہ کرام نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا تھا اور یہ حملہ یزید کی سربراہی میں ہوا تھا۔ اور اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اور اسی غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کا وہیں محاصرے کے دوران قسطنطنیہ کے باہر انتقال ہوگیا اور وہیں ان کی قبر بنائی گئی۔ انہوں نے مرنے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے لئے مجھے قسطنطنیہ کی دیوار کے جتنے قریب لیجاسکو، اتنا قریب لے جاکر دفن کرنا، چنانچہ ان کو وہاں دفن کر دیا گیا۔

قسطنطنیہ کی فتح

لیکن صحابہ کرام کے زمانے میں قسطنطنیہ فتح نہیں ہوا تھا، بلکہ اس واقعے کے تقریباً سات سو سال بعد سلطان محمد فاتح کے ذریعہ فتح ہوا چنانچہ جب فتح ہوا کہ تو مسلمانوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار تلاش کرنا شروع کیا تو کافی جستجو کے بعد ایک دھاتی نے بتایا کہ یہاں ایک قبر ہے اور اس میں سے خوشبو آتی ہے۔ جب وہاں جاکر دیکھا تو واقعۃً وہاں قبر موجود تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس جگہ کو صاف کیا اور پھر وہاں باقاعدہ مزار بنادیا گیا جو آج تک وہاں موجود ہے۔

باب ماجاء من یقاتل ریاء اوللدنیا

﴿عن ابی موسی رضی اللّٰہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الرجل یقاتل شجاعۃ ویقاتل حمیۃ ویقاتل ریاء فای ذلک فی سبیل اللّٰہ ؟ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللّٰہ﴾ (۲۹۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اظہار شجاعت کے لئے یا ریاکاری کے لئے جہاد کرتا ہے، ان میں سے کون اللہ

کی راہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے، وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (منہ)

﴿عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیۃ وانما لامری مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ والی رسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ والی رسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امراۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ﴾ (۲۹۴)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملے گی۔ چنانچہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی۔ اور جس شخص نے دنیا کے حصول کے لئے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی غرض سے ہجرت کی، اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ (منہ)

باب فی الغدو والرواح فی سبیل اللّٰہ

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لغدوۃ فی سبیل اللّٰہ اوروحۃ خیر من الدنیا وما فیھا ولقاب قوس احدکم اوموضع یدہ فی الجنۃ خیر من الدنیا وما فیھا ولو ان امراۃ من نساء اھل الجنۃ اطلعت الی الارض لاضاءت ما بینھما ولملات ما بینھما ریحا ولنصیفھا علی راسھا خیر من الدنیا وما فیھا﴾ (۲۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام چلنا دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ اور تمہارے ایک کمان یا ایک ہاتھ کے برابر جنت کی جگہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا کی طرف دیکھ لے تو آسمان و زمین کے درمیان پوری کائنات روشن ہوجائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔ (منہ)

﴿عن سهل بن سعد الساعدی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه سلم: غدوة فی سبیل الله خیر من الدنیا ومافیها وموضع سوط فی الجنة خیر من الدنیا ومافیها﴾

(۲۹۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح چلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (منہ)

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: غدوة فی سبیل الله او روحة خیر من الدنیا ومافیها﴾ (۲۹۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام چلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (منہ)

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: مر رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم بشعب فیه عیینة من ماء عذبة فاعجبته لطیبها فقال لو اعتزلت الناس فاقمت فی هذا الشعب ولن افعل حتی استاذن رسول الله صلی الله علیه وسلم فذكر ذلك لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لا تفعل فان مقام احدكم فی سبیل الله افضل من صلوته فی بیته سبعین عاما الا تحبون ان یغفر الله لكم ویدخلكم الجنة اغزوا فی سبیل الله من قاتل فی سبیل الله فواق ناقة وجبت له الجنة﴾ (۲۹۸)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ایک صحابی ایک ایسی گھاٹی میں سے گزرے جس میں ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا، ان صحابی کو وہ گھاٹی اپنی اچھائی کی وجہ سے پسند آگئی۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں لوگوں سے کنارہ کش ہوجاؤں اور اس گھاٹی میں آکر مقیم ہوجاؤں۔ آگے "لو" کا جواب محذوف ہے۔ یعنی "لکان حسناً" تو بڑا اچھا ہوگا۔ مقصد یہ تھا کہ یہاں آکر اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا اور لوگوں کے معاملات سے علیحدہ رہوں گا۔

پھر کہا کہ البتہ میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لے لوں، چنانچہ انہوں نے یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ اس لئے کہ تم میں سے ایک شخص کا جہاد کے لئے اللہ کے راستے میں کھڑا ہونا اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے اور تمہیں جنت میں داخل فرمادے؟ اللہ کے راستے میں جہاد کرو، جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں اتنی دیر قتال کرے جتنی دیر میں اونٹنی کے تھنوں میں دوبارہ دودھ آجاتا ہے تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ "فواق" کے معنی یہ ہیں کہ ایک مرتبہ اونٹنی کے تھنوں سے دودھ نکالا گیا، اس وقت سے لے کر دوبارہ اس کے تھنوں میں دودھ آنے تک کا جو وقفہ ہوتا ہے، اس کو "فواق" کہا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کی اس خواہش کو رد فرمادیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہوکر ایک گھاٹی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کردے۔ اس لئے کہ شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اسی دنیا میں رہے اور لوگوں سے میل ملاقات کرے، ان کے حقوق ادا کرے، اور ساتھ ہی اللہ کے راستے میں جہاد کرے جب موقع اور ضرورت پیش آئے۔ اب ان سارے فرائض سے کنارہ کشی اختیار کرکے بیٹھ جانا شرعاً مطلوب نہیں۔ اس لئے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں، کیونکہ رہبانیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ سارے کاموں اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے بیٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔ لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ تم اسی دنیا میں رہو، یہ بہادری نہیں ہے کہ آدمی دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ بہادری یہ ہے کہ اس دنیا میں رہے اور یہ دنیا اس کو خراب نہ کرے۔ اس کے عقائد، اس کے اعمال، اس کی معاشرت، اس کے اخلاق خراب نہ ہوں۔ بلکہ اسی دنیا میں رہ کر دین کے مطابق زندگی گزارے۔ دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہوں اور پھر انسان ان سے بچے تو یہ اس کا کمال ہے۔ دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ جانا کمال نہیں۔

باب ماجاء ای الناس خیر

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الا اخبرکم بخیر الناس رجل ممسک بعنان فرسہ

فی سبیل اللّٰہ الا اخبرکم بالذی یتلوہ رجل معتزل فی غنیمۃ له یودی حق اللّٰہ فیھا الا اخبرکم بشر الناس رجل یسال اللّٰہ له ولا یعطی به ﴾ (۲۹۹)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو میں نہ بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ لوگوں میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہو۔ اور کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتلاؤں جو اس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی بکریوں کے گلے میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ اور دوسرے حقوق ادا کرتا رہتا ہے۔ اس کے ذریعہ یہ بتادیا کہ جہاد کرنے والے کا درجہ اعلیٰ ہے اور جو شخص لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہو اور حقوق بھی ادا کررہا ہو یہ دوسرے نمبر پر ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں نہ بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے برا آدمی کون ہے؟ یہ وہ شخص ہے جو دوسروں سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہے لیکن اللہ کے واسطے پر دیتا نہیں ہے۔ یعنی اپنی ضرورت کے وقت لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہے کہ اللہ کے واسطے مجھے دیدو، لیکن جب دوسرا شخص اس سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو یہ اس کو نہیں دیتا۔ یہ شخص بدترین آدمی ہے۔

اور اس جملے کو اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے کہ "رجل یسال باللہ ولا یعطی به" یعنی وہ شخص جو لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہے، لیکن اس کو دیا نہیں جاتا۔ یہ شخص اس لئے برا ہے کہ اس کے لئے مانگنا اچھی بات نہیں تھی اور پھر اللہ کا واسطہ دے کر مانگنا تو اور بھی برا ہے، پھر اگر اس کو کچھ مل جاتا تو کم از کم دنیا کے اعتبار سے تو فائدے میں رہتا۔ لیکن یہ شخص گناہ بھی کررہا ہے اور اللہ کا واسطہ دے کر مانگ رہا ہے، لیکن کوئی دیتا بھی نہیں ہے۔ ایسا شخص تو "خسر الدنیا والاخرۃ" کا مصداق ہے۔

باب ماجاء فیمن سال الشھادۃ

﴿عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من سال اللّٰہ القتل فی سبیله صادقا من قلبه اعطاہ اللّٰہ اجر الشھید ﴾ (۳۰۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خلوص دل کے ساتھ اللہ کے راستے میں شہید ہونے کو طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر و ثواب عطا فرمادیتے ہیں۔ (منہ)

﴿سهل بن ابى امامة بن سهل بن حنيف يحدث عن ابيه عن جده عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من سال الله الشهادة من قلبه صادقا بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه﴾ (۳۰۱)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے درجات تک پہنچادیتے ہیں اگرچہ بستر پر اس کا انتقال ہوجائے۔ (منہ)

باب ماجاء فی المجاهد والمكاتب والناكح وعون الله اياهم

﴿عن ابى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة حق على الله عونهم: المجاهد فى سبيل الله والمكاتب الذى يريد الاداء والناكح الذى يريد العفاف﴾ (۳۰۲)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین آدمیوں کے معاونت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ، دوسرے وہ مکاتب غلام جو بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تیسرے وہ شخص جو عفت حاصل کرنے کی نیت سے نکاح کرے۔ (من المرتب)

﴿عن معاذ بن جبل رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من قاتل فى سبيل الله من رجل مسلم فواق ناقة وجبت له الجنه ومن جرح جرحا فى سبيل الله اونكب نكبة فانها يجئى يوم القيامة كاغزر ما كانت لونها الزعفران

وريحها كالمسك﴾ (۳۰۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان شخص نے فواق ناقہ کے برابر بھی اللہ کے راستے میں جہاد کیا، جنت اس کے لئے واجب ہوگئی۔ اور جس شخص کو جہاد کے دوران کوئی زخم لگ گیا یا چوٹ لگ گئی تو وہ زخم قیامت کے دن بڑی صورت میں آئے گا اور اس کا رنگ زعفران کی طرح اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

باب ماجاء في فضل من يكلم في سبيل الله

﴿عن ابی هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يكلم احد فى سبيل الله والله اعلم بمن يكلم فى سبيله الا جاء يوم القيامة اللون لون الدم والريح ريح المسك﴾ (۳۰۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں زخمی ہونے والوں کو جانتے ہیں۔ اور کوئی شخص اللہ کے راستے میں زخمی نہیں ہوتا مگر قیامت کے روز وہ اس زخم کے ساتھ اس طرح آئے گا کہ اس زخم کے خون کا رنگ تو خون ہی کی طرح ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

باب اى الاعمال افضل

﴿عن ابی هريرة رضى الله عنه قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الاعمال افضل؟ واى الاعمال خير؟ فقال: ايمان بالله ورسوله قيل ثم اى شئى؟ قال: الجهاد سنام العمل قيل ثم اى شئى يا رسول الله؟ قال: ثم حج مبرور﴾ (۳۰۵)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل اور بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد پھر؟ آپ نے فرمایا: جہاد عمل کا کوہان ہے۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد پھر کونسا عمل؟

آپ نے فرمایا: حج مقبول۔

باب بلا ترجمہ

﴿عن ابی بکر بن ابی موسی الاشعری رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت ابی بحضرۃ العدو یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف فقال رجل من القوم رث الھیئۃ: انت سمعت ھذا من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یذکرہ قال: نعم، قال: فرجع الی اصحابہ قال: اقرا علیکم السلام وکسر جفن سیفہ فضرب بہ حتی قتل﴾ (۳۰۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔ قوم میں سے ایک شخص نے جو پراگندہ صورت والا تھا، کہا: کیا تم نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ شخص اپنے دوستوں کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا: میں تم کو الوداعی سلام کرتا ہوں، پھر اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور تلوار لیکر لڑنے لگا حتیٰ کہ خود قتل کردیا گیا۔

باب ماجاء ای الناس افضل؟

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ای الناس افضل؟ قال رجل یجاھد فی سبیل اللّٰہ قالوا ثم من؟ قال مؤمن فی شعب من الشعاب یتقی ربہ ویدع الناس من شرہ﴾ (۳۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: پھر کون (افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: وہ شخص جو کسی پہاڑ کے دامن میں جاگزین ہو اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنی برائی سے محفوظ رکھے۔

باب بلا ترجمہ

﴿عن المقدام بن معديكرب رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: للشهيد عند الله ست خصال يغفرله في اول دفعة ويرى مقعده من الجنة ويجار من عذاب القبر ويامن من الفزع الاكبر ويوضع على راسه تاج الوقار الياقوتة منها خير من الدنيا ومافيها ويزوج اثنتين وسبعين زوجة من الحور العين ويشفع في سبعين من اقاربه﴾ (۳۰۸)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ انعامات ہیں:

① خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

② اس کو اس کا جنت میں ٹھکانہ دکھادیا جاتا ہے۔

③ عذاب قبر سے محفوظ ہوجاتا ہے اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کردیا جائے گا۔

④ اس کے سر پر یاقوت سے جڑا ہوا ایسا باوقار تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا۔

⑤ بہتر۷۲ بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کی شادی کرادی جائے گی۔

⑥ اس کے ستر قریبی رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

﴿عن قتادة ثنا انس بن مالك رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامن احد من اهل الجنة يسره ان يرجع الى الدنيا غير الشهيد فانه يحب ان يرجع الى الدنيا يقول حتى اقتل عشر مرات في سبيل الله مما يرى مما اعطاه الله من الكرامة﴾ (۳۰۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل جنت میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے۔ سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے اور وہ یہ کہے

گا کہ میں دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، کیونکہ ان نعمتوں کو دیکھ چکا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہوں گی۔

﴿عن سهل بن سعد رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: رباط يوم فی سبيل اللّٰه خير من الدنيا وما عليها والروحة يروحها العبد فی سبيل اللّٰه اوالغدوة خير من الدنيا وما عليها وموضع سوط احدكم فی الجنة خير من الدنيا وما عليها﴾ (۳۱۰)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک سرحد پر پہرہ دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جہاد میں کسی شخص ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور جنت میں تمہارے ایک کوڑے کے برابر جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

﴿عن محمد بن المنكدر قال: مرسلمان الفارسی بشرحبيل بن السمط وهو فی مرابط له وقد شق عليه وعلى اصحابه فقال: الا احدثك يا ابن السمط بحديث سمعت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال بلی قال سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول رباط يوم فی سبيل اللّٰه افضل وربما قال خير من صيام شهر وقيامه ومن مات فيه وقی فتنة القبر ونمی له عمله الی يوم القيامة﴾ (۳۱۱)

حضرت محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت شرحبیل بن سمط کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنی کمین گاہ میں پہرہ دے رہے تھے، اور ان پر اور ان کے ساتھیوں پر پہرہ دینا شاق گزر رہا تھا، حضرت سلمان نے فرمایا: اے ابن سمط! کیا میں تم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نہ سناؤں؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں، حضرت سلمان نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا ایک مہینے کے روزے رکھنے اور ایک ماہ تک راتوں کو قیام کرنے سے افضل یا بہتر ہے۔ اور اگر اس دوران اس کا انتقال ہوجائے تو قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا اور اس کا عمل

قیامت تک بڑھتا رہے گا۔

﴿عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من لقی اللّٰه بغير اثر من جهاد لقی اللّٰه وفيه ثلمة﴾ (۳۱۲)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جہاد کے اثر کے بغیر ملاقات کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے دین میں نقص ہو گا۔

﴿عن ابی صالح مولی عثمان بن عفان قال: سمعت عثمان رضی الله عنه وهو علی المنبر يقول انی كتمتكم حديثا سمعته من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم كراهية تفرقكم عنی ثم بدالی ان احدثكموه ليختار امرا لنفسه ما بداله سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: رباط يوم فی سبيل اللّٰه خير من الف يوم فيما سواه من المنازل﴾ (۳۱۳)

حضرت ابوصالح مولیٰ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث تم سے چھپائی ہوئی تھی، اس لئے کہ مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ حدیث تم کو سنا ہی دوں تاکہ جس کا جو جی چاہے وہ کرلے۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کے راستے میں ایک دن پہرہ دینا ان ہزار دنوں سے افضل ہے جو اور منازل میں گزارے ہوں۔

﴿عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ما يجد الشهيد من مس القتل الا كما يجد احدكم من مس القرصة﴾ (۳۱۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی للہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کو قتل ہونے کی صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی چٹکی لینے (یا مچھر کے کاٹنے) کی تکلیف ہوتی ہے۔

﴿عن ابی امامة رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لیس شئی احب الی اللّٰہ من قطرتین واثرین قطرة دموع من خشیة اللّٰہ وقطرة دم تھراق فی سبیل اللّٰہ واما الاثران فاثر فی سبیل اللّٰہ واثر فی فریضة من فرائض اللّٰہ﴾ (۳۱۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشان سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلے۔ دوسرے خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہایا جائے۔ اور دو نشانوں میں سے ایک نشان وہ ہے جو اللہ کی راہ میں چوٹ وغیرہ لگنے سے ظاہر ہو اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ کے فرضوں میں سے کسی فرض کی ادائیگی کرنے سے ظاہر ہو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابواب الجهاد

عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

باب ماجاء في اهل العذر في القعود

﴿عن البراء بن عازب رضى اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ائتونى بالكتف اواللوح فكتب لا يستوى القاعدون من المؤمنين وعمروبن ام مكتوم خلف ظهره فقال هل لى رخصة؟ فنزلت: غير اولى الضرر﴾ (۳۱۶)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس کوئی ہڈی یا تختی لاؤ۔ پھر آپ نے یہ آیت لکھوائی کہ "لا یستوی القاعدون من المؤمنین"[1] یعنی جہاد میں شرکت کرنے والے اور شرکت نہ کرنے والے دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اس وقت حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے، انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے لئے رخصت ہے؟ اس وقت آپ پر اس آیت کا اگلا حصہ "غیر اولی الضرر" نازل ہوا۔ چنانچہ ان کو مستثنیٰ کردیا گیا۔

باب ماجاء فيمن خرج الى الغزو وترك ابويه

﴿عن عبد اللّٰه بن عمرو رضى اللّٰه عنه قال: جاء رجل الى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يستاذنه فى الجهاد، فقال: الك والدان؟ قال: نعم قال: ففيهما فجاهد﴾ (۳۱۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ

(۱) النساء: ۹۵۔

وسلم کی خدمت میں آئے اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے اندر جہاد کرو۔ یعنی ان کی خدمت کرو۔

والدین کی خدمت جہاد سے افضل ہے

مسئلہ یہ ہے کہ جس جگہ جہاد فرض عین نہ ہو۔ اور فرض عین اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دشمن ہم پر حملہ کردے تو پھر اس دشمن کا دفاع فرض عین ہوجاتا ہے۔ لیکن عام حالات میں جب جہاد فرض عین نہ ہو اس وقت والدین کی خدمت جہاد سے افضل ہے۔ والناس عنه غافلون عام طور پر لوگ اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ والدین کی خدمت کتنی بڑی نعمت ہے اور کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد کے شوق میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، اس لئے کہ وہ لوگ میرے جانے پر راضی نہیں تھے بلکہ رنجیدہ تھے اور رو رہے تھے۔ یہ بات انہوں نے اس طرح بیان کی کہ میں جہاد کی خاطر اتنی بڑی قربانی دے کر آیا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ارجع فاضحکهما کما ابکیتهما" واپس جاؤ اور ان کو جاکر ہنساؤ جیسے تم نے ان کو رلایا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت اور ان کی اجازت بہت اہم چیز ہے جس کا ہر مرحلے پر لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ آج کل لوگ اس کی پروا نہیں کرتے۔ میرے پاس کئی طالب علم درجہ تخصص میں داخلے کے لئے آئے۔ پتہ کرنے پر بتایا کہ والدین نے تو آنے کی اجازت نہیں دی تھی، میں زبردستی آگیا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مفتی بننے کے لئے آئے ہو اور والدین کی نافرمانی کرکے آئے ہو؟ واپس جاؤ۔ اس لئے کہ مفتی بننا فرض نہیں اور والدین کی اطاعت کرنا اور ان کی خدمت کرنا فرض عین ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ہے بلکہ دین یہ ہے کہ جس وقت جیسا تقاضہ ہو، اس کے مطابق عمل کرے۔

باب ما جاء في الرجل يبعث سرية وحده

قال ابن جريج في قوله اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم قال عبد الله بن حذافة بعثه رسول الله صلى الله

علیه وسلم علی سریة ﴾

حضرت ابن جریجؒ قرآن کریم کی اس آیت "واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامرمنکم"[1] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بطور لشکر کے بھیجا۔ (منہ)

(۱) سورۃ النساء (۵۹) : ۵۹

باب ماجاء فی کراهیة ان یسافر الرجل وحده

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لو ان الناس یعلمون ما اعلم من الوحدة ماسار راکب بلیل ﴾ (   )

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکیلے شخص کے سفر کرنے کے بارے میں جو میں جانتا ہوں اگر لوگ اس کو جان لیں تو رات کو (اکیلے) سفر نہ کریں۔

﴿عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثة رکب ﴾ (۳۱۸)

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راکب اگر تنہا ہو تو وہ شیطان ہے۔ اگر دو ہوں تو دو شیطان ہیں۔ اور اگر تین آدمی ہوں تو یہ قافلہ ہے، یعنی کوئی آدمی سفر میں تنہا نہ جائے، کم سے کم تین آدمی مل کر جائیں۔ یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ اس وقت بدامنی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

باب ماجاء فی الرخصة فی الکذب والخدیعة فی الحرب

﴿جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه یقول: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه سلم الحرب خدعة ﴾ (۳۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنگ کی بنیاد دھوکے پر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنگ میں بعض اوقات دشمن کو دھوکہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اب دھوکہ دینے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مسلمان توریہ کرے اور ایسے الفاظ بولے جس سے دشمن دھوکے میں پڑ جائیں اور دل میں صحیح معنی کی نیت ہو، یہ بالاتفاق جائز ہے۔ لیکن جنگ کے موقع پر دشمن کو گمراہ کرنے کے لئے صریح جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دھوکہ دینے کے لئے صریح جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے۔ البتہ عہد کی خلاف ورزی کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ لیکن جنگی تدبیر کے طور پر جھوٹ بول دینے کی بھی گنجائش ہے۔ اور اس کی تائید اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حجاج بن علاق رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ جانے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ میں وہاں جاکر ان سے کوئی ایسی بات کہدوں تو آپ نے ان کو اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ جب یہ وہاں پہنچے تو انہوں نے جاکر ان سے جھوٹ جھوٹ یہ کہدیا کہ خیبر میں مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے۔ اب یہ خبر بالکل جھوٹی تھی۔ اس سے بعض فقہاء یہ استدلال فرماتے ہیں کہ صریح جھوٹ بولنا جائز ہے۔ لیکن بہرحال، احتیاط اسی میں ہے کہ صریح جھوٹ نہ بولے بلکہ توریہ سے کام لے۔

باب ماجاء فی غزوات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کم غزا؟

﴿عن ابی اسحق قال کنت الی جنب زید بن ارقم فقیل له کم غزا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من غزوة؟ قال تسع عشرة فقلت کم غزوت انت معه؟ قال سبع عشرة قلت وایتهن کان اول؟ قال ذات العشیراء او العسیراء﴾ (۳۲۰)

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو کسی نے ان سے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے؟ انہوں نے فرمایا: انیس ۱۹۔ میں نے سوال کیا کہ آپ کتنے غزوات میں شریک ہوئے؟ فرمایا: سترہ ۱۷ میں۔ میں نے پوچھا کہ پہلا غزوہ کونسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ذات العشیراء

باب ماجاء في الصف والتعبية عند القتال

﴿عن عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه قال: عبانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ببدر ليلا﴾ (۳۲۱)

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ہماری صفیں بنائیں۔

باب ماجاء في الدعاء عند القتال

﴿عن ابن ابی اوفی رضی الله عنه قال: سمعته يقول يعنى النبی صلی الله علیه وسلم یدعو علی الاحزاب فقال: اللهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الاحزاب وزلزلهم﴾

(۳۲۲)

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (دشمنوں کے) لشکروں کے خلاف یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔ (منہ)

باب ماجاء في الالوية

﴿عن جابر رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة ولواءه ابيض﴾ (۳۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا جھنڈا سفید تھا۔ (یعنی فتح مکہ کے دن)

باب في الرايات

﴿بعثنی محمد بن القاسم الى البراء بن عازب رضي الله عنه اساله عن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: كانت سوداء مربعة من نمرة﴾ (۳۲۴)

حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جو سندھ کے فاتح ہیں۔ انہوں نے جہاد پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے غلام کو حضرات براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ اور یہ پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کیسا تھا؟ غالباً پوچھنے کا مقصد یہ ہوگا کہ میں اپنا جھنڈا بھی ویسا ہی بناؤں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ جھنڈا سیاہ چکور تھا اور دھاری دار کپڑے کا تھا۔

باب ماجاء فی الشعار

﴿عن المهلب بن صفرة عن من سمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: ان بیتکم العدو فقولوا حم لاینصرون﴾ (۳۲۵)

حضرت مہلب بن صفرۃ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رات کے وقت دشمن تم پر حملہ کردیں تو تمہارا شعار "حم لا ینصرون" ہے — "شعار" اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو فوج کے اندر خفیہ طور پر "کوڈ ورڈ" کے طور پر مقرر کرلیا جاتا ہے۔ اور یہ اعلان کردیا جاتا ہے کہ جو شخص یہ خفیہ لفظ بولے گا وہ ہمارا آدمی ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اس کا رواج تھا۔ چنانچہ آپ نے "حم لا ینصرون" مقرر فرمایا تھا۔

باب ماجاء فی صفة سیف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

﴿عن ابن سیرین رحمه اللّٰه تعالی قال: صنعت سیفی علی سیف سمرة وزعم سمرة انه صنع سیفه علی سیف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وکان حنفیا﴾ (۳۲۶)

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار جیسی بنائی، اور حضرت سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ان کی تلوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار جیسی ہے۔ اور آپ کی تلوار حنفی تھی۔ یعنی بنو حنیفہ کی بنائی ہوئی تھی۔

باب فی الفطر عند القتال

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالی عنه قال: لما بلغ

النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عام الفتح مر الظھران فاذننا بلقاء العدو فامرنا بالفطر فافطرنا اجمعین ﴾ (۳۲۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مر الظھران پر پہنچے تو ہمیں دشمنوں سے جنگ کی خبر دی اور ہمیں افطار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ہم سب نے افطار کرلیا۔

باب ماجاء فی الخروج عند الفزع

﴿عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: رکب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرسا لابی طلحۃ یقال لہ مندوب فقال ما کان من فزع وان وجدناہ لبحرا ﴾ (۳۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (دشمن کے آنے کی خبر سن کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے، اس گھوڑے کو مندوب کہا جاتا تھا۔ (آپ نے باہر نکل کر دیکھا تو آپ نے خوف اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہ پائی تو واپس آکر) فرمایا: گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں۔ اور ہم نے اس گھوڑے کو واقعی دریا (کی طرح تیز رو) پایا۔

﴿عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال کان فزع بالمدینۃ فاستعار رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرسا لنا یقال لہ مندوب فقال: ما راینا من فزع وان وجدناہ لبحرا ﴾

(۳۲۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں گھبراہٹ ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک گھوڑا عاریۃً لیا جس کا نام مندوب تھا۔ (واپس آکر آپ نے) فرمایا: ہم نے کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں دیکھی اور ہم نے اس گھوڑے کو واقعی دریا پایا۔

باب فی الثبات عند القتال

﴿عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنہ قال لہ رجل افررتم عن

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا اباعمارۃ؟ قال لا و اللّٰہ ماولی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولکن ولی سرعان الناس تلقتھم ھوازن بالنبل ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی بغلتہ وابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب اخذ بلجا مھا ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب ﴾ (۳۳۰)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے کہا: اے ابوعمارۃ! کیا تم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان جنگ میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، بلکہ چند جلد باز لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے، قبیلہ ہوازن کے لوگ تیر برساتے ہوئے ان سے ملے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے، اور ابو سفیان بن حارث اس خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ یہ فرما رہے تھے "بلا شک میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنھما قال: لقد رایتنا یوم حنین وان الفئتین لمولیتان ومامع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مائۃ رجل ﴾ (۳۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو حنین کی لڑائی میں دیکھا تو اس وقت دونوں جماعتیں پیٹھ پھیر کر بھاگ رہی تھیں۔ اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سو آدمی بھی نہیں تھے۔

﴿عن انس رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس، قال: ولقد فزع اھل المدینۃ لیلۃ سمعوا صوتا قال فتلقاھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی فرس لابی طلحۃ عری وھو متقلد سیفہ فقال: لم تراعوا لم تراعوا ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجدتہ بحرا یعنی الفرس ﴾ (۳۳۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ والوں نے رات کے وقت آواز سنی اور گھبرا گئے (لوگ اس آواز کی تحقیق کے لئے باہر نکلے تو) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی اور اس وقت آپ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور اپنی تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: مت گھبراؤ، مت گھبراؤ، (خطرے کی کوئی بات نہیں) پھر آپ نے فرمایا: میں نے اس گھوڑے کو دریا (کی طرح) پایا۔

باب ماجاء فی السیوف وحلیتها

﴿عن مزيدة رضی الله تعالى عنه قال: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح وعلى سيفه ذهب وفضة قال طالب: فسالته عن الفضة فقال: كانت قبيعة السيف فضة﴾ (۳۳۳)

حضرت مزیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کی تلوار پر سونا چاندی لگی ہوئی تھی، طالب راوی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سے چاندی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تلوار کے قبضے کی گرہ (یا ٹوپی) چاندی کی تھی۔

باب ماجاء فی الدرع

﴿عن الزبير بن العوام قال: كان على النبى صلى الله عليه وسلم درعان يوم احد فنهض الى الصخرة فلم يستطع فاقعد طلحة تحته فصعد النبى صلى الله عليه وسلم حتى استوى على الصخرة فقال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول اوجب طلحة﴾ (۳۳۴)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر آپ کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ چنانچہ جب آپ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو نہ چڑھ سکے (ان کے وزنی ہونے کی وجہ سے) آپ نے اپنے نیچے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھایا اور ان پر چڑھ کر چٹان

پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ نے واجب کرلیا (یعنی ان کے لئے جنت واجب ہو گئی)۔

باب ماجاء فی المغفر

﴿عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: دخل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عام الفتح وعلی راسه المغفر فقیل له ابن خطل متعلق باستار الکعبة قال اقتلوه﴾ (۳۳۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھا، آپ سے عرض کیا گیا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا کھڑا ہے، آپ نے فرمایا: اسے قتل کردو۔

باب ماجاء فی فضل الخیل

﴿عن عروة البارقی رضی اللّٰہ تعالی عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: الخیر معقود فی نواصی الخیل الی یوم القیامة الاجر والمغنم﴾ (۳۳۶)

حضرت عروۃ بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی بندھی ہوئی ہے، اجر وثواب بھی ہے اور غنیمت بھی۔

باب مایستحب من الخیل

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یمن الخیل فی الشقر﴾ (۳۳۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بھورے رنگ کے گھوڑے میں برکت ہے —— "شقر" بھورے رنگ کو کہتے ہیں جو سرخی اور سفیدی کے درمیان ہوتا ہے۔

﴿عن ابی قتادة رضی اللّٰہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: خیر الخیل الادھم الا قرح الارثم ثم الا قرح المحجل طلق الیمین فان لم یکن ادھم فکمیت علی ھذہ الشیة﴾ (۳۳۸)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے اچھا گھوڑا سیاہ ہے بشرطیکہ اس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں۔ اور دوسرے نمبر پر وہ گھوڑا ہے جس کی پیشانی پر بھی سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں پر بھی سفیدی ہو لیکن اس کا دایاں چھوٹا ہوا ہو یعنی وہ سفید نہ ہو بلکہ دائیں ہاتھ کا رنگ جسم کے دوسرے حصے کے مطابق سیاہ ہو۔ اور اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو تو پھر وہ کمیت ہو یعنی اس کا رنگ سرخ اور سیاہ کے درمیان ہو اور وہ اسی نقش کے مطابق ہو یعنی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ وہ پورا تو سیاہ ہو لیکن پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں۔ اور ہاتھ پاؤں پر سفیدی ہو۔ وہی نقش کمیت میں بھی ہو۔

باب مایکرہ من الخیل

﴿عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ کرہ الشکال فی الخیل﴾ (۳۳۹)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں "شکال" کو ناپسند فرماتے تھے۔ "شکال" اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے تین پاؤں سیاہ ہوں اور ایک پاؤں سفید ہو۔ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ گھوڑا جس کا ایک ہاتھ سفید ہو اور اس کے مقابل دوسری طرف کا ایک پاؤں سفید ہو، اور ایک ہاتھ سیاہ ہو اور اس کے مقابل دوسری طرف کا ایک پاؤں سیاہ ہو، ایسا گھوڑا پسندیدہ نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الرھان

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنھما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اجری المضمر من الخیل من الحفیاء الی ثنیة الوداع وبینھما ستة امیال ومالم یضمر من الخیل من ثنیة

الوداع الی مسجد بنی زریق وبینهما میل وکنت فیمن اجری فوثب بی فرسی جدارا﴾ (۳۴۰)

"رھان" کے معنی ہیں "گھوڑوں کا دوڑ کا مقابلہ۔ اور "تضمیر" کے معنی ہیں گھوڑے کا دبلا کرنا۔ گھوڑا جب زیادہ موٹا ہوجاتا ہے تو اس کو بھاگنے میں دشواری ہوتی ہے، وہ زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا، اس لئے جب ایک خاص مقدار سے زیادہ اس کی موٹائی ہوجاتی ہے تو پھر اس کو دبلا کیا جاتا ہے، اس کو "تضمیر" کہا جاتا ہے۔ پھر دبلا کرنے کے مختلف طریقے ہوتے تھے، مثلاً ایک طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک دو روز کے لئے اس کا کھانا بالکل بند کردیا جاتا اور پھر تھوڑا تھوڑا کرکے دیا جاتا۔

بہرحال، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ "مضمر گھوڑوں کی "حفیاء" سے "ثنیۃ الوداع" تک دوڑ لگوائی جن کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور جو گھوڑے "مضمر" نہیں تھے، ان کی "ثنیۃ الوداع" سے مسجد بنی زریق تک دوڑ لگوائی اور ان کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے —— حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس دوڑ میں شریک تھا۔ چنانچہ میرا گھوڑا مجھے لے کر ایک دیوار پھلانگ گیا۔

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا سبق الا فی نصل او خف او حافر﴾ (۳۴۱)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مقابلہ صرف تین چیزوں میں ہے، یا تو تیرا اندازی میں مقابلہ ہو، یا اونٹ دوڑانے میں مقابلہ ہو، یا گھوڑے دوڑانے میں مقابلہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان تین چیزوں میں مقابلہ کرنا تو درست ہے، باقی چیزوں میں مقابلہ کرنے میں کچھ حاصل نہیں، کوئی فائدہ نہیں، اور ان میں فائدہ یہ ہے کہ اس مقابلے کے ذریعے جہاد کی تیاری ہوجاتی ہے۔

باب ماجاء فی کراهیة ان ینزی الحمر علی الخیل

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنهما قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عبدا ماموراما اختصنا دون الناس بشئی الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء وان لاناکل الصدقة وان

لا ننزی حمارا علی فرس ﴾ (۳۴۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مامور بندے تھے، (یعنی آپ وہی کہتے اور کرتے تھے جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ہوتا) آپ نے ہم لوگوں کو (اہل بیت کو) دوسرے لوگوں کے مقابلے میں صرف تین چیزوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے: ① آپ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم وضوء اچھی طرح کیا کریں۔ ② دوسرے کہ یہ صدقہ نہ کھائیں۔ ③ تیسرے یہ کہ گدھے کو گھوڑی پر نہ چڑھائیں۔

باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین

﴿عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ابغونی فی ضعفاء کم فانما ترزقون وتنصرون بضعفائکم ﴾ (۳۴۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا، آپ نے فرمایا کہ مجھے کمزور اپنے لوگوں میں تلاش کرو۔ اس لئے کہ تمہارے ضعفاء کی برکت سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے یعنی جو لوگ ظاہری اعتبار سے کمزور اور ضعیف ہوتے ہیں مثلاً یا تو مالی اعتبار سے کمزور ہیں یا جسمانی قوت کے اعتبار سے کمزور ہیں لیکن ان کا ایمان قوی ہے، ایسے لوگوں کی برکت سے تمہاری مدد بھی کی جاتی ہے اور تمہیں رزق بھی دیا جاتا ہے، لہٰذا ایسے ضعیف لوگوں میں مجھے تلاش کرو۔ اور مجھے تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا قرب، میری محبت، میری خوشنودی اور رضامندی اس وقت تمہیں حاصل ہوگی جب تم ایسے ضعیف لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھو گے اور ان کی صحبت اختیار کرو گے۔

اس حدیث پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم فرمایا ہے وہ ہے "باب ماجاء فی الاستفتاح لصعالیک المسلمین" "صعالیک" "صعلوک" کی جمع ہے، اس کے معنیٰ ہیں "فقیر"، مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے فقراء کا واسطہ دے کر اور ان کی برکت سے فتح کی دعا کرنا اور فتح طلب کرنا۔

باب ماجاء فی الاجراس علی الخیل

﴿عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

علیه وسلم قال: لاتصحب الملائكة رفقة فيها كلب ولا جرس ﴾ (۳۴۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتے ان رفقاء کے ساتھ نہیں ہوتے جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو۔

باب من يستعمل على الحرب

﴿عن البراء رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث جيشين وامر على احدهما على بن ابى طالب رضي الله عنه وعلى الاخر خالد بن الوليد رضي الله عنه وقال اذا كان القتال فعلى قال فافتتح على حصنا فاخذ منه جارية فكتب معي خالد الى النبي صلى الله عليه وسلم بشئى به فقدمت على النبي صلى الله عليه وسلم فقرا الكتاب فتغير لونه ثم قال ماترى فى رجل يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله قلت اعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله وانما انا رسول فسكت﴾

(۳۴۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لشکر بھیجے، ان میں سے ایک لشکر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا اور دوسرے لشکر پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، اور فرمایا کہ جب جنگ شروع ہوجائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پورے لشکر کے امیر ہوں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں سے ایک جاریہ لے لی، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میرے ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط بھیجا جس میں ان کی چغلی کی، میں وہ خط لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے وہ خط پڑھا تو اس کی وجہ سے آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ پھر فرمایا، کیا دیکھتے ہو تم اس شخص میں جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں، میں تو ایک قاصد بن کر آیا تھا، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سن کر آپ

خاموش ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس خط کا برا مانا، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یقین سے جانتے تھے کہ یہ کوئی خیانت کا کام نہیں کریں گے، اگر انہوں نے جاریہ لی ہے تو حق کے ذریعہ لی ہوگی، اس کا کوئی نہ کوئی جواز ہوگا، اس لئے آپ نے اس شکایت کو پسند نہیں فرمایا۔

باب ماجاء فی الامام

﴿عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع ومسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عنھم۔ والمراۃ راعیۃ فی بیت بعلھا وھی مسئولۃ عنہ والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ﴾ (۳۴۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار تم سب حاکم ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا جو شخص حکمران ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھروالوں کا حاکم ہے، اس سے گھروالوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی حاکم ہے، اس سے اس کے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا حاکم ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ خبردار، تم سب حاکم ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

باب ماجاء فی طاعۃ الامام

﴿عن ام الحصین الاحمسیۃ رضی اللّٰہ عنھا قالت: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخطب فی حجۃ الوداع و علیہ برد قد التفع بہ من تحت ابطہ قالت: وانا انظر الی عضلۃ عضدہ ترتج سمعتہ یقول یا ایھا الناس اتقوا اللّٰہ وان امر علیکم عبد حبشی مجدع فاسمعوا لہ واطیعوا ما اقام لکم

کتاب السنة ﴿ (۳۴۷)

حضرت اُم حصین احمسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطبہ دیتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے اوپر ایک چادر تھی جس کو آپ نے بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا۔ اور میں آپ کے بازو کے گوشت کو دیکھ رہی تھی کہ وہ حرکت کررہا تھا۔ رتج یرتج کے معنی ہیں "حرکت کرنا"۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔ اور اگر تمہارے اوپر ایسا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو بھی اس کی بات کی سنو اور اس کی اطاعت کرو جب تک وہ تمہارے لئے اللہ کی کتاب کو قائم رکھے۔

امیراور حاکم کی اطاعت واجب ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیراور حاکم خواہ کیسا بھی ہو، جب تک وہ امیر کفر بواح کا ارتکاب نہ کرے، اس وقت تک مباحات میں اس کی اطاعت واجب ہے، البتہ اگر اسکے کسی حکم سے گناہ کا ارتکاب لازم آئے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔ یا وہ کسی گناہ کا حکم دے تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں۔ "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" لہٰذا امیر کے حکم کے بعد وہ مباح کام واجب بن جاتا ہے۔ اس کی اصل قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿یا ایها الذین امنوا اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (سورۃ النساء: ۵۹)

اس آیت میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اولی الامر کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اور "اولی الامر" کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے الگ کرکے ذکر کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر "اولی الامر" اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے علاوہ کوئی حکم دیتا ہے تو بھی اس کی اطاعت واجب ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر امام کسی مباح کام کا حکم دیدے تو وہ مباح کام واجب ہوجاتا ہے۔ اور اگر امام کسی مباح کام سے روک دے تو وہ مباح کام ناجائز ہوجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباح امور میں قانون کی پابندی ضروری ہے۔

قانون کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے

مثلاً ٹریفک کا یہ قانون ہے کہ گاڑی بائیں طرف چلاؤ، دائیں طرف مت چلاؤ۔ یا یہ قانون کہ

جس وقت سرخ سگنل جل جائے تو رک جاؤ۔ اب یہ قانون شرعی اعتبار سے واجب ہوگیا۔ لہٰذا جو شخص اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو صرف یہ نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی ہوگی، بلکہ شرعی اعتبار سے بھی گناہ ہوگا۔ اسی قسم کے اور قوانین جو مصلحت عامہ کے تحت بنائے جاتے ہیں ان کی پابندی واجب ہے۔

آج قانون شکنی کو بہادری تصوّر کیا جاتا ہے

انگریزوں کے دور حکومت میں یہ مسئلہ چلا تھا، جب انگریز برصغیر پر حکومت کررہا تھا۔ اس وقت مسلمانوں نے آزادی کی تحریکیں شروع کیں۔ ان تحریکوں میں یہ آواز بھی اٹھائی کہ قانون کو توڑو اور انگریز کے قانون کو نہ مانو اور اس کی خلاف ورزی کرو، چنانچہ تحریک کے دوران اس پر عمل ہوا۔ میں اس بحث میں نہیں جاتا کہ اس وقت ایسا کرنا جائز تھا یا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ تھا۔ بعض علماء اس کو اس وقت بھی ناجائز کہتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ قانون کی خلاف ورزی کرنا اس وقت بھی جائز نہیں۔ مگر چونکہ وہ انگریز کا دور حکومت تھا، اس لئے یہ اختلاف ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ ذہنیت بن گئی کہ قانون شکنی نہ صرف یہ کہ عیب نہ رہی، بلکہ ایک بہادری اور دلیری کا نشان بن گیا کہ فلاں آدمی قانون توڑتا ہے، وہی ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ذہنیت کو فروغ دینے میں ہماری حکومتوں نے بھی بڑا زبردست کردار ادا کیا کہ عوام کو محسوس ہی نہ ہوا کہ ہم پر انگریزوں کی حکومت ہے یا ان سے بھی بدتر لوگوں کی حکومت ہے۔

بہرصورت، شرعی اعتبار سے دونوں کی حکومتوں میں فرق ہے۔ اگر ایک مسلمان حاکم ہے تو وہ حاکم کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، مباحات کے دائرے میں اس کا بنایا ہوا قانون واجب الاطاعت ہے، جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے، اس کی تعمیل ضروری ہے۔ یہ بات اب ہمارے ذہنوں سے نکل گئی ہے کہ قانون کی خلاف ورزی کرنا بھی کوئی گناہ کی بات ہے۔ اب تو اچھے خاصے بڑے بڑے علماء کرام بھی اس کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس طرز عمل کی واضح تردید کرتی ہے۔

کیا خلیفہ بننے کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں؟

اس حدیث سے بعض حضرات نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ خلیفہ یا امام کا قریش سے ہونا

کوئی ضروری نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث میں فرمایا: عبد حبشی مجدع ظاہر ہے کہ عبد حبشی قریشی نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں، وجہ یہ ہے کہ ایک تو اپنے اختیار سے کسی کو خلیفہ بنانا ہوتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ کسی شخص کا زبردستی خلیفہ بن جانا، اور خلیفہ کی شرائط کا لحاظ پہلی صورت میں تو ہوسکتا ہے کہ جب مسلمان کسی کو اپنا خلیفہ بنارہے ہوں تو ان کو چاہئے کو وہ تمام شرائط کا خیال رکھیں۔ لیکن ایک شخص زبردستی طاقت کے زور پر خلیفہ بن گیا، تو اب ظاہر ہے اس کے اندر شرائط کا لحاظ کون رکھے؟ اس لئے کہ استیلاء کے ذریعہ اس کی خلافت قائم ہوئی ہے۔ اگر ایسا شخص خلیفہ بن گیا جس کے اندر شرائط خلافت نہیں پائی جاتیں، اس کے باوجود استیلاء کے ذریعہ اس کی خلافت منعقد ہوجاتی ہے۔

حدیث باب میں یہی دوسری صورت مراد ہے کہ ایک شخص زبردستی تمہارے اوپر امیر بنادیا گیا، جو عبد حبشی ہے اور تم نے اس کو نہیں بنایا، تب بھی اس امیر اور خلیفہ کی اطاعت کرو۔ لہٰذا قریشی ہونے کی شرط اس وقت ہے جب لوگ اپنے اختیار سے کسی کو خلیفہ بنارہے ہوں۔ اور اگر غیر قریشی زبردستی خلیفہ بن گیا ہے تو بہرحال اس کی خلافت منعقد ہوجاتی ہے اور اس کے احکام واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس حدیث سے اس مسئلے پر استدلال درست نہیں۔

خلیفہ کا قریشی ہونے اور نہ ہونے پر اختلاف

لیکن ایک اور حدیث سے استدلال بڑا قوی ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے پیچھے کسی کو خلیفہ بنادیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر حضرت ابوعبیدۃ بن جراح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنادیتا، مگر وہ وفات پاچکے ہیں۔ اور اگر سالم مولی حذیفہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنادیتا۔ اب سالم مولی حذیفہ قریشی نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنادیتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلیفہ ہونے کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں تھا۔ اس وجہ سے اس اُمت کے بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ قریشی ہونا شرائط خلافت میں داخل نہیں۔

"الائمۃ من قریش" سے استدلال

ان حضرات فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الائمة من قریش﴾ (۳۴۹)

یہ درحقیقت خبر ہے۔ انشاء نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے آئندہ کے بارے میں خبر دیدی کہ میرے بعد جو خلفاء ہوں گے، وہ زیادہ تر قریش کے ہوں گے، نہ یہ کہ قریشی ہونا ضروری اور ناگزیر ہے، اس کے بغیر خلافت درست نہیں ہوگی۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے۔

جو حضرات فقہاء "الائمة من قریش" کی مندرجہ بالا توجیہ کرتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میں "سالم مولی حذیفہ کو خلیفہ بنادیتا" اس سے استدلال بہت قوی ہے۔ حتی کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے فقہاء امت بھی اس طرف گئے ہیں۔ اگرچہ جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ امام اور خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ حکم بلاد عرب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام اسلامی ممالک کے لئے ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ سارا عالم اسلام ایک خلیفہ کے ماتحت ہو، یہ تو مسلمانوں نے بدعت ایجاد کرلی ہے کہ ہر ایک نے اپنا ملک الگ بنارکھا ہے۔ (۳۴۸)

فاسق حاکم کے نافذ کردہ احکام واجب العمل ہیں

اور یہ جو میں نے اوپر کہا کہ اگر غیر قریشی زبردستی خلیفہ بن جائے تو اس کی خلافت اور حکومت منعقد ہوجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام نافذ اور واجب العمل ہوں گے۔ اس لئے کہ اگر یہ حکم لگادیا جائے کہ اس کے احکام نافذ ہی نہیں تو اس صورت میں بڑا زبردست خلفشار اور فوضویت پیدا ہوجائے گی، اس لئے شریعت نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اگر کسی حاکم اور خلیفہ میں شرائط خلافت نہ بھی پائی جارہی ہوں، لیکن وہ زبردستی مسلط ہوگیا ہو تو اس کے احکام نافذ ہوں گے۔

عورت کی امارت منعقد ہوجاتی ہے

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اگر کوئی عورت زبردستی حاکم بن جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے احکام نافذ

نہیں ہوتے اور اس کی امارت اور خلافت منعقد ہی نہیں ہوتی۔ لیکن تحقیق سے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ صحیح یہ ہے کہ اگر عورت بھی حاکم بن جائے تو اس کی امارت منعقد ہوجاتی ہے اور اس کے احکام نافذ ہوں گے، البتہ جن لوگوں نے اس عورت کو حاکم بنایا یا اس کو حاکم بنانے میں کسی قسم کا تعاون کیا، وہ گناہ گار ہوں گے۔

"اولی الامر" سے کونسے حاکم مراد ہیں؟

ایک طالب علم نے یہ سوال کیا ہے کہ قرآن کریم کا یہ جو ارشاد ہے کہ:

﴿اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾

"اس میں "اولی الامر" سے ہر حاکم مراد ہے، یا وہ حاکم مراد ہے جس میں شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں؟"۔

یہ انہوں نے اچھا سوال کیا۔ اس لئے کہ فقہاء نے اس پر بحث کی ہے کہ "اولی الامر" سے کون مراد ہیں؟ اور مفسرین نے اس کی متعدد تفسیریں کی ہیں۔ بہت حضرات نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے مراد "فقہاء مجتہدین" ہیں۔ اگر یہ تفسیر مراد لی جائے تو پھر زیر بحث مسئلے میں اس آیت سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ "اولی الامر" سے مراد "حکام" ہیں۔ چاہے وہ حکام مجتہد ہوں یا غیر مجتہد ہوں۔ دونوں داخل ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی وجہ سے ان کی اطاعت واجب ہوگی۔ راجح تفسیر یہی ہے۔

اور اس تفسیر کے راجح ہونے کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ اس تفسیر کو اختیار کرنے والے مفسرین کی تعداد زیادہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حدیث باب سے بھی اس کی تائید ہورہی ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اس آیت کو حکام کی اطاعت پر محمول کیا ہے، ان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا زیادہ راجح تفسیر یہی ہے۔

حاکم کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے بشرطیکہ وہ معصیت کا حکم نہ ہو

دوسرا سوال طالب علم نے یہ کیا کہ کیا "اولی الامر" یعنی حکام کی اطاعت صرف اس وقت واجب ہے جب وہ قاضی یا عدالت کے ذریعہ کوئی حکم نافذ کریں یا یہ کہ ہر حکم نافذ العمل ہے، چاہے وہ

قاضی کے واسطے سے ہو یا بغیر واسطے کے ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں قسم کے احکام واجب العمل ہیں۔ چاہے وہ قاضی کے واسطے سے ہوں یا قاضی کے واسطے کے بغیر براہ راست ہوں۔ کیونکہ حاکم کے حکموں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک انتظامی احکام ہوتے ہیں۔ یہ احکام قاضی کے واسطے سے نہیں آتے بلکہ یہ احکام براہ راست حاکم بحیثیت حاکم کے جاری کرتا ہے۔ اور دوسرے احکام وہ ہوتے ہیں جو کسی مقدمے کے فیصلے سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس قسم کے احکام قاضی کے واسطے سے جاری کئے جاتے ہیں۔ اور دونوں قسم کے احکام واجب التعمیل ہیں، ان میں سے کسی کی تفریق نہیں ہے۔

البتہ یہ قید ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ وہ حکم واجب التعمیل ہے بشرطیکہ حاکم کا حکم کسی گناہ پر مجبور نہ کرے۔ اس لئے کہ جیسا کہ اوپر عرض کیا کہ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق اس حدیث کے ذریعہ شریعت نے ہمیں ایک ایسا اصول دیدیا ہے کہ اگر مسلمان ٹھیک ٹھیک اس اصول پر عمل کرلیں تو انشاء اللہ چند گھنٹوں میں سارے حکام سیدھے ہوجائیں۔

حکومت پر دباؤ ڈالنے کے موجودہ طریقے

ہمارے ہاں ایک مصیبت یہ چل پڑی ہے کہ عوام کو حکومت سے اپنے حقوق حاصل کرنے اور ان سے جائز مطالبات پورے کرانے کے لئے حکومت پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ آج جو جمہوری نظام قائم ہے، اس کا ایک لازمی حصہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ عوام اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالیں۔ اب یہ کہ اس دباؤ ڈالنے کے لئے کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ وہ راستے بھی ہمیں انگریز سکھا گیا کہ دباؤ ڈالنے کے لئے ہڑتال کرو۔ بھوک ہڑتال کرو۔ جلوس نکالو، راستے بند کرو، چنانچہ ان کی تعلیم و تبلیغ کے نتیجے میں ہم نے وہ سارے کام شروع کردیئے، ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ دباؤ ڈالنے کے یہ طریقے ہماری شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں؟

موجودہ "ہڑتالوں" کا شرعی حکم

ہڑتال کو ہی دیکھیں، ہڑتال کے بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی طرف سے یہ اپیل کی جائے کہ فلاں بات کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے یا اپنے جذبات کے اظہار کے لئے لوگ فلاں دن اپنی دکانیں اور کاروبار بند رکھیں، پھر اس اپیل کے بعد کوئی شخص اپنی دکان بند رکھے تو

ٹھیک ہے اور اگر بند نہ کرے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اس سے زبردستی دکان بند کرائی جائے۔ اس حد تک ہڑتال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن آج تک اس جمہوری نظام میں ایسی شریفانہ ہڑتال نہیں ہوئی اور نہ موجودہ دور میں ایسی شریفانہ ہڑتال کا کوئی تصور ہے۔

آج عجیب بات یہ ہے کہ "جمہوریت" کا نام لیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی رائے پر عمل کرنے میں آزاد ہے۔ لیکن اس کے باوجود دوسرے لوگ اپنی رائے اس پر ٹھونستے ہیں اور زبردستی دکانیں بند کراتے ہیں۔

دوسری طرف یہ پہیہ جام ہڑتال ہے۔ جس میں یہ اعلان کردیا جاتا ہے کہ ہم کسی گاڑی کو سڑک پر آنے نہیں دیں گے چاہے وہ کوئی بھی گاڑی ہو۔ اس میں تو صریح ظلم ہے اور نہ جانے اس کی وجہ سے کتنے انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے۔ مثلاً کوئی بیمار پڑا ہے تو اب ہڑتال کی وجہ سے اس کو ہسپتال نہیں لے جاسکتے۔ یا مثلاً کوئی شخص روز کماکر کھانے والا ہے تو اب ہڑتال کے ذریعہ اس کے رزق کے دروازے بند کردیئے۔ یا مثلاً کوئی مسافر ہے اور سفر پر روانہ ہونا چاہتا ہے، اب ہڑتال کی وجہ سے نہ وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ سکتا ہے۔ نہ ائیرپورٹ پہنچ سکتا ہے۔ گویا اس پہیہ جام ہڑتال کی وجہ سے بے شمار انسانوں کو زبردستی ان کی ضروریات سے روک دینا ہے۔ اس لئے اس قسم کی ہڑتال شرعاً کسی طرح بھی جائز نہیں۔

موجودہ ہڑتالوں کا لازمی نتیجہ

پھر ان ہڑتالوں کا لازمی نتیجہ جو کم از کم ہمارے ملکوں میں تو ضرور ہوتا ہے، وہ توڑ پھوڑ کرنا۔ گاڑیاں جلانا۔ سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا۔ شرعاً ان کاموں کا کوئی جواز نہیں۔ لہٰذا ایسی ہڑتالوں کو شریعت کے نفاذ کا ذریعہ بنانا جائز نہیں۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گناہ کے ذریعہ شریعت نافذ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

جلوس نکالنے کا شرعی حکم

اسی طرح ایسا جلوس نکالنا جس کے ذریعہ راستے بند ہوجائیں اور لوگوں کے لئے نقل و حرکت ممکن نہ رہے اور بلاوجہ لوگوں کو تکلیف پہنچے، یہ بھی میرے نزدیک شرعاً جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں پر سخت وعید آئی ہے جو گزرنے والوں کا راستہ بند

کریں۔ یہ صورت اس میں داخل ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے انگریزوں نے جو طریقے ہمیں سکھادیئے، ہم اس پر عمل کررہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نتیجہ صفر نکلتا ہے۔

حکومت پر دباؤ ڈالنے کا صحیح طریقہ

اس کے برخلاف حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے جو طریقہ ہمیں شریعت نے بتایا، وہ یہ ہے کہ: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق یعنی عوام حکومت سے یہ کہدے کہ ہم ان قوانین پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں جو ہمیں کسی گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔ مثلاً اگر تمام جج صاحبان جو عدالت میں بیٹھے ہیں، وہ یہ کہدیں کہ ہم مقدمات کے فیصلے اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک شریعت کا قانون نہیں لایا جائے گا۔ اور اسی طرح وکلاء یہ کہدیں کہ ہم کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے جب تک شرعی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔ اور تاجر یہ کہدیں کہ ہم کسی بینک میں پیسے نہیں رکھوائیں گے جب تک بینکوں کو سود سے پاک نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی بینک سے پیسے لیں گے۔ اگر تمام مسلمان مل کر صرف یہ ایک اقدام کرلیں کہ ہم بینکوں میں اس وقت تک پیسے نہ رکھوائیں گے اور نہ لیں گے جب تک کہ سودی نظام ختم نہ کردیا جائے، پھر دیکھو، حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائے گی اور چند گھنٹے میں سودی نظام ختم ہوجائے گا۔ لیکن اس کے لئے تھوڑی سی ہمت اور خود قربانی دینے کی ضرورت ہوگی۔

آجکل ہمارا حال

لیکن انگریز ہمیں ایسے طریقے سکھا گیا جس میں نہ ہمارا کچھ بگڑے اور نہ قربانی دینی پڑے۔ وہ یہ کہ ایک شخص بینک کے اندر ملازم ہے اور سود کھارہا ہے۔ یا ایک تاجر بینک کے ذریعہ سودی لین دین کررہا ہے اور بینک میں پیسے رکھے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سودی نظام کے خلاف جو ہڑتال ہوئی اور جو جلوس نکالا گیا اس میں بھی شامل ہوگئے اور سودی نظام کے خلاف نعرے لگادیئے۔ اور اپنے طور پر اسلامی نظام کی تحریک میں شامل ہوگئے اور اگلے دن جاکر سود کا لین دین شروع کردیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس طریقے میں کوئی قربانی تو نہیں دینی پڑی۔ لیکن جلوس میں شرکت کی وجہ سے لوگوں نے گلے میں ہار ڈالے اور ان کی تعریف کی کہ انہوں نے حکومت کے خلاف ایسا دباؤ ڈالا اور

ایسا جلوس نکالا۔ دباؤ ڈالنے کا یہ طریقہ شریعت کے مطابق نہیں؟ بلکہ شریعت کے مطابق دباؤ ڈالنے کا طریقہ وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کیا۔ یعنی لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق اور اگلے باب میں اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

باب ماجاء لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق

﴿عن ابن عمر رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: السمع والطاعة علی المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فان امر بمعصية فلا سمع عليه ولا طاعة﴾ (۳۵۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان شخص پر سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے، چاہے وہ اس حکم کو پسند کرے یا نہ کرے جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے اور نہ اطاعت کرنا واجب ہے۔ اس حدیث میں بالکل صاف صاف بیان فرمادیا۔

باب ماجاء فی التحريش بين البهائم والوسم فی الوجه

﴿عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن التحريش بين البهائم﴾ (۳۵۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں لڑائی پر ابھارنے سے منع فرمایا ہے۔

﴿عن جابر رضی الله عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم نهی عن الوسم فی الوجه والضرب﴾ (۳۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (چوپایوں کے) چہرے پر داغنے سے اور ان کے منہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

باب ماجاء فی حد بلوغ الرجل ومتی يفرض له؟

﴿عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: عرضت علی رسول الله

صلى الله عليه وسلم فى جيش وانا ابن اربع عشرة فلم يقبلنى ثم عرضت عليه من قابل فى جيش وانا ابن خمس عشرة فقبلنى قال نافع فحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز فقال هذا مابين الصغير والكبير ثم كتب ان يفرض لمن بلغ الخمس عشرة ﴾ (۳۵۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لشکر میں پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ آپ نے مجھے قبول نہیں فرمایا۔ پھر آئندہ سال ایک لشکر میں پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ آپ نے مجھے قبول فرمالیا۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی تو آپ نے فرمایا: یہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان حد فاصل ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ حکم جاری کر دیا کہ جس کی عمر پندرہ سال ہو جائے اس کے لئے (غنیمت کا) حصہ دیا جائے۔ (منہ)

باب ماجاء فیمن یستشهد وعلیه دین

﴿عن ابى قتادة رضى الله عنه يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قام فيهم فذكر لهم ان الجهاد فى سبيل الله والايمان بالله افضل الاعمال فقام رجل فقال يا رسول الله ارايت ان قتلت فى سبيل الله يكفر عنى خطاياى؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم ان قتلت فى سبيل الله وانت صابر محتسب مقبل غير مدبر ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف قلت؟ قال ارايت ان قتلت فى سبيل الله ايكفر عنى خطاياى؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نعم وانت صابر محتسب مقبل غير مدبر الا الدين فان جبرئيل قال لى ذلك ﴾ (۳۵۴)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا تمام عملوں میں سب سے

زیادہ افضل عمل ہیں۔ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں تو کیا تمام گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کردئے جاؤ اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے (ثابت قدم ہوکر) ثواب کے طلب گار ہو۔ آگے بڑھنے والے ہو اور پیچھے ہٹنے والے نہ ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: تم نے کیا پوچھا؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں تو میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اس حالت میں قتل کئے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو۔ اجر و ثواب کی نیت ہو۔ آگے بڑھنے والے ہو اور پیچھے ہٹنے والے نہ ہو۔ مگر دین (معاف نہیں ہوگا) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے ایسے ہی کہا ہے۔

باب ماجاء في دفن الشهيد

﴿عن هشام بن عامر رضي الله عنه قال: شكي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجراحات يوم احد فقال احفروا واوسعوا واحسنوا وادفنوا ثنين والثلاثة في قبر واحد وقدموا اكثرهم قرانا فمات ابي فقدم بين يدي رجلين﴾ (۳۵۵)

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے (مقتولین کے) زخموں کی شکایت کی گئی، آپ نے فرمایا: قبریں کھودو اور کشادہ کھودو اور اچھی طرح صاف کرو، اور ایک قبر میں دو اور تین کو دفن کردو، اور جس کو قرآن شریف زیادہ یاد ہو اس کو آگے کرو۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرے والد بھی فوت ہوگئے تھے تو ان کو ایک قبر میں دو آدمیوں سے آگے رکھا گیا۔ (من المرتب)

باب ماجاء في المشورة

﴿عن عبد الله رضي الله عنه قال: لما كان يوم بدر وجيئ بالاسارى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تقولون في هؤلاء الاسارى؟ وذكر قصة طويلة﴾ (۳۵۶)

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب جنگی قیدیوں کو لایا گیا تو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اور اس کے ساتھ طویل واقعہ ذکر کیا۔ (چونکہ یہاں پر مقصود صرف مشورہ لینے کو بیان کرنا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے یہ مشورہ لیا کہ آیا ان قیدیوں کو قتل کردیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ (منہ)

باب ماجاء لاتفادی جیفة الاسیر

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما ان المشرکین ارادواان یشتروا جسد رجل من المشرکین فابی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یبیعھم (۳۵۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے یہ چاہا کہ اپنے ایک آدمی کی لاش مسلمانوں سے خرید لیں تو حضور اقدس صلی اللہ وسلم نے بیچنے سے انکار فرمادیا۔

اس بارے میں فقہاء کے درمیان کلام ہوا ہے کہ کفار کی لاش ان کو ویسے ہی واپس کی جائے یا معاوضہ لے کر واپس کی جائے؟ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی اس میں مصلحت ہو تو لاش ان کو واپس دے سکتے ہیں، معاوضہ کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں اور بلامعاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس دینے میں مصلحت نہ سمجھی ہو، اس لئے آپ نے انکار کردیا۔ لیکن ایسی کوئی حدیث بھی نہیں ہے جس میں آئندہ بھی دینے سے ممانعت فرمادی ہو۔ اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی مصلحت داعی ہو تو ان کو لاش واپس کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس لاش کو فروخت نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس طرح زندہ قیدی کو فدیہ لے کر چھوڑا جاسکتا ہے اسی طرح لاش بھی فدیہ لے کر دی جاسکتی ہے۔

باب (بلا ترجمة)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال: بعثنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی سریة فحاص الناس حیصة فقدمنا المدینة فاختبانا بھا وقلنا ھلکنا ثم اتینا رسول اللّٰہ صلی

الله علیه وسلم فقلنا یا رسول الله نحن الفرارون قال: بل انتم العکارون وانا فئتکم ﴾ (۳۵۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا تو لوگوں نے راہ فرار اختیار کرلیا۔ حاص کے معنی ہوتے ہیں: مائل ہونا۔ مقصد یہ ہے کہ جب کافروں کی طرف سے سخت حملہ ہوا تو اس کی وجہ سے ہم مسلمان واپس مدینہ منورہ آگئے۔ اور مدینہ آکر چھپ کر بیٹھ گئے۔ اور یہ خیال کیا کہ ہم تو بھاگ کر واپس آگئے ہیں تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے شکل دکھائیں۔ اور ہم نے کہا کہ ہم تو ہلاک ہوگئے۔ پھر ہم آخر کار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو بھگوڑے ہیں۔ جواب میں آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ عکر، یعکر کے معنی ہیں "دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنا"۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تسلی دی کہ تم لوگ جو واپس آئے ہو، یہ فرار اختیار کرکے نہیں آئے بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے کی نیت سے آئے ہو۔ اور میں تمہاری وہ جماعت ہوں جس کی طرف تم لوٹ کر آئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمادیا: "اومتحیزا الی فئة" یعنی اگر کوئی لشکر اس نیت سے واپس آئے کہ فلاں جماعت کی مدد لے کر دوبارہ حملہ کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن جابر بن عبد الله قال: لما کان یوم احد جاءت عمتی بابی لتدفنه فی مقابرنا فنادی منادی رسول الله صلی الله علیه وسلم ردوا القتلی الی مضاجعها﴾ (۳۵۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد (کی لاش) کو ہمارے قبرستان میں دفن کرنے کے لئے لے آئیں۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ میں واپس لے جاؤ (تاکہ ان کو وہیں دفن کیا جائے)

باب ماجاء فی تلقی الغائب اذا قدم

﴿عن السائب بن یزید رضی الله عنه قال: لما قدم رسول الله

صلی اللّٰہ علیہ وسلم من تبوک خرج الناس یتلقونہ الی ثنیۃ الوداع قال السائب: فخرجت مع الناس وانا غلام ﴾ (۳۶۰)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ مدینہ منورہ سے باہر ثنیۃ الوداع تک آپ کے استقبال کے لئے آئے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا اور میں اس وقت لڑکا تھا۔

باب ماجاء فی الفئی

﴿عن مالک بن اوس بن الحدثان قال: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ یقول: کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللّٰہ علی رسولہ مما لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولارکاب فکانت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خالصا فکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعزل نفقۃ اھلہ سنۃ ثم یجعل مابقی فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللّٰہ ﴾ (۳۶۱)

حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ بنو نضیر کے اموال "مال فئ" کے حکم میں تھے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے اس کو فتح کرنے کے لئے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ۔ یعنی جنگ کے بغیر وہ مال حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھا۔ چنانچہ آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کا خرچہ نکال لیتے اور جو مال بچتا اس کو جہاد کی تیاری کے لئے گھوڑوں اور اسلحہ پر خرچ کردیتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابواب اللباس

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

باب ماجاء فی الحریر والذهب للرجال

﴿عن ابی موسی الاشعری رضی اللّٰہ عنه ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: حرم لباس الحریر والذهب علی ذکور امتی واحل لاناثهم﴾ (۳۶۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کردیا گیا ہے، البتہ ان کی عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حلال ہیں۔

﴿عن عمر رضی اللّٰہ عنه انه خطب بالجابیة فقال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الحریر الا موضع اصبعین او ثلاث اوا ربع﴾ (۳۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا۔ لیکن دو یا تین یا چار انگلیوں کے برابر پہننے کی اجازت دی ہے۔

باب ماجاء فی لبس الحریر فی الحرب

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنه ان عبد الرحمن بن عوف والزبیر بن العوام رضی اللّٰہ عنهما شکیا القمل الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فی غزاة لهما فرخص لهما فی قمص الحریر﴾ (۳۶۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے ایک جنگ کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جوئیں ہوجانے کی شکایت کی۔ جوؤں کا ایک علاج یہ ہے کہ اگر آدمی ریشم کا لباس پہن لے تو ان سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو ریشم کا قمیص پہننے کی اجازت دی۔

ریشم پہننے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خارش کی وجہ سے یا جوؤں کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے مردوں کے لئے ریشم کا استعمال مطلقاً جائز ہے، اسی طرح جنگ کے اندر بھی ریشم کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ریشم دشمن کے حملے سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اگر خالص ریشم ہو تو تلوار اچٹ جاتی ہے اور آدمی زخمی ہونے سے بچ جاتا ہے، اس لئے ان دونوں صورتوں میں حریر کا استعمال مردوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں بھی خالص حریر پہننا پھر بھی مردوں کے لئے جائز نہیں، البتہ مخلوط حریر پہننا جائز ہے۔ اور مخلوط میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کپڑے کا بانا حریر ہے اور تانا غیر حریر ہے۔ ایسا کپڑا پہننا حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ البتہ اگر تانا حریر ہو اور بانا غیر حریر ہو تو ایسا کپڑا عام حالات میں بھی جائز ہے، لیکن حالت حرب اور حالت مرض میں ایسا مخلوط کپڑا پہننا بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے جس کا بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو۔ چنانچہ حدیث باب اور اس جیسی دوسری احادیث جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے کی اجازت دی ہے، ان احادیث کو حنفیہ اس صورت پر محمول فرماتے ہیں جس کا بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو۔ اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کے اندر اصل بانا ہوتا ہے۔ اور بانا ہی سامنے رہتا ہے، اور تانا اندر رہتا ہے۔ لہٰذا اگر تانا حریر ہے اور بانا غیر حریر ہے تو اس کپڑے کے ظاہر میں حریر کی صفات دیکھنے میں نظر نہیں آئیں گی، کیونکہ اس صورت میں حریر پوشیدہ رہے گا، اس لئے حنفیہ کے نزدیک ایسا کپڑا عام حالات میں بھی پہننا جائز ہے۔ اور بانا حریر ہو اور تانا غیر حریر ہو، اس صورت میں اس کپڑے کی ظاہری شکل حریر جیسی ہوگی، اس لئے وہ عام حالات میں ناجائز ہے۔ (۳۹۵)

لباس کے بارے میں شرعی اصول

لباس کے اندر شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے۔ اور امت کے لئے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کیا

کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو۔ اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتادیئے ہیں، اور یہ بتادیا کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے۔ وہ اصول یہ ہیں کہ مردوں کے لباس حریر کے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ عورت ہے، اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقے پر چھپ جائے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿انزلنا علیکم لباسا یواری سواتکم وریشا﴾ (سورۃ الاعراف: ۲۶)

اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتادیا کہ وہ ساتر ہو۔ اور لباس کا دوسرا مقصد یہ بتایا کہ وہ لباس انسان کے لئے زینت کا باعث ہو۔ لہٰذا لباس کے ذریعہ زینت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان اصولوں کے تحت ہو جو شریعت نے لباس کے بارے میں بتائے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں۔ یعنی لباس کے ذریعہ مرد عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تکبر کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو۔ اور اس کے اندر اسراف نہ ہو۔ اور زیادہ قیمتی لباس اس لئے پہننا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن جائے، یہ بھی ناجائز ہے۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار نہ ہو۔ تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کرکے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں۔ یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق

البتہ "تشبہ" اور "مشابہت" میں فرق ہے اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ "تشبہ" اسے کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد اور اختیار سے آدمی دوسری ملت والے کے مشابہ بننے کی کوشش کرے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں۔ یہ تو ناجائز اور حرام ہے۔ اور دوسری چیز ہے "مشابہت" وہ یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد اور ارادہ تو نہیں تھا لیکن اس لباس کے ذریعہ بلا قصد ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی۔ یہ "مشابہت" حرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اس لئے حتی الامکان مشابہت سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

کوٹ پتلون پہننے کا حکم

جہاں تک کوٹ پتلون پہننے کا تعلق ہے تو چونکہ اب دنیا بھر میں اس کا رواج اور شیوع اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ اب اس میں "تشبہ" کی شان مغلوب ہوگئی ہے۔ اس لئے تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا ممکن نظر نہیں آتا۔ البتہ شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ لباس ساتر ہو۔ اگر وہ پتلون اتنی چست ہے کہ اس کی وجہ سے اعضاء عورت کی ہیئت ظاہر ہورہی ہو تو ایسی پتلون پہننا ناجائز ہے۔ یا اگر وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے ہوگی تو اس کا پہننا بھی جائز نہیں، البتہ تشبہ کی وجہ سے حرمت نہیں آئے گی۔ لیکن چونکہ اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ مشابہت ہوجائے گی اس لئے اس کا پہننا کراہت سے خالی نہیں۔ لہٰذا حتی الامکان پرہیز ہی کرنا چاہئے۔ البتہ کوئی شخص ملازمت کی مجبوری سے اس کو پہنتا ہے اور دل میں اچھا نہیں سمجھتا تو پھر امید ہے کہ انشاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ چست نہ ہو۔ اس لئے کہ جہاں ایسا لباس پہننا لازم ہوتا ہے وہاں چست پہننے کی قید نہیں ہوتی۔ لہٰذا آدمی اپنی مرضی سے ڈھیلی سلوالے۔

ٹائی کا حکم

جہاں تک "ٹائی" کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں ہمارے طبقے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ ٹائی در حقیقت صلیب تھی۔ عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے، اب ٹائی کو صلیب کا متبادل بنالیا گیا ہے۔ لیکن مجھے کافی تلاش کے بعد اب تک اس بات کی دلیل اور اس کا کوئی ماخذ نہیں ملا۔ لباس کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر لباس کی تاریخ لکھی ہوتی ہے کہ اس لباس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس میں بھی ٹائی کے بارے میں کوئی مضمون اب تک نظر نہیں آیا۔ اس لئے جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نصاریٰ کا شعار قرار دے کر حرام قرار دینے سے میں توکف لسانی کرتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے

"بدگوید، بدگفتند بدیست" جو شخص عمامہ نہ پہنے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو برا سمجھنا، برا کہنا، یا اس پر نکیر کرنا خود منکر ہے اور برا ہے۔ اصول یہ ہے کہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔

یعنی جو چیز شرعاً منکر نہیں ہے، اس پر دینی نقطہ نظر سے نکیر کرنا خود منکر ہے۔ "عمامہ" پہننا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے، لیکن واجب نہیں بلکہ سنن زوائد میں سے ہے، لہٰذا جو شخص عمامہ پہنتا ہے، انشاء اللہ اس کو اجر وثواب ملے گا، اور اگر کوئی شخص نہیں پہنتا تو کوئی گناہ نہیں اور کراہت بھی نہیں اور نہ پہننا مباح ہے۔ اب اگر ایک شخص ایک ایسا کام کررہا ہے جو شرعاً مباح ہے، شریعت نے اس کام کو لازم نہیں کیا۔ اس کام کو لازم سمجھنا اور جو آدمی اس کام کو نہ کرے اس پر نکیر کرنا، یہ خود منکر اور بدعت ہے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں کیا تو تم کہاں سے خدائی فوجدار آگئے ہو اور اس کو لازم کررہے ہو۔

بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا

ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور شرفاء کے مجمع میں جاتا ہے تو عمامہ ضرور پہنتا ہے، تو جس علاقے میں اس قسم کا رواج ہوتا ہے وہاں کے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لئے گھر میں بھی بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کو عمامہ پہن کر نماز پڑھنی چاہئے۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس لباس میں آدمی دوسروں کے سامنے نہ جاسکے، اس لباس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے یہ جو فرمایا ہے کہ آدمی جن کپڑوں میں باہر نہ جاسکے، ان کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کپڑوں میں آدمی گھر سے باہر نکل ہی نہیں سکتا، مثلاً ایک آدمی اپنے گھر میں بنیان اور لنگی میں ہے، تو اس حالت میں ظاہر ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اب اگر اس حالت میں وہ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ ہوگی۔ لیکن ایک شخص نے قمیص، شلوار ٹوپی پہن رکھی ہے اور اس لباس میں وہ مہمان سے بھی ملتا ہے اور قریب آس پاس کہیں جانا ہوتا ہے تو اس لباس میں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اسی لباس میں مسجد میں بھی چلا جاتا ہے تو اب ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں، اگرچہ اس شخص کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی شرفاء کی محفل میں یا کسی جلسے میں یا کسی تقریب میں جاتا ہے تو شیروانی یا صدری پہن کر جاتا ہے، اور ان کے پہنے کا بہت اہتمام بھی کرتا ہے، اور شیروانی یا صدری کے بغیر جانے کو معیوب سمجھتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب وہ شخص نماز پڑھنے کے لئے جائے تو پہلے شیروانی یا صدری پہنے اور پھر نماز پڑھے، بلکہ ان کے بغیر بھی نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے۔ اور فقہاء کرام نے یہ جو لکھا ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں جن کپڑوں کو پہن کر وہ دوسروں کے سامنے نہیں جاسکتا، اس کا مطلب یہ ہے

کہ اس حالت میں وہ گھر سے باہر ہی نہ نکل سکتا ہو۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن واقد بن عمرو بن سعيد بن معاذ قال: قدم انس بن مالك فاتيته فقال: من انت؟ انا واقد بن عمرو قال: فبكى وقال انك لشبيه بسعد وان سعدا كان من اعظم الناس واطول وانه بعث الى النبى صلى الله عليه وسلم جبة من ديباج منسوج فيها الذهب فلبسها رسول الله صلى الله عليه وسلم فصعد المنبر فقام اوقعد فجعل الناس يلمسونها فقالوا ما راينا كاليوم ثوبا قط فقال اتعجبون من هذا لمناديل سعد فى الجنة خير مما ترون﴾ (٣٦٦)

حضرت واقد بن عمر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا واقد بن عمرو۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ تم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بہت مشابہ ہو۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے اور دراز قامت تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیباج کا ایک جبہ بھیجا تھا جس میں سونے کی بناوٹ تھی۔ دیباج ریشم کی طرح کا ایک کپڑا ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جبے کو پہنا اور پھر منبر پر کھڑے ہوگئے یا بیٹھ گئے۔ تو لوگ اس جبے کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھنے لگے۔ اور یہ کہا کہ آج جو کپڑا ہم نے دیکھا ایسا نفیس اور عمدہ کپڑا ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کپڑے کو دیکھ کر تعجب کرتے ہو؟ جنت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو رومال دیئے گئے ہیں وہ اس کپڑے سے بہت بہتر ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس حدیث کو بیان کرنے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا منشاء حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ کی فضیلت بیان کرنا تھا کہ ان کو جنت میں رومال بھی اس کپڑے سے بہتر دیئے گئے ہیں۔

یہ جبہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا۔ اس میں سونا بھی بنا ہوا تھا اور دیباج بھی تھا جو حریر ہی کی ایک قسم کہلاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا تھا کہ وہ حریر حرام ہوتا ہے جو خالص ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دیباج خالص حریر نہ ہو بلکہ مخلوط ہو۔ اور جہاں تک سونے کا تعلق ہے

تو حقیقی سونا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اگر حقیقی سونا نہ ہو بلکہ سونے کا پانی چڑھا ہوا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ خالص سونا نہ ہو یا ایسی جگہ ہو جن کو ہاتھ مس نہ کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں اس کو پہننے کی گنجائش ہوجاتی ہے تو شاید یہ اسی قسم کا کوئی جبہ ہو۔

باب ماجاء فی الرخصة فی الثوب الاحمر للرجال

عن البراء رضی اللّٰہ عنہ قال: ما رایت من ذی لمة فی حلة حمراء احسن من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم له شعر یضرب منکبیه بعید مابین المنکبین لم یکن بالقصیر ولا بالطویل (۳٦۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پٹھے بال والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ یعنی آپ کے بال پٹھے تھے اور آپ نے سرخ جوڑا پہن رکھا تھا، تو اس سے جو حسن پیدا ہو رہا تھا میں نے ایسا حسین کوئی اور نہیں دیکھا۔ آپ کے بال کندھوں تک آرہے تھے۔ اور آپ دونوں کندھوں کے درمیان بعید فاصلہ رکھنے والے تھے، یعنی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا۔ نہ آپ پست قامت تھے اور نہ بہت طویل قامت تھے بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔

مردوں کے لئے سرخ لباس کا حکم

اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ آپ سرخ جوڑے میں تھے، اس سے بعض حضرات نے استدلال فرمایا ہے کہ مرد کے لئے سرخ لباس پہننا جائز ہے۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک مرد کے لئے سرخ جوڑا پہننا مکروہ تحریمی ہے۔ بشرطیکہ وہ گہرا سرخ ہو۔ لیکن اگر سرخ رنگ ہلکا ہو یا اس پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوں تو اس کا پہننا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ بظاہر جو لباس آپ نے پہنا تھا وہ سرخ دھاری دار تھا۔ (۳٦۸)

باب ماجاء فی کراهیة المعصفر للرجال

عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

وسلم عن لبس القسی والمعصفر﴾ (۳۶۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "قسی" کپڑے کے پہننے سے اور معصفر کپڑے کے پہننے سے منع فرمایا۔ "قسی" ایک کپڑا ہوتا تھا جس میں ریشم مخلوط ہوتا تھا۔ "قس" کی طرف منسوب ہے جو ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ لفظ اصل میں "قزی" تھا۔ اور "قزی" کے معنی ہیں ریشم۔ گویا کہ مردوں کو ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔ "معصفر" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عصفر سے رنگا ہوا ہو۔ اور "عصفر" ایک پیلے رنگ کی گھاس ہوتی تھی۔ اس سے رنگے ہوئے کپڑے خواتین استعمال کرتی تھیں۔ اس لئے آپ نے مردوں کو اس رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمادیا۔

باب ماجاء فی لبس الفراء

﴿عن سلمان رضی اللّٰہ عنہ قال: سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن السمن والجبن والفراء فقال الحلال ما احل اللّٰہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللّٰہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ﴾ (۳۷۰)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کردیا ہے۔ اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام میں کردیا ہے، اور جس کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا ہے یعنی اس کے حلال یا حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں کی ہے تو وہ ان چیزوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے معاف کی ہیں، یعنی وہ مباحات میں سے ہیں۔

اس حدیث سے یہ اصول نکلتا ہے کہ اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے، لہٰذا اگر کسی چیز کے متعلق قرآن و حدیث میں اس کے حرام ہونے کی صراحت موجود نہ ہو تو اس کو مباح ہی سمجھا جائے گا۔

باب ماجاء فی جلود المیتة اذا دبغت

﴿عن عطاء بن ابی رباح رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت ابن عباس

رضی اللّٰہ عنهما یقول: ماتت شاة فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لاهلها الانزعتم جلدها ثم دبغتموه فاستمتعتم به﴾ (۳۷۱)

حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک بکری مرگئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالکوں سے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتارلی کہ پھر اس کو دباغت دے کر کام میں لے آتے۔

میتہ کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے

اس حدیث سے جمہور فقہاء اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ اگر مردار کی کھال اتار کر اس کو دباغت دیدی جائے تو وہ کھال پاک ہوجاتی ہے اور اس کو استعمال کرنا جائز ہوجاتا ہے، چاہے وہ جانور میتہ ہو۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام اسحاق ابن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میتہ کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی، حتی کہ ان کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مالایوکل لحمہ کی کھال پاک ہی نہیں ہوتی۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، لیکن بعد میں جمہور فقہاء کے مسلک کی طرف ان کا رجوع کرنا ثابت ہے۔

امام اسحاق بن راھویہ" عبد اللہ بن عکیم کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آگے نقل کی ہے۔ وہ یہ کہ:

﴿عن عبد اللّٰہ بن عکیم رضی اللّٰہ عنه قال: اتانا کتاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان لا تنتفعوا من المیتة باهاب ولا عصب﴾ (۳۷۳)

حضرت عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آپ کی وفات سے دو مہینے پہلے آیا، جس میں یہ لکھا تھا کہ میتہ کی کھال اور اس کی ہڈی سے انتفاع نہ کرو۔ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میتہ کی کھال سے انتفاع کرنے سے منع فرمادیا۔ اور چونکہ اس روایت میں آگے یہ تصریح ہے کہ یہ خط حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو مہینے پہلے آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث دوسری تمام احادیث کے لئے ناسخ ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایما اھاب دبغ فقد طھر وغیرہ"۔

اور "ایما اھاب دبغ فقد طھر" جو حدیث ہے، اس کے بارے میں امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "اھاب" آیا ہے، اور بعض علماء لغت نے کہا ہے کہ "اھاب" اسی جانور کی کھال کو کہتے ہیں جس کا گوشت کھانا جائز ہو، اور جس جانور کا گوشت کھانا جائز نہ ہو اس کی کھال کو "جلد" کہتے ہیں، "اھاب" نہیں کہتے ہیں۔ یہ تفسیر امام اسحاق بن راھویہؒ نے نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے جو لغت کے عالم بھی ہیں اور محدث بھی ہیں۔

لیکن جمہور فقہاء یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تفسیر جمہور اھل لغت کے نزدیک درست نہیں۔ اس لئے کہ "اھاب" ہر جانور کی اس کھال کو کہا جاتا ہے جس کی ابھی تک دباغت نہ دی گئی ہو۔ اور دباغت دینے کے بعد "جلد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "اھاب" سے مراد ماکول لحمہ کی کھال ہے، یہ تفسیر درست نہیں۔ اسی سے حضرت عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی جواب ہوگیا۔ اس لئے کہ اس حدیث میں فرمایا کہ "لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب" جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کھال سے انتفاع نہ کرو جس کی ابھی دباغت نہ ہوئی ہو۔ لیکن دباغت کے بعد نفع اٹھانے کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے۔ حدیث باب جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ جمہور فقہاء کی صریح دلیل ہے۔ (۳۷۲)

﴿عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ایما اھاب دبغ فقد طھر﴾

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کھال دباغت دیدی گئی وہ پاک ہوگئی۔

باب ماجاء فی کراھیۃ جر الازار

﴿عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنھما ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا ینظر اللّٰہ یوم القیامۃ الی من جر ثوبہ خیلاء﴾ (۳۷۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں جو اپنا کپڑا عجب اور تکبر کی وجہ سے لٹکاتا ہو۔

ٹخنے ڈھکنا حرام ہے

شلوار، پاجامہ اور تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا جائز نہیں۔ اس کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں اور ان احادیث میں اس عمل پر وعید بھی آئی ہے۔ اس بارے میں کلام ہوا کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی جو ممانعت ہے کیا یہ ہر حالت میں ممنوع اور ناجائز ہے یا صرف اس صورت میں ناجائز ہے جب کوئی شخص تکبر کی نیت سے لٹکائے۔ علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ لٹکانا اس وقت ناجائز ہے جب کوئی آدمی تکبر کی نیت سے ایسا کرے، لیکن اگر تکبر کے بغیر کوئی شخص اپنا پاجامہ یا شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکالے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ تنزیہی کہیں گے۔

یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں "جر ثوبہ" کے ساتھ "خیلاء" کی قید لگی ہوئی ہے، اور دوسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جسم کی ہیئت ایسی تھی کہ ان کا ازار اپنی جگہ پر نہیں رہتا تھا بلکہ غیر اختیاری طور پر نیچے کو ڈھلک جایا کرتا تھا اور ٹخنوں سے نیچے ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں اپنا ازار اوپر کو باندھتا ہوں مگر وہ ڈھلک کر نیچے چلا جاتا ہے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: انک لست ممن جر ثوبہ خیلاء تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ازار کو لٹکائیں، لہٰذا تمہارے لئے اجازت ہے۔ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے وہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمادیا تھا کہ چونکہ تمہارے اندر تکبر نہیں ہے اس لئے تمہارے لئے جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر تکبر نہ ہو تو یہ عمل جائز ہے۔ اور حرمت اسی صورت میں منحصر ہے جب کوئی شخص تکبر کے طور پر ٹخنوں سے نیچے لٹکائے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس مسئلے پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور دونوں طرف کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے

تمام روایات اور تمام متعلقہ بحثوں کو سامنے رکھنے کے بعد میرے نزدیک جو بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حقیقتاً نہی خیلاء کے ساتھ اس معنی میں مقید نہیں کہ جب تک آدمی کو تکبر ہونے کا یقین نہ ہوجائے اس وقت تک "جر ازار" کرسکتا ہے، بلکہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ممانعت کی اصل وجہ تکبر ہی ہے، لیکن تکبر کا ذریعہ بطور حکمت ہے نہ کہ بطور علت، یعنی عام طور پر تکبر ہی کی وجہ سے جر ازار کیا جاتا ہے۔ گویا کہ اس ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا۔ لیکن تکبر ایک امر مخفی ہے، اس کا پتہ لگانا آسان نہیں کہ فلاں شخص یہ عمل تکبر کی وجہ سے کررہا ہے اور فلاں شخص تکبر کے بغیر یہ عمل کررہا ہے۔ ایسے مواقع پر جہاں امور منضبط نہ ہوسکتے ہوں اور ان کا پتہ آسانی سے نہ چلتا ہو وہاں شریعت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ حکم کا مدار ایسے امور پر رکھنے کے بجائے کسی منضبط علامت پر اس کا مدار رکھ دیا جاتا ہے کہ جب یہ علامت پائی جائے گی تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ علت پائی گئی اور علت کے پائے جانے کے نتیجے میں حکم پایا گیا۔ مثلاً سفر میں قصر کرنے کی اصل علت مشقت ہے، لیکن مشقت کا پتہ لگانا کہ کہاں مشقت پائی گئی اور کہاں نہیں پائی گئی، یہ پتہ لگانا آسان نہیں۔ اور نہ ہی اس کو منضبط کیا جاسکتا ہے کہ کتنی مشقت موجب قصر ہے اور کتنی مشقت موجب قصر نہیں، اور کس کو مشقت ہوئی اور کس کو نہیں ہوئی۔ تو چونکہ مشقت منضبط ہونے والی چیز نہیں تھی، اس لئے اس پر مدار رکھنے کے بجائے علامت پر مدار رکھدیا گیا، اور وہ علامت سفر ہے، لہٰذا جب بھی سفر پایا جائے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قصر کرنا واجب ہے۔

اسی طرح یہاں ممانعت کا اصل مدار تکبر پر تھا، لیکن تکبر امر مخفی ہے، اس کا پتہ نہیں لگتا کہ تکبر پایا گیا یا نہیں؟ اور بعض اوقات خود متکبر کو پتہ نہیں لگتا کہ میں تکبر میں مبتلا ہوں۔ اس لئے اس ممانعت کا مدار اس کی علامت پر کردیا گیا۔ اور وہ علامت ٹخنوں سے نیچے ازار کا ہونا ہے، جب یہ علامت پائی جائے گی تو سمجھیں گے کہ تکبر ہے، الا یہ کہ کسی دلیل خارجی سے اس تکبر کی نفی ہوجائے، مثلاً یہ کہ کسی شخص کا ازار غیر ارادی طور ڈھلک جاتا ہو تو چونکہ ازار کا ڈھلکنا اس کے اختیار سے نہیں ہوا بلکہ غیر اختیاری طور پر ہوا ہے۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ تکبر سے نہیں ہوا، اس لئے کہ تکبر اختیاری ہے۔ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں جو بات ہوئی تھی، وہ یہ تھی کہ غیر ارادی طور پر ازار ڈھلکتا تھا اور تکبر امر اختیاری ہے۔ اس لئے آپ نے

فرمادیا: "انک لست ممن یجرہ خیلاء" لہٰذا اب بھی اگر کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہو کہ غیر ارادی طور پر ازار ڈھلک جاتا ہو اس کو بھی اجازت ہوگی۔ لیکن جہاں کوئی شخص اپنے اختیار سے ازار نیچے لٹکائے تو وہ ہر حال میں ناجائز اور حرام ہوگا۔

کوئی شخص اپنے متکبر ہونے کا اقرار نہیں کرتا

پھر اس سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑے سے بڑا متکبر ہو، کیا وہ کبھی اپنی زبان سے یہ اقرار کرے گا کہ میں تکبر کرتا ہوں، اگر وہ اقرار کرے گا تو وہ متکبر ہی نہیں۔ تکبر وہی شخص کرتا ہے جس کو تکبر کا اعتراف نہیں ہوتا، پھر تو یہ حکم کہ تکبر ہو تو یہ عمل ناجائز ہے اور تکبر نہ ہو تو یہ عمل جائز ہے بے معنی اور بے سود ہو جائے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بارے میں تکبر کی نفی کا یقین ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایک ذات ہے۔ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور کسی شخص سے تکبر کی نفی کا یقین نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ٹخنوں سے نیچے ازار کرنا جائز ہونا چاہئے تھا، لیکن ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے کی سب سے زیادہ پابندی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ لہٰذا اگر اس ممانعت کا مدار تکبر پر ہوتا اور عدم تکبر کی صورت میں یہ عمل جائز ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو بیان جواز کے لئے ایسا کرتے، لیکن پوری عمر میں ایک مرتبہ بھی ایسا کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں تکبر کا جو ذکر آیا ہے وہ بطور حکمت کے آیا ہے نہ کہ بطور علت۔ اور حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے، حکمت پر نہیں ہوتا۔

باب ماجاء فی ذیول النساء

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقالت ام سلمۃ فکیف تصنع النساء بذیولھن قال: یرخین

شبرا فقالت : اذا تنکشف اقدامهن قال : فیرخین ذراعا لا یزدن علیہ ﴾ (۳۷۵)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنا کپڑا تکبر سے ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نظر بھی نہیں کریں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! خواتین اپنے دامنوں کا کیا کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک بالشت لٹکالیا کریں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس صورت میں تو ان کے پاؤں کھلے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ہاتھ لٹکالیا کریں، اس سے زیادہ نہیں۔

باب ماجاء فی لبس الصوف

﴿عن ابی بردۃ رضی اللہ عنہ قال : اخرجت الینا عائشۃ رضی اللہ عنہا کساء ملبدا وازارا غلیظا فقالت قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذین ﴾ (۳۷۶)

حضرت ابوبردۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ہمیں ایک صوف کی موٹی چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند دکھایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دو کپڑوں میں وفات ہوئی۔

﴿عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : کان علی موسی یوم کلمہ ربہ کساء صوف وجبۃ صوف وکمۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت ﴾ (۳۷۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام کیا تو اس وقت حضرت موسی علیہ السلام پر ایک اون کی چادر اور ایک اون کا جبہ اور ایک اون کی ٹوپی اور ایک اون کی شلوار تھی، اور ان کے جوتے ایک مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔

باب ماجاء فی العمامۃ السوداء

﴿عن جابر رضی اللہ عنہ قال : دخل النبی صلی اللہ علیہ

وسلم مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء ﴾ (۳۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

عمامہ پہننا سُنّت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دو رکعتیں جو عمامے کے ساتھ پڑھی گئی ہوں، بغیر عمامے کے دو رکعت نفل سے ستّر گنا افضل ہیں۔ اس حدیث کی سند پر بعض لوگوں نے کلام کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کی سند ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو پھر یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت عادیہ ہے۔ اور ایک سُنّت عادیہ کو بحیثیت سُنّت کے اختیار کرنا بیشک باعث اجرو ثواب ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ لیکن محل کلام یہ ہے کہ آیا یہ ایسی چیز ہے جس کا واجبات کی طرح التزام کی جائے اور جو ترک کرے اس پر نکیر کی جائے؟ یہ بات درست نہیں۔

﴿عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه ﴾ (۳۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے تھے۔

باب ماجاء في كراهية خاتم الذهب

﴿عن على بن ابى طالب رضى الله عنه قال: نهانى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التختم بالذهب وعن لباس القسى وعن القراءة فى الركوع والسجود وعن لبس المعصفر﴾ (۳۸۰)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور ریشم کے کپڑے پہننے سے اور رکوع اور سجدے میں تلاوت کرنے سے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔

باب ماجاء في خاتم الفضة

﴿عن انس رضى الله عنه قال: كان خاتم النبى صلى الله عليه

وسلم من ورق وكان فصه حبشيا ﴾ (۳۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا۔

باب ماجاء ما يستحب من فص الخاتم

﴿عن انس رضى الله عنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من فضة فصه منه ﴾ (۳۸۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

باب ماجاء في لبس الخاتم في اليمين

﴿عن ابن عمر رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم صنع خاتما من ذهب فتختم به فى يمينه ثم جلس على المنبر فقال: انى كنت اتخذت هذا الخاتم فى يمينى ثم نبذه ونبذ الناس خواتيمهم ﴾ (۳۸۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوا کر اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی اور پھر منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد فرمایا: میں نے یہ سونے کی انگوٹھی اپنے داہنے ہاتھ میں پہنی تھی۔ پھر آپ نے اس انگوٹھی کو اتار کر پھینک دیا، آپ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔

﴿عنا الصلت بن عبد الله بن نوفل قال: رايت ابن عباس رضى الله عنهما تختم فى يمينه ولا احاله الا قال رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتختم فى يمينه ﴾ (۳۸۴)

حضرت صلت بن عبد اللہ بن نوفل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا۔ اور میرے خیال میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہے۔

﴿عن جعفر بن محمد عن ابيه قال: كان الحسن والحسين يتختمان في يسارهما﴾ (۳۸۵)

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔

﴿عن حماد بن سلمة قال: رايت ابن ابى رافع يتختم فى يمينه فسالته عن ذلك فقال رايت عبد الله بن جعفر يتختم في يمينه وقال كان النبى صلى الله عليه وسلم يتختم فى يمينه﴾ (۳۸۶)

حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا۔ تو اس کے بارے میں میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: کہ میں نے عبد اللہ بن جعفر کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا۔ اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

باب ماجاء فی نقش الخاتم

﴿عن انس بن مالك رضى الله عنه قال: كان نقش خاتم النبى صلى الله عليه وسلم ثلاثة اسطر محمد سطر ورسول سطر و الله سطر﴾ (۳۸۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر تین سطریں نقش تھیں، ایک سطر میں "محمد" اور ایک سطر میں "رسول" اور ایک سطر میں "اللہ" لکھا تھا۔

﴿عن انس بن مالك رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع خاتما من ورق فنقش فيه "محمد رسول الله" ثم قال: لا تنقشوا عليه﴾ (۳۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ نقش کرائے اور فرمایا: کوئی

شخص یہ الفاظ اپنی انگوٹھی پر نقش نہ کرائے۔

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء نزع خاتمہ﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔

باب ماجاء فی الصورة

﴿عن جابر رضی اللّٰہ عنہ قال: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الصورة فی البیت ونھی ان یصنع ذلک﴾ (۳۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں تصویر رکھنے اور اسے بنانے سے منع فرمایا۔

﴿عن عبید اللّٰہ بن عبد اللّٰہ بن عتبة انہ دخل علی ابی طلحة الانصاری یعودہ فوجد عندہ سھل بن حنیف قال فدعا ابوطلحة انسانا ینزع نمطا تحتہ فقال لہ سھل: لم تنزعہ قال: لان فیھا تصاویر وقال فیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما قد علمت قال سھل: اولم یقل الا ما کان رقما فی ثوب قال: بلی ولکنہ اطیب لنفسی﴾ (۳۹۰)

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ وہ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لئے گئے۔ وہاں پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پہلے سے موجود تھے، اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بلایا تاکہ وہ نمدہ جو ان کے نیچے بچھا ہوا ہے اس کو نکال دے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ جو وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ آپ اس کو نیچے سے کیوں نکال رہے ہیں؟ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس لئے نکال رہا ہوں کہ اس میں تصویریں بنی ہوئی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کے بارے میں جو بات فرمائی ہے وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ یعنی تصویر کو رکھنا اور بنانا ناجائز ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کو ناجائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ

استثناء نہیں فرمایا تھا کہ "الا ما کان رقما فی ثوب" یعنی سوائے اس تصویر کے جو کپڑے پر نقش ہو۔ اس استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کپڑے پر کوئی تصویر بنی ہوئی ہو تو اس کپڑے کا استعمال جائز ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، لیکن میرے دل کو یہ زیادہ پسند ہے کہ میں ایسی تصویر بھی استعمال نہ کروں۔

تصویر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف

ایک روایت کے مطابق اس حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ وہ تصویر رکھنا ناجائز ہے جو سایہ دار ہو۔ یعنی مجسد اور مجسم ہو جیسے بت وغیرہ۔ اس لئے کہ ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے، لہٰذا ایسی تصویر ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن وہ تصویر جو مجسم نہ ہو اور اس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا ہو۔ مثلاً کاغذ پر یا کپڑے پر کوئی تصویر بنادی گئی یا دیوار پر بنادی گئی ایسی تصویر ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام اور ناجائز نہیں، البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ بہت سے علماء مالکیہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ جمہور فقہاء جن میں ائمہ ثلاثہ داخل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ تصویر مجسم اور غیر مجسم میں کوئی فرق نہیں، بلکہ ہر قسم کی تصویر ناجائز ہے، چاہے وہ کپڑے پر بنی ہوئی ہو یا کاغذ پر یا دیوار پر ہو یا مجسمہ ہو۔ ہر حالت میں حرام اور ناجائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت اس کے مطابق ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس میں یہ استثناء موجود ہے "الا ما کان رقما فی ثوب" اس میں اس تصویر کا استثناء کیا گیا ہے جو کسی کپڑے پر نقش ہو، اس سے معلوم ہوا کہ بے سایہ تصویر جائز ہے۔ جمہور فقہاء کا استدلال اول تو ان احادیث سے ہے جن میں تصویر کا عدم جواز علی الاطلاق بیان کیا گیا ہے۔ اس میں سایہ دار اور بے سایہ ہونے کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، جیسے اوپر حدیث گزری کہ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة فى البيت" اس میں مجسم اور غیر مجسم ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث آگے آرہی ہے کہ "من صور صورة عذبه الله" اس میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر احادیث ایسی ہیں جن میں تصویر کی حرمت علی اطلاق مذکور ہے۔ مجسم اور غیر مجسم کی کوئی تفریق اور تفصیل نہیں ہے۔ اور اس باب میں جمہور کی نہایت صریح دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے کمرے میں ایک پردہ لٹکادیا تھا جس میں تصویریں نقش تھیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہوئے اور آپ کی

نظر اس پردے پر پڑی تو آپ رک گئے اور آپ نے اس پر نکیر فرمائی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ جب تک اس کو نہیں نکالوگی میں گھر میں نہیں داخل ہوں گا، کیونکہ اس پر تصویر ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں جس تصویر پر آپ نے نکیر فرمائی وہ کپڑے پر تھی، مجسم نہیں تھی بلکہ نقش فی الثوب تھی۔ اگر نقش فی الثوب والی تصویر ہر حالت میں جائز ہوتی تو آپ اس پر نکیر نہ فرماتے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں "الا ما کان رقما فی ثوب" والی حدیث کو پڑھیں گے تو اس عبارت کے یہ معنی نکلیں گے کہ حدیث میں لفظ "رقم" سے مراد ایسا نقش ہے جس میں کسی ذی روح کی تصویر نہ ہو۔ مثلاً درخت، پودے، پھول، پہاڑ وغیرہ کی تصویر بنی ہوئی ہو۔ اس لئے کہ عربی زبان میں "رقم" کے معنی ہیں "نقش" لہٰذا کوئی چیز بھی نقش کی جائے وہ سب رقم کے اندر داخل ہے، چاہے وہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو، اس حدیث کے ذریعے غیر ذی روح کا استثناء فرمادیا کہ اگر کپڑے پر غیر ذی روح کے نقش و نگار ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حدیث باب میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے انہی غیر ذی روح کے نقش و نگار کے بارے میں فرمایا کہ یہ جائز ہے، لیکن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ مجھے یہ نقش و نگار بھی زیادہ پسند نہیں ہیں، اگر ان کو نکال دیا جائے تو اچھا ہے۔

بہرحال، الا ما کان رقما فی ثوب کی مندرجہ بالا توجیہ ہوسکتی ہے۔ اور اس صورت میں یہ استثناء منقطع ہوگا، متصل نہیں ہوگا، کیونکہ پہلے جملے میں ذی روح کی تصاویر کی حرمت بیان کی اور پھر اس سے غیر ذی روح کا استثناء کیا۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روشنی میں مالکیہ کا استدلال مؤول ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے راوی قاسم بن محمد ہیں، اور قاسم بن محمد خود اس بات کے قائل ہیں کہ بے سایہ تصویر جائز ہے، اور حنفیہ کے اصول پر یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ جہاں کوئی راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یا تو یہ حدیث مؤول ہے یا منسوخ ہے اور مالکیہ بھی یہاں یہی نکتہ اٹھاتے ہیں کہ خود قاسم بن محمد بے سایہ تصویروں کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن تصویر کی حرمت پر بے شمار احادیث موجود ہیں اور سب مطلق ہیں ان میں سایہ دار اور بے سایہ ہونے کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اس لئے اس بارے میں جمہور فقہاء کا قول راجح اور محتاط ہے۔ (۳۹۱)

کیمرے کی تصویر کا حکم

بعد میں کیمرے کی تصویر کا مسئلہ پیدا ہوا، جس زمانے میں تصویر کے بارے میں فقہاء کے درمیان بحثیں چلی تھیں، اس زمانے میں کیمرے کا وجود نہیں تھا، بلکہ ہاتھ سے تصویریں بنائی جاتی تھی۔ کیمرے کی تصویر کے بارے میں اکثر فقہاء تو یہ کہتے رہے ہیں کہ آلے کے بدل جانے سے حکم نہیں بدلتا۔ ایک چیز پہلے ہاتھ سے بنائی جاتی تھی اب مشین سے بننے لگی ہے تو محض آلہ کی تبدیلی سے کسی چیز کی حلت اور حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر تصاویر ناجائز ہیں تو پھر چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہوں یا کیمرے سے بنائی گئی ہوں، دونوں ناجائز ہونگیں۔

البتہ مصر کے ایک مفتی علامہ شیخ محمد بخیط رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جو عرصہ دراز تک مصر کے مفتی رہے ہیں، جو بڑے اور متقی عالم تھے۔ محض ہوا پرست نہیں تھے۔ انہوں نے ایک رسالہ "الجواب الشافی فی اباحۃ صورۃ فوتو غرافی" کے نام سے لکھا ہے، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ کیمرے کے ذریعہ لی جانے والی تصویر جائز ہے۔ اور دلیل میں فرمایا کہ حدیث میں تصویر کی جو ممانعت کی علت بیان فرمائی ہے وہ ہے "مشابہت بخلق اللہ" اور اللہ کی تخلیق سے مشابہت اسی وقت ہوسکتی ہے جب کوئی شخص اپنے تصور اور تخیل سے اور اپنے ذہن سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ کوئی صورت بنائے۔ اور کیمرے کی تصویر میں اپنے تخیل کو کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ کیمرے کی تصویر میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق پہلے سے موجود ہے، اس مخلوق کا عکس لے کر اس کو محفوظ کرلیا۔ لہٰذا مشابہت بخلق اللہ نہیں پائی گئی بلکہ یہ حبس الظل ہے جو کہ ناجائز نہیں۔ یہ ان کا موقف تھا۔ اور مصر اور بلاد عرب کے بہت سے علماء نے اس بارے میں ان کی تائید بھی کی۔

لیکن علماء کی اکثریت نے اس زمانے میں بھی اور بعد میں بھی اور خاص طور پر ہندو پاک کے علماء نے ان کے استدلال کو قبول نہیں کیا اور یہ کہا کہ مشابہت بخلق اللہ ہر صورت میں متحقق ہوجاتی ہے، چاہے آدمی ایسی چیز کی تصویر بنائے جو پہلے سے موجود ہو اور چاہے ایسی چیز کی تصویر بنائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور وہ اپنے تخیل سے وہ صورت بنا رہا ہو۔ علامہ شیخ محمد بخیط نے یہ جو فرمایا کہ جو چیز پہلے سے موجود ہو اس کی تصویر بنانا جائز ہے تو پھر ہر تصویر جائز ہونی چاہئے چاہے وہ ہاتھ سے بنائی جائے یا کیمرے کے ذریعہ بنائی جائے، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پردے پر نکیر فرمائی تھی اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تھا۔ لہٰذا اس کی تصویر

کوئی خیالی چیز کی تصویر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے اس پر نکیر فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفریق کرنا کہ جو چیز پہلے سے موجود ہے اس کی تصویر بنانا جائز ہے اور جو چیز موجود نہیں اس کی تصویر بنانا ناجائز ہے، قرآن و سُنت میں اس تفریق کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور جہاں تک آلے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں پہلے ہی بتادیا کہ آلے کی تبدیلی سے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اس لئے جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ کیمرے کی تصویر کا بھی وہی حکم ہے جو ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویر کا ہے۔ لہٰذا اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جواز اور عدم جواز دو وجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیط رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ موجود ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہرحال ایک جدید شئ کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لئے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اور مجتہد فیہ مسئلے میں حاجت عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں حاجت عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہوسکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہوجائے گا۔ اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

غیر ذی روح کی تصویر جائز ہے

یہ ساری بحث اور ساری تفصیل ذی روح کی تصویر کے بارے میں ہے۔ جہاں تک غیر ذی روح کی تصویر کا تعلق ہے وہ بنانا جائز ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک حدیث میں اس کی تفریق کی گئی ہے کہ ذی روح کی تصویر جائز نہیں ہے اور غیر ذی روح کی تصویر جائز ہے۔ اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غیر ذی روح کو وجود میں لانے کے لئے انسان کی کوشش کو کچھ نہ کچھ ظاہری دخل ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً درخت ہے، اس کو وجود میں لانے کے لئے انسان زمین ہموار کرتا ہے۔ اس کو نرم کرتا ہے۔ اس میں بیج بوتا ہے۔ پانی دیتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ بخلاف ذی روح کی تخلیق

کے، کہ اس میں انسان کے عمل کو دخل نہیں ہے۔

ٹیلیویژن رکھنا جائز نہیں

اور اب کیمرے سے بڑھ کر ٹیلیویژن آگیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ حالات میں جس طرح ٹیلیویژن کا استعمال ہو رہا ہے وہ تو منکرات در منکرات کا مجموعہ ہے۔ اس وجہ سے ہماری طرف سے یہ فتوی دیا جاتا ہے کہ ٹیلیویژن گھر کے اندر اپنے پاس رکھنا جائز نہیں۔ اب آگے جو تفصیل عرض کر رہا ہوں وہ ٹیلیویژن کے بارے میں علمی اور نظریاتی بحث ہے۔ اس کو بھی غور سے سمجھ لینا چاہئے۔

ٹیلیویژن کے بارے میں علمی اور نظریاتی تحقیق

ٹیلیویژن پر پیش کئے جانے والے پروگراموں کی تین قسمیں ہیں۔

① پہلی قسم وہ ہے کہ ٹیلیویژن پر ایسی چیز دکھائی جائے جو پہلے سے تصویر کی شکل میں موجود ہے۔ اس کو بڑا کر کے ٹی وی کی اسکرین پر دکھایا جارہا ہے، اس کے تصویر ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، اس لئے اس کو دیکھنا حرام ہے اور اس کا وہی حکم ہوگا جو تصویر کا ہے۔

② دوسری قسم وہ ہے جس میں فلم کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا، بلکہ براہ راست وہ چیز ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی ٹی وی اسٹیشن میں بیٹھا ہوا تقریر کر رہا ہے، یا کسی اور جگہ تقریر کر رہا ہے اور ٹی وی کیمرے کے ذریعہ براہ راست اس کی تقریر اور اس کی تصویر ٹی وی اسکرین پر دکھائی جارہی ہے، درمیان میں فلم اور ریکارڈنگ کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اس براہ راست دکھائی جانے والی تصویر کو علماء کی ایک بڑی جماعت تصویر ہی قرار دے کر اس کے استعمال کو حرام قرار دیتی ہے۔ لیکن اس کو تصویر قرار دینے میں مجھے تامل ہے۔

براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا جانے والا پروگرام

وجہ اس کی یہ ہے کہ تصویر وہ ہوتی ہے جس کو کسی چیز پر علی صفت الدوام ثابت اور مستقر کردیا جائے۔ لہذا اگر وہ تصویر علی صفت الدوام کسی چیز پر ثابت اور مستقر نہیں ہے تو پھر وہ تصویر نہیں ہے، بلکہ وہ عکس ہے۔ لہذا براہ راست دکھائے جانے والی تصویر عکس ہے، تصویر نہیں۔ مثلاً

کوئی شخص یہاں سے دو میل دور ہے اور اس کے پاس ایک شیشہ ہے اس شیشہ کے ذریعہ وہ یہاں کا منظر دیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ شخص دو میل دور بیٹھ کر شیشے میں یہاں کا عکس دیکھ رہا ہے، وہ تصویر نہیں دیکھ رہا ہے، اس لئے کہ یہ عکس کسی جگہ پر ثابت اور مستقر علی صفت الدوام نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح براہ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کی صورت میں برقی ذرات کے ذریعہ انسان کی صورت کے ذرات منتقل کئے جاتے ہیں، پھر ان کو اسکرین کے ذریعہ دکھادیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تصویر عکس سے زیادہ قریب ہے۔ تصویر کے مقابلے میں۔

ویڈیو کیسٹ کا حکم

تیسری قسم وہ ہے جو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھائی جاتی ہے، یعنی ایک تقریر اور اس کی تصاویر کے ذرات کو لے کر ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کرلیا، اور پھر ان ذرات کو اسی ترتیب سے چھوڑا تو پھر وہی منظر اور تصویر نظر آنے لگی۔ میرے نزدیک اس کو بھی تصویر کہنا مشکل ہے اس لئے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے، وہ صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ برقی ذرات ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خورد بین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آئے گی۔ اس لئے میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ دوسری اور تیسری قسم تصویر کے حکم میں نہیں آتیں لہٰذا اگر کوئی ایسا صحیح پروگرام پیش کیا جارہا ہو اور جو فی نفسہ جائز ہو، اور ان دو ذریعوں میں سے کسی ایک ذریعے سے پیش کیا جارہا ہو تو اس کو دیکھنا فی نفسہ جائز ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم ان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطا فمنی ومن الشیطان یہ باتیں اہل علم کے سمجھنے اور کہنے کی تو ہیں لیکن ان باتوں کی زیادہ تشہیر کرنے سے ٹی وی کے استعمال کی ہمت افزائی لازم آئے گی۔ اس لئے یہ باتیں عوام میں بیان کرنے کی نہیں ہیں، عوام کو تو یہی کہنا چاہئے کہ یہ ٹی وی ناجائز ہے، کیونکہ ایسے ٹی وی کا تصور جس میں ناجائز پروگرام نہ ہوں، موجودہ دور میں ناممکن ہے۔

باب ماجاء فی المصورین

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صور صورة عذبه اللہ حتی ینفخ فیھا یعنی الروح ولیس بنافخ فیھا ومن استمع الی حدیث قوم یفرون منہ صب فی اذنہ الآنک یوم القیامۃ (۳۹۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کو اس وقت تک عذاب میں رکھیں گے جب تک وہ اس میں روح نہیں ڈال دے گا اور وہ اس میں کبھی روح نہیں ڈال سکے گا۔ اور جو شخص کسی ایسی جماعت کی گفتگو چھپ کر سنے گا جو جماعت اس شخص سے دور بھاگتی ہوگی تو قیامت کے دن اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

باب ماجاء في الخضاب

﴿عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: غيروا الشيب ولا تشبهوا باليهود﴾ (۳۹۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بڑھاپے کو یعنی بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی سفید بالوں پر کسی قسم کا خضاب نہیں لگاتے، تم ایسا نہ کرو۔

دوسری روایات میں بالوں کی تبدیلی کے معنی یہ آئے ہیں کہ یا تو حناء (مہندی) کے ذریعہ تبدیلی کی جائے۔ اور بعض روایات میں "کتم" کا لفظ آیا ہے، کتم ایک گھاس ہوتی تھی جس کے لگانے سے بالوں کا رنگ راکھ کے رنگ کی طرح ہوجاتا تھا۔ اور بعض اوقات مہندی اور کتم دونوں کو ملا کر صحابہ کرام استعمال کیا کرتے تھے جس کے لگانے سے بالوں کا رنگ سلیٹی جیسا ہوجاتا تھا۔ یہ دونوں مسنون ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور آپ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے۔

خضاب لگانے کا حکم

لیکن سیاہ خضاب لگانا کہ جس کے ذریعہ بال بالکل سیاہ ہوجائیں، اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کو دھوکہ دینے کے لئے سیاہ خضاب استعمال کرے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرے تو یہ باجماع حرام ہے۔ اور اگر سیاہ خضاب اس نیت سے لگاتا ہے کہ وہ مجاہد ہے اور جہاد میں دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے اور ان کے سامنے قوت کے اظہار کے لئے اپنے بالوں پر خضاب لگا رہا ہے تو باتفاق جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ سیاہ خضاب کوئی شخص زینت کے حصول کے لئے استعمال کرے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء جائز کہتے ہیں اور بعض فقہاء ناجائز کہتے ہیں۔ جو حضرات فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب لگانے کا حکم دیا اور ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ "واجتنبوا السواد" یعنی سیاہ خضاب سے پرہیز کرو۔ یہ حضرات فقہاء اس ممانعت کو زینت پر محمول کرتے ہیں کہ زینت کی غرض سے سیاہ خضاب لگانا درست نہیں۔ لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ زینت کی نیت سے بھی سیاہ خضاب لگانا جائز ہے۔ اور پھر زینت کے اندر بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے لئے زینت کی نیت سے سیاہ خضاب لگائے۔ اور دوسری صورت یہ کہ مرد اپنی بیوی کے لئے زینت کی نیت سے خضاب لگائے۔ بعض فقہاء دونوں صورتوں کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور بعض فقہاء یہ تفریق کرتے ہیں کہ عورت کے لئے اپنے شوہر کے واسطے خضاب لگانا جائز ہے اور مرد کے لئے جائز نہیں۔

اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر زینت کا مقصد بیوی کا شوہر کو خوش کرنا یا شوہر کا اپنی بیوی کو خوش کرنا ہو تو یہ حرام نہیں۔ البتہ کراہت تنزیہیہ سے بھی خالی نہیں۔ اور جہاں تک "واجتنبوا السواد" کے حکم کا تعلق ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دھوکہ دینے کی غرض سے ہو تو ممانعت کا یہ حکم وجوبی ہے۔ اور اگر زینت الرجل للمراۃ یا زینت المراۃ للرجل کی غرض سے ہو تو یہ حکم استحبابی ہے۔ اس صورت میں اجتناب کرنا اولیٰ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص استعمال کرے تو اس کو حرام نہیں کہیں گے۔ (۳۹۴)

باب ماجاء فی الجمة واتخاذ الشعر

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ربعۃ لیس بالطویل ولا بالقصیر حسن الجسم اسمر اللون وکان شعرہ لیس بجعد ولا سبط اذا مشی یتکفا﴾

(۳۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے۔ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ کوتاہ قد تھے۔ سڈول جسم گندمی رنگت سے متصف تھے۔ آپ کے بال نہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے۔ جب آپ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا آپ بلندی سے

پستی کی طرف آرہے ہوں۔

﴿عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت: کنت اغتسل انا ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اناء واحد وکان لہ شعر فوق الجمة ودون الوفرة﴾ (۳۹۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے، آپ کے بال مبارک کندھوں سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے تک تھے۔

باب ماجاء فی النھی عن الترجل الاغبا

﴿عن عبد اللّٰہ بن مغفل رضی اللّٰہ عنہ قال: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الترجل الاغبا﴾ (۳۹۷)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر یہ کہ ایک دن چھوڑ کر کی جائے۔ "غبا" کے معنی ہیں کہ کوئی کام ایک دن کرنا اور ایک دن چھوڑنا۔

بالوں میں کنگھی کرنے میں اعتدال

ایک طرف تو حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر کوئی شخص بال رکھے تو ان بالوں کا اکرام کرے۔ اور ان کو جنگلیوں کی طرح نہ چھوڑ دے۔ بلکہ ان کی خدمت کرے۔ اور دوسری طرف حدیث باب میں فرمایا کہ روزانہ کنگھی نہ کرے بلکہ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن کرے۔ اصل مقصود ان احادیث کے ذریعہ اعتدال کا راستہ بتلانا ہے کہ نہ تو انسان بالکل بے ڈھنگا ہو کہ اس کو اپنے جسم کی اور اپنے کپڑوں کی اور اپنے بالوں کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو اور نہ ایسا ہو کہ ہر وقت مانگ پٹی اور کنگھی چوٹی میں لگا رہے اور عورتوں کی طرح ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال بناتا رہے، بلکہ اعتدال ہونا چاہئے۔ آدمی اپنے بالوں کے اندر کنگھی بھی کرے لیکن اس میں اتنا انہماک نہ ہو کہ ہر وقت اسی کے اندر مشغول ہو جائے۔ یہی اعتدال اپنے کپڑوں اور اپنے جسم کو درست رکھنے میں ملحوظ ہونا چاہئے۔ یہ چٹک مٹک بھی درست نہیں کہ آدمی ہر وقت اس فکر میں ہو کہ کپڑوں کی استری خراب نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ آدمی ملنگ بنا پھرتا رہے اور اس کے اندر سلیقہ بھی نہ ہو۔

بلکہ دونوں کے درمیان آدمی کو اعتدال سے کام کرنا چاہئے۔

باب ماجاء فی الاکتحال

﴿عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اکتحلوا بالاثمد فانه یجلو البصر وینبت الشعر وزعم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت له مکحلة یکتحل بها کل لیلة ثلاثة فی هذه وثلاثة فی هذه﴾ (۳۹۸)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اثمد" سرمہ لگایا کرو۔ "اثمد" یہ ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ کے اندر پایا جاتا ہے اور آج بھی ملتا ہے۔ اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ اصلی اثمد کے بارے میں میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ اس کا رنگ تو سرخ ہوتا ہے لیکن آنکھ میں ڈالنے سے سیاہ ہوجاتا ہے۔ آپ نے اس کی خاص طور پر ترغیب دی اور فرمایا کہ اس سے بینائی تیز ہوتی ہے اور یہ پلکوں کے بال اگاتا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اور آپ ہر رات میں اس سے سرمہ لگایا کرتے تھے، تین سلائیاں ایک آنکھ میں اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں۔

باب ماجاء فی النهی عن اشتمال الصماء والاحتباء بالثوب الواحد

﴿عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن لبستین الصماء وان یحتبی الرجل بثوبه لیس علی فرجه من شئی﴾ (۳۹۹)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہیئتوں سے منع فرمایا۔ "لبستین" بکسر اللام، فعلہ کے وزن پر اسم ہیئت ہے۔ ایک صماء سے، صماء اسے کہتے ہیں کہ اس طرح چادر باندھ کر بیٹھ جانا جس میں ہاتھ پاؤں بندھ جائیں کہ اگر آدمی جلدی میں اس سے نکلنا چاہے تو نہ نکل سکے۔ اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر اچانک کوئی حادثہ یا ضرورت پیش آجائے تو اس وقت آدمی کو جلدی سے نکلنا مشکل ہوگا، اور اگر نکلنا چاہے گا تو اس میں چوٹ

وغیرہ لگنے کا اندیشہ ہے۔ دوسرے یہ کہ آدمی اس طرح ایک کپڑے میں احتباء کرے کہ شرمگاہ پر الگ سے کوئی کپڑا موجود نہ ہو۔ اس میں کشف عورت کا احتمال ہے، اس لئے آپ نے اس سے منع فرمادیا۔

باب ماجاء في مواصلة الشعر

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لعن اللّٰہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة قال نافع: الوشم فی اللثة (۴۰۰)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی اور بال گودنے والی اور گدوانے والی سب پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ وشم مسوڑھے میں ہے۔ چونکہ پہلے زمانے میں لوگ خاص طور پر مسوڑھوں میں وشم کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس کا علیحدہ ذکر کردیا۔ ورنہ مسوڑھوں کے ساتھ اس کی خصوصیت نہیں ہے، جسم کے دوسرے حصوں پر بھی وشم کا وہی حکم ہے جو مسوڑھوں پر ہے۔

باب ماجاء في ركوب المياثر

عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنہ قال: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن رکوب المیاثر (۴۰۱)

میاثر "میثرۃ" کی جمع ہے اور "میثرۃ" غالیچے کی طرح ایک کپڑا ہوتا تھا جو دولت مند قسم کے لوگ اپنی سواری کے اوپر بچھایا کرتے تھے۔ گھوڑے پر ایک نمدہ ہوتا ہے اور ایک زین ہوتی ہے، اور ایک کپڑا زین کے اوپر بچھاتے تھے جو قالین کی طرح ہوتا تھا۔ س کو میثرہ کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں اس پر بیٹھنے سے منع فرمادیا۔

اس ممانعت کی علت کے بیان میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ چونکہ "میثرہ" عموماً سرخ رنگ کا ہوتا تھا۔ اور مردوں کے لئے سرخ رنگ کا استعمال ممنوع ہے۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ میثرہ کو عموماً ناز و نعم میں پلی ہوئی

عورتیں استعمال کیا کرتی تھیں۔ او مردوں کو ان کے استعمال سے اس لئے منع فرمادیا کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوجائے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ میثرہ کا استعمال ترفہ اور تنعم کی علامت تھی اور مترفصین اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اس لئے منع فرمادیا کہ تاکہ آدمی ان کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرے۔ اس آخری صورت کے اعتبار سے یہ ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔

باب ماجاء فی فراش النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

﴿عن عائشه رضی اللّٰه عنها قالت: انما كان فراش رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الذی ینام علیه ادم حشوه لیف﴾

(۴۰۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

باب ماجاء فی القمیص

﴿عن ام سلمة رضی اللّٰه عنها قالت: كان احب الثیاب الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم القمیص﴾ (۴۰۳)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

﴿عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا لبس قمیصا بدا بمیامنه﴾ (۴۰۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیص پہنتے تھے تو داھنی طرف سے شروع فرماتے۔

﴿عن اسماء بنت یزید بن السكن الانصاریة رضی اللّٰه عنها قالت: كان كم ید رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الی الرسغ﴾ (۴۰۵)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین گٹوں تک ہوتی تھی۔

باب مایقول اذالبس ثوبا جدیدا

﴿عن ابی سعید رضی اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا استجد ثوبا سماه باسمه عمامه او قمیصا اورداء ثم یقول اللهم لک الحمد انت کسوتنیه اسالک خیره و خیرما صنع له واعوذبک من شره وشرما صنع له﴾ (۴۰۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ مثلاً عمامہ یا قمیص یا تہبند، اور پھر یہ دعا پڑھتے: اے اللہ تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں، آپ نے ہی یہ کپڑا مجھے پہنایا، میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی اور جس بھلائی کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کو طلب کرتا ہوں۔ اور اس کے شر اور جس شر کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

باب ماجاء فی لبس الجبة

﴿عن عروة بن المغیرة بن شعبة عن ابیه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لبس جبة رومیة ضیقة الکمین﴾ (۴۰۷)

حضرت عروۃ بن مغیرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جبہ زیب تن فرمایا کرتے تھے جو روم کا بنا ہوا تھا اور اس کی آستین تنگ تھیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جبہ آپ کے پاس کہیں سے ھدیہ کے طور پر آیا تھا۔ اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جبے کی قیمت دو ہزار دینار تھی یعنی تقریباً بیس ہزار درہم۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا قیمتی جبہ بھی زیب تن فرمایا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن فرمائے۔ آپ کی عام عادت سادے اور معمولی کپڑے پہننے کی تھی لیکن اس قیمتی جبے کو زیب تن فرما کر اس بات کا اظہار فرما دیا کہ ایسے کپڑے پہننا بھی جائز ہے۔ اور جواز کا راستہ پیدا کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اور آپ کے لئے سہولت پیدا فرمادی۔

زندگی گزارنے کا معیار کیا ہونا چاہئے؟

اس باب میں ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں خلجان کا سبب ہوتا ہے کہ کس معیار کا کپڑا پہننا چاہئے؟ اور کس معیار کی زندگی اختیار کرے کہ وہ اسراف میں داخل نہ ہو؟۔ اس بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی حدود بیان فرمادیں۔ وہ حدود اگرچہ مکان کے بارے میں ارشاد فرمائی تھیں لیکن وہی حدود کپڑے اور دنیا کی دوسری چیزوں پر بھی صادق آتی ہیں۔ فرمایا کہ ایک درجہ ضرورت کا ہوتا ہے کہ آدمی کی ضرورت پوری ہوجائے جیسے مکان اگر کچا ہو جس میں آدمی اپنا سر چھپا سکے، حضرت والا اس کو فرماتے ہیں کہ یہ درجہ رہائش کا ہے یعنی یہ مکان قابل رہائش ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے۔

دوسرا درجہ آسائش کا ہے۔ یعنی آدمی ایسا مکان بنائے کہ وہ مکان صرف سر چھپانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ اس مکان کے اندر اپنے لئے راحت اور آرام کا بھی خیال رکھا گیا ہو۔ مثلاً وہ مکان پختہ بنالیا تاکہ اس میں بارش کا پانی نہ آئے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔ تیسرا درجہ آرائش کا ہے۔ یعنی ایک مکان میں آسائش تو حاصل تھی لیکن کوئی خاص زینت نہیں تھی اب کسی نے اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے اس مکان میں زینت کے اسباب کا انتظام کرلیا، مثلاً رنگ و روغن کرالیا وغیرہ یہ آرائش ہے۔ یہ بھی جائز ہے۔

چوتھا درجہ نمائش کا ہے یعنی مکان کے اندر ایسے اسباب جمع کرنا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے سامنے نمائش اور دکھاوا مقصود ہے تاکہ لوگ مجھے بڑا آدمی اور دولت مند سمجھیں، اس لئے کہ میں ایسے شاندار مکان میں رہتا ہوں۔ ایسے شاندار کپڑے پہنتا ہوں۔ ایسی شاندار سواری استعمال کرتا ہوں۔ یہ نمائش ہے اور حرام ہے۔ گویا کہ تین درجے جائز ہیں اور چوتھا درجہ حرام ہے۔

اب لباس کے اندر بھی یہی تفصیل ہے اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لئے پہنتا ہے کہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ یا مجھے اس کے پہننے سے راحت ملتی ہے۔ یا میں اپنا دل خوش کرنے کے لئے اس کو پہنتا ہوں۔ یا اپنے گھر والوں کے دل کو خوش کرنے کے لئے اس کو پہنتا ہوں۔ تو یہ صورت جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص قیمتی لباس اس لئے پہنتا ہے تاکہ میں فیشن ایبل کہلاؤں اور میں دولت مند اور بڑا آدمی کہلاؤں تو یہ صورت حرام ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ما اخطاءک اثنان: سرف ومخیلة یعنی ہر لباس پہننا تمہارے لئے جائز ہے

سوائے اس لباس کے جس میں اسراف ہو اور عجب و تکبر ہو۔ لہٰذا ان دونوں چیزوں سے بچتے ہوئے انسان قیمتی لباس بھی پہن سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث باب سے ثابت ہے۔

تنگ اور کف والی آستین کا حکم

میں عام طور پر بغیر کف کے کرتا پہنتا ہوں، ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک جوڑا ھدیہ میں دیا اس کی آستین کف والی تھیں، وہ کرتا پہن کر میں ایک دینی جلسے میں چلا گیا، وہاں بیان ہوا۔ جب میں گھر واپس آیا تو دو تین روز کے بعد ایک لمبا چوڑا خط ایک صاحب نے لکھ کر بھیج دیا، اس خط میں انہوں نے یہ لکھا کہ ہمیں یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ آپ نے کف والا کرتا پہن رکھا تھا۔ حالانکہ یہ خلاف سُنّت ہے۔

مجھے اس بات سے تو بہت خوشی ہوئی کہ لوگ اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہیں اور یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ لوگ باریک بینی سے انسان کو دیکھتے رہیں، جب یہ نگرانی ختم ہوجاتی ہے تو پھر انسان نفس و شیطان کے ہاتھوں گمراہ ہوجاتا ہے، اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ لوگ اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔

چنانچہ میں نے پھر ان کو شکریہ کا خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے، آپ نے صحیح تنبیہ فرمائی۔ بات یہ ہے کہ ہمارے تمام بزرگ بھی بغیر کف کے کرتے پہنتے رہے ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آدمی اپنے بزرگوں کے طریقے کا لباس پہنے، اور الحمد للہ میرا عام معمول یہی ہے کہ میں بغیر کف کے ہی کرتا پہنتا ہوں۔ لیکن جہاں تک آپ نے یہ بات لکھی ہے کہ، یہ عمل خلاف سُنّت ہے، یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگ آستین کا لباس پہننا ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث باب میں ہے کہ وہ قیمتی جبہ جو آپ نے زیب تن فرمایا، وہ تنگ آستینوں والا تھا۔

کسی عمل کا سُنّت نہ ہونا اور کسی عمل کا خلاف سُنّت ہونا دونوں الگ ہیں

ایک بات اور ہے جس کو بہت سے حضرات نہیں سمجھتے، وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے کسی عمل کا سُنّت نہ ہونا اور ایک ہوتا ہے کسی عمل کا خلاف سُنّت ہونا، ان دونوں میں فرق ہے، مثلاً یہ بجلی کی اشیاء کا استعمال سُنّت نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بجلی جلانا یا بجلی کا پنکھا استعمال کرنا خلاف سُنّت

ہے تو یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ خلاف سُنّت اس وقت کہا جائے گا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص عمل کی ترغیب دی ہو۔ چاہے وہ ترغیب استحبابی ہو۔ پھر کوئی شخص اس عمل کو اختیار نہ کرے بلکہ اس کے مقابل دوسرا طریقہ اختیار کرے تو وہ خلاف سُنّت ہے۔ اور جو عمل خلاف سُنّت ہوگا وہ کم از کم مکروہ ضرور ہوگا۔ لیکن ایک چیز وہ ہے جس پر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل نہیں فرمایا، اب اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو اس کو خلاف سُنّت نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ کبھی چپاتی بنائی گئی اور نہ آپ نے کبھی سکرجہ یعنی چھوٹی طشتری میں کھانا کھایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چپاتی کھانا یا طشتری میں کھانا خلاف سُنّت ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ عمل سُنّت نہیں ہے اور سُنّت نہ ہونے سے اس کا خلاف سُنّت ہونا لازم نہیں آتا۔

اسی طرح قمیص میں کف لگانا، یا جیب لگانا اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سُنّت نہیں، لیکن اس کو خلاف سُنّت کہہ کر اس کو مکروہ سمجھنا صحیح نہیں۔ ہاں البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے جتنا قریب رہے گا اتنا ہی اس عمل میں نور، برکت اور اجر و ثواب ہوگا۔ اور جتنا سُنّت سے دور رہے گا اتنی ہی اس کے اندر بے برکتی ہوگی۔ لہٰذا ہر بات کو اپنے محل پر رکھنا چاہئے اور اس کو اپنے محل اور موقع سے آگے بڑھانا درست نہیں۔

قمیص کے کالر کا حکم

جہاں تک قمیص کے کالر کا تعلق ہے، ہمارے بزرگ ان کالروں سے اس لئے منع فرمایا کرتے تھے کہ یہ کالر اصلاً انگریزوں نے چلائے تھے۔ ان کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ لیکن اس کی وجہ سے دوسروں پر نکیر بلیغ کرنا اور یہ کہنا کہ یہ حرام کا مرتکب ہے یا فسق کا مرتکب ہے۔ یہ کہنا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ اب یہ کالر اتنے عام ہوگئے ہیں کہ اب وہ مشابہت کا معاملہ بھی تقریباً ختم ہوگیا ہے۔ اس لئے دوسروں پر اس کی وجہ سے ایسی نکیر نہیں کرنی چاہئے جیسی نکیر محرمات پر کی جاتی ہے۔

عن المغیرة بن شعبة رضی اللّٰه عنه اهدی دحیة الکلبی رضی اللّٰه عنه لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خفین

فلبسهما وقال اسرائیل عن جابر عن عامر وجبة فلبسهما حتی تخرقا لا یدری النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذکی هما ام لا ﴾ (۳۰۸)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خفین بطور ہدیہ کے پیش کئے۔ حضرت عامر کی روایت میں ہے کہ ایک جبہ بھی دیا۔ چنانچہ آپ نے یہ دونوں پہنیں حتی کہ وہ پھٹ گئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کسی مذبوح جانور کی کھال کے بنے ہوئے ہیں یا غیر مذبوح جانور کی کھال کے ہیں؟ لیکن آپ نے اس تحقیق کے بغیر ان کو استعمال فرمالیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان حدیہ پیش کرے تو اس کی تحقیق اور تفتیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ مسلمان کے حال کو صحت پر محمول کرے اور اس کو استعمال کرے۔ اس سے زیادہ تعمق میں پڑنا ٹھیک نہیں۔

باب ماجاء فی شد الاسنان بالذهب

﴿عن عرفجة بن اسعد رضی اللّٰہ عنہ قال: اصیب انفی یوم الکلاب فی الجاهلیة فاتخذت انفا من ورق فانتن علی فامرنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اتخذ انفا من ذهب﴾ (۳۰۹)

حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کلاب کی جنگ میں میری ناک کٹ گئی۔ میں نے چاندی کی ناک بنوالی۔ لیکن اس میں بدبو آنے لگی، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں سونے کی ناک بنوالوں۔

باب ماجاء فی النهی عن جلود السباع

﴿عن ابی الملیح عن ابیه رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نهی عن جلود السباع ان تفترش﴾ (۳۱۰)

ابوالملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی

کھالوں کو بچھانے سے منع فرمایا۔ اس میں بھی ممانعت کی وجہ وہی ہے کہ یہ مترفین کا طریقہ تھا۔ وہ لوگ تکبر اور رعونت کے طور پر درندوں کی کھالوں کو استعمال کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس سے منع فرمادیا۔ لیکن فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر یہ کھالیں دباغت کے ذریعہ پاک کرلی جائیں اور پھر کسی واقعی ضرورت کے تحت استعمال کی جائیں۔ مثلاً یہ کہ سردی کی وجہ سے استعمال کی جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

باب ماجاء فی نعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان نعلاہ لھما قبالان﴾ (۴۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے دو تسمے والے تھے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ المشی فی النعل الواحدۃ

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا یمشی احدکم فی نعل واحدۃ لینعلھما جمیعا اولیحفھما جمیعا﴾ (۴۱۲)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایک چپل پہن کر نہ چلے، یا تو دونوں پاؤں میں پہنے یا دونوں کو اتار دے۔ یہ نہی تنزیہی ہے۔

﴿عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان ینتعل الرجل وھو قائم﴾ (۴۱۳)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر جوتے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے۔ اور اگر کسی صحیح سند سے ثابت ہو تو اس حدیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے یہ نہی ارشاد ہے نہی تشریع نہیں۔ اور یہ نہی ان جوتوں کے بارے میں ہے جن کو کھڑے ہوکر پہننے میں گرجانے کا اندیشہ ہو یا پاؤں کے اندر صحیح طریقے سے نہ

آنے کا اندیشہ ہو۔ لیکن وہ جوتے جن کو کھڑے ہو کر آرام سے پہنا جاسکتا ہے جس میں کوئی اندیشہ نہیں ہے تو یہ حدیث اس سے متعلق نہیں۔

باب ماجاء فی الرخصة فی النعل الواحدة

﴿عن عائشة رضی الله عنها قالت: ربما مشی النبی صلی الله علیه وسلم فی نعل واحدة﴾ (۴۱۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک چپل پہن کر چلا کرتے تھے۔ اس حدیث میں بیان جواز ہے۔ اور پیچھے جو حدیث گزری اس میں نہی تنزیہی تھی کہ آدمی ایک جوتے کے اندر نہ چلے۔

باب ماجاء بای رجل یبدا اذا انتعل

﴿عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: اذا انتعل احدکم فلیبدا بالیمین واذا نزع فلیبدا بالشمال فلیکن الیمین اولهما تنعل واخرهما تنزع﴾ (۴۱۵)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص چپل پہنے تو دائیں پاؤں سے شروع کرے، اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے، تاکہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے ہو اور اتارنے میں پیچھے ہو۔

باب ماجاء فی ترقیع الثوب

﴿عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان اردت اللحوق بی فلیکفک من الدنیا کزاد الراکب وایاک و مجالسة الاغنیاء ولا تستخلقی ثوبا حتی ترقعیه﴾ (۴۱۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا کا اتنا حصہ تمہارے لئے کافی ہو جائے جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا

ہے۔ مسافر اپنے ساتھ جو سامان لے جاتا ہے اس میں وہ اختصار سے کام لیتا ہے، اسی طرح دنیا کے اندر تم اختصار سے کام لو۔ اور مالداروں کی ہمنشینی اور ان کی صحبت سے بچو، اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ کرو جب تک اس میں پیوند نہ لگالو۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے۔ اور اس کی ہربات دوسری روایات سے ثابت اوز مؤید ہے، وہ یہ کہ آدمی دنیا کے اندر توسع اختیار نہ کرے بلکہ اتنا اختیار کرے جتنے کی حاجت ہے۔ اور اوپر کی حدیث کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ جو میں نے اوپر دنیا برتنے کے درجات بیان کئے ہیں، یعنی رہائش، آسائش، اور آرائش، یہ تینوں درجے اختیار کرنا جائز ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ آدمی بقدر حاجت پر ہی اکتفا کرے۔ اس لئے کہ یہ اسباب انسان کو رفتہ رفتہ انہماک فی الدنیا کی طرف لے جاتے ہیں۔

اغنیاء کی مجالست سے بچو

دوسری بڑی عجیب نصیحت یہ فرمائی کہ اغنیاء کی مجالست سے بچو، اس کے بارے میں آگے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نصیحت کا مفہوم اس حدیث کی طرح ہے جو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

﴿من رای من فضل علیہ فی الخلق والرزق فلینظر الی من هو اسفل منه ممن هو فضل علیه فانه اجدر الا یزدری نعمة الله﴾

اگر کسی شخص نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی بناوٹ اور رزق میں اس پر فضیلت دی ہے۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، اس کی صحت اچھی ہے۔ اور اس کے پاس پیسے زیادہ ہیں۔ اور اسباب دنیا کی فراوانی ہے، تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے سے کم درجے کے انسان کو دیکھے۔ مثلاً ایسے شخص کو دیکھے جس کی صحت اس سے زیادہ اچھی نہیں ہے۔ یا جس کے پاس مال و دولت کم ہے، اس کے ذریعے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری نہیں کرے گا۔ اور جو شخص اوپر کی طرف دیکھتا رہے گا وہ ہمیشہ ناشکری کے اندر مبتلا رہے گا، مثلاً اس کو تو فلاں نعمت حاصل ہے مجھے حاصل نہیں۔

آسودہ زندگی کے لئے بہترین اصول

اسی لئے فرمایا کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص مجھ سے عبادت میں، زھد میں، تقویٰ میں، علم میں آگے بڑھا ہوا ہے، تاکہ اس کی طرف بڑھنے اور اپنی اصلاح کرنے کا داعیہ شدت سے پیدا ہو۔ اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر ہوگی اور دل میں قناعت پیدا ہوگی۔ یہ زندگی بھر عمل کرنے کی بہترین نصیحت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے تو پھر دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

﴿ویروی عن عون بن عبد اللّٰہ بن عتبۃ قال: صحبت الاغنیاء فلم ارا حدا اکثر ھما منی، اری دابۃ خیرا من دابتی وثوبا خیرا من ثوبی وصحبت الفقراء فاسترحت﴾

عون بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا، ان کی صحبت میں رہتا تھا تو میں نے کسی کو اپنے سے زیادہ غم میں مبتلا نہیں دیکھا، بلکہ سب سے زیادہ غمگین میں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ میں جہاں جاتا مجھے یہ نظر آتا کہ فلاں کا گھوڑا میرے گھوڑے سے اچھا ہے، اس کا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے۔ تو میں ہر وقت اس غم میں مبتلا رہتا تھا کہ یہ مجھ سے آگے ہے۔ اس کے پاس ہر چیز اچھی ہے۔ میں پیچھے ہوں، کم درجے کا ہوں۔ بعد میں میں نے فقراء اور غرباء کی صحبت اختیار کی تو اب مجھے راحت حاصل ہوگئی۔ اس لئے کہ اب ہر جگہ یہ نظر آتا ہے کہ میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے، میرا کپڑا اس کے کپڑے سے اچھا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے راحت عطا فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اغنیاء کی صحبت انسان کو ناقدری اور ناشکری اور بے صبری اور حرص و طمع پر آمادہ کرتی ہے۔ اور فقراء کی صحبت کے نتیجے میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے۔ اس کے ذریعے دل میں قناعت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حتی الامکان فقراء کی مجالست اپنانی چاہئے۔

آج کل مالداروں سے تعلّقات بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے

آج کل ہمارے دور میں یہ مذاق پیدا ہوگیا ہے کہ باقاعدہ کوشش اور اہتمام کرکے بڑے اور مالدار لوگوں سے تعلقات بڑھائے جاتے ہیں۔ اور یہ کچے پکے قسم کے مولوی بھی اس میں مبتلاء

ہوتے ہیں۔ فارغ ہونے کے بعد مدرسہ بنالیا۔ اب اس کوشش میں ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں سے تعلق پیدا کریں اور ان سے مدرسہ کے لئے مالی تعاون حاصل کریں۔ اب یہ ایک مستقل فن بن گیا ہے جس کا نام ہے "تعلقات عامہ" آج کل اس پر ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ اور یہ تعلقات غریبوں اور فقیروں سے نہیں بڑھائے جاتے بلکہ بڑے بڑے امیروں سے اور عہدہ داروں سے تعلقات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری عمر احساس کم تری میں مبتلا رہتے ہیں اور ناقدری میں اور ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں اور دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ اس کے بجائے جو لوگ اپنا طریقہ اپنا کر گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں اور جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس پر شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی طرف سے تعلقات بڑھانے کی فکر نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے اندر نافعیت پیدا کردیتے ہیں۔ اور اس کی نتیجے میں بڑے بڑے بادشاہ اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اور یہ چیز اس طرح حاصل نہیں ہوتی کہ وہ خود سے بادشاہ کے پاس تعلقات بڑھانے کے لئے گئے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر کمال اور نافعیت عطا فرمائی تو بڑے بڑے بادشاہوں نے ان کی طرف خود سے رجوع کیا۔

ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

شام کے ایک عالم سے میں نے یہ واقعہ سنا اور ان کے مضمون میں بھی پڑھا کہ شام کے اندر ایک بزرگ تھے، عالم تھے اور اللہ والے تھے، زیادہ وقت مسجد میں گزارتے تھے۔ اور وہیں حدیث کا سبق پڑھایا کرتے تھے، جب درس سے فارغ ہوجاتے تو وہیں مسجد میں بیٹھ جاتے، اور وہیں پر لوگ اپنی ضروریات اور مسائل پوچھنے کے لئے آجاتے۔ بادشاہ نے جب ان کے بارے میں سنا تو اس نے چاہا کہ میں ملاقات کے لئے جاؤں، جب بادشاہ اپنے حشم و خدم کے ساتھ آیا اور مسجد کے اندر داخل ہوا تو اس وقت وہ بزرگ اتفاق سے پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، کسی نے بتایا کہ یہ بادشاہ ہیں مگر وہ اپنی حالت میں بیٹھے رہے، بادشاہ نے کہا حضرت! کچھ نصیحت فرمایئے، اسی حالت میں ان بزرگ نے بادشاہ کو دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت کی نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد بادشاہ واپس چلا گیا، بعد میں بادشاہ نے ایک اشرفیوں کی تھیلی ھدیہ کے طور پر بھیجی، ان بزرگ نے اس شخص سے فرمایا جو یہ تھیلی لے کر آیا تھا کہ اس کو واپس لے جاؤ، اس شخص نے کہا کہ میں تو اس طرح واپس نہیں لے جاسکتا، آپ مجھے کچھ لکھ کر دیدیجئے، اگر اس طرح میں واپس گیا تو وہ مجھے مارے گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا اس سے یہ کہدینا کہ: ان الذی یمد رجلہ لا یمد یدہ یعنی جو شخص پاؤں پھیلاتا

ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

بہرحال، ایک عالم اور ایک مولوی کے لئے اس سے بڑھ کر خراب چیز کوئی نہیں کہ اس کے دل میں یہ شوق ہو کہ میرے بڑے بڑے مالداروں سے تعلقات ہوں اور ان سے میں دنیا کے کام نکالوں، چاہے وہ مدرسہ کا چندہ ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں دین کے کام کی توفیق دے رہے ہیں اور ان کو تم سے دین کا کام کروانا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا والوں کے دلوں کو تمہاری طرف مائل کریں گے، اور اگر وہ تم سے دین کا کام نہیں کروانا چاہتے تو پھر تم ہزار مرتبہ دنیا والوں کے پیچھے پھرو، کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بہرحال، اغنیاء کے ساتھ رہنا اور ان کے ساتھ مجالست اچھی بات نہیں۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ام هانی رضی اللّٰه عنها قالت: قدم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یعنی مكة وله اربع غدائر﴾ (۴۱۷)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ کے سر کے بالوں کی چار گندھی ہوئیں لٹیں تھیں۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ابی سعید وهو عبد اللّٰه بن بسر قال: سمعت ابا كبشة الانمازی یقول: كانت كمام اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بطحا﴾ (۴۱۸)

کمام جمع ہے کم کی۔ اس کے معنی ہیں ٹوپی۔ حضرت عبد اللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ میں نے ابوکبشہ انماری سے سنا کہ صحابہ کرام کی ٹوپیاں واسع اور کشادہ اور سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔ بطح جمع ہے ابطح اور بطحاء کی، اس کے معنی ہیں۔ واسع، کشادہ اور پھیلی ہوئی۔ لہٰذا ٹوپی اتنی تنگ نہ ہو کہ وہ سر کے صرف سامنے کے حصے میں اوپر کو رکھی رہے، جیسے یہودی ٹوپیاں پہنتے ہیں، ان کی ٹوپیاں چھوٹی ہوتی ہیں، لیکن صحابہ کرام کی ٹوپیاں پورے سر کو ڈھانپے ہوئے ہوتی تھیں۔ اور بطح کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔ بہت بلند نہیں

ہوتی تھیں۔ اس لئے کہ ٹوپی کی یہ ہیئت تواضع کے زیادہ قریب ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ لیکن امت کے تعامل سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بعضلة ساقي اوساقه وقال: هذا موضع الازار فان ابيت فاسفل فان ابيت فلا حق للازار في الكعبين﴾

(۴۱۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پنڈلی یا میری پنڈلی پکڑ کر فرمایا: ازار کی اصل جگہ یہاں ہے، اور اگر تمہارا دل نہ مانے تو تھوڑی اور نیچے کرلو، اور اگر اب بھی دل نہ مانے تو پھر ٹخنوں میں ازار کا کوئی حق نہیں ہے۔ یعنی ٹخنوں کو ازار سے چھپانا جائز نہیں ہے۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ابي جعفر بن محمد بن ركانه عن ابيه ان ركانة صارع النبي صلى الله عليه وسلم فصرعه النبي صلى الله عليه وسلم قال ركانة: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ان فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس﴾ (۴۲۰)

ابو جعفر محمد بن رکانہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پچھاڑ دیا۔ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامے باندھتے ہیں اور مشرکین بغیر ٹوپیوں کے عمامے باندھتے ہیں۔ اس لئے سنت یہ ہے کہ ٹوپی بھی پہنے اور اس کے اوپر عمامہ پہنے۔ بغیر ٹوپی کے عمامہ نہ پہنے۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن عبد اللّٰه بن بريدة عن ابيه قال: جاء رجل الى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم وعليه خاتم من حديد فقال: مالى ارى عليك حلية اهل النار ثم جاءه وعليه خاتم من صفر فقال: مالى اجدمنك ريح الاصنام ثم اتاه وعليه خاتم من ذهب فقال: مالى ارى عليك حلية اهل الجنة قال: من اى شى اتخذه؟ قال: من ورق ولا تتمه مثقالا﴾ (۴۲۱)

حضرت عبد اللہ بن بریدة اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اہل نار کا زیور ہے، جب دوسری مرتبہ وہ صاحب آئے تو پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ اس میں سے بتوں کی خوشبو آرہی ہے، کیونکہ بت عام طور پر پیتل کے بنائے جاتے تھے۔ جب تیسری مرتبہ آئے تو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ جنت والوں کا زیور ہے، لہٰذا دنیا میں مردنے کیسے پہن لیا۔ پھران صاحب نے پوچھا کہ میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا کہ چاندی کی بناؤ اور اس کا وزن ایک مثقال تک نہ پہنچا ہو۔ یعنی ایک مثقال سے کم رہے جو ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن ابى موسى رضى اللّٰه تعالى عنه قال: سمعت عليا رضى اللّٰه تعالى عنه يقول: نهانى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن القسى والميثرة الحمراء وان البس خاتمى فى هذه وفى هذه واشار الى السبابة والوسطى﴾ (۴۲۲)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسی کپڑا پہننے سے اور سرخ زین پوش پر سوار ہونے سے اور شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

باب (بلا ترجمة)

﴿عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: کان احب الثیاب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلبسها الحبرة﴾ (۴۲۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس دھاری دار یمنی چادر تھی۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

تخریج الاحادیث والمسائل

(۱) ابوداود: کتاب الدیات: باب فی الدیۃ کم هی۔ نسائی: کتاب البیوع، باب ذکر اسنان دیۃ الخطاء۔

(۲) ابوداود: کتاب الدیات، باب ولی العمد یرضی بالدیۃ ۔ابن ماجۃ :ابواب الدیات، باب من قتل عمدا فرضوا بالدیۃ ۔

(۳) والتفصیل فی: بدائع ۲۵۶/۷۔ درالمختار ۵۷۳/۶۔ کشاف القناع ۱۷/۶۔ الشرح الکبیر للدردیر ۲۶۶/۴۔اعلاء السنن ۱۴۷/۱۸۔

(۴) ابن ماجۃ :ابواب الدیات، باب دیۃ الخطاء۔

(۵) ابن ماجۃ : ابواب الدیات، باب الموضحۃ ۔ ابوداود: کتاب الدیات، باب دیات الاعضاء۔

(۶) ابوداود: کتاب الدیات، باب دیات الاعضاء۔

(۷) نسائی: کتاب الدیات، باب عقل الاصابع۔ ابن ماجۃ: کتاب الدیات، باب دیۃ الاصابع۔

(۸) ابن ماجۃ :ابواب الدیات، باب العفو فی القصاص۔

(۹) بخاری: کتاب الدیات، باب من اقاد بالحجر۔ مسلم: کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص۔باب القصاص فی القتل بالحجر۔

(۱۰) ابن ماجۃ : کتاب الدیات، باب لاقود الابالسیف۔ دارقطنی ۱۰۶/۳۔ السنن الکبری للبیهقی ۶۳/۸۔

(۱۱) ابوداود: کتاب الدیات، باب فی الدیۃ کم هی۔ ابن ماجۃ : ابواب الدیات، باب دیۃ شبہ العمد مغلظۃ)۔

(۱۲) والتفصیل فی: درالمختار ۵۲۸/۶۔ مغنی المحتاج ۳/۴۔ الشرح الکبیر

للدریر مع الدسوقی ۴/۲۴۲۔ اعلاء السنن ۱۸/ ۸۴۔

(۱۳) والتفصیل فی: درالمختار ۶/۵۳۷۔ کشاف القناع ۵/ ۶۲۸۔ الشرح الکبیر ۴/ ۲۶۵۔ المهذب ۲/ ۱۸۶۔ اعلاء السنن ۱۸/ ۹۴۔

(۱۴) ابن ماجة: ابواب الدیات، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما۔

(۱۵) بخاری: کتاب الدیات، باب القصاص یوم القیامة۔ مسلم: کتاب القسامة والمحاربین والقصاص۔ باب المجازاة بالدماء فی الاخرة۔

(۱۶) المسند الجامع ۶/ ۳۵۱۔

(۱۷) المسند الجامع ۶/ ۴۲۔

(۱۸) البخاری: کتاب الدیات، باب قول الله تعالی: النفس بالنفس والعین بالعین۔ کتاب القسامة والمحاربین والقصاص، باب مایباح به دم المسلم۔

(۱۹) مسند احمد: ۵/ ۳۶، ۳۸۔ مستدرک حاکم ۱/ ۴۴۔ الترغیب والترهیب ۳/ ۲۹۹۔ مجمع الزوائد ۶/ ۲۹۳۔

(۲۰) المسند الجامع ۹/ ۲۷۹۔

(۲۱) والتفصیل فی: بدائع ۷/ ۲۵۴۔ درمختار ۶/ ۵۷۴۔ الشرح الکبیر للدردیر ۴/ ۲۶۷۔ مغنی المحتاج ۴/ ۵۷۔ المهذب ۲/ ۱۹۷۔

(۲۲) بخاری: کتاب العلم، باب کتابة العلم۔ مسلم: کتاب الحج، باب تحریم مکة وتحریم صیدها وخلاها۔

(۲۳) والتفصیل فی: مسند احمد ۶/ ۳۸۴۔ نسائی: کتاب المناسک، تحریم القتال فیه۔

(۲۴) ابن ماجة: ابواب الدیات، باب العفو عن القاتل۔ ابوداود، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو فی الدم۔

(۲۵) ابوداود: کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین۔ مسند احمد ۵/ ۳۵۲۔

(۲۶) ابوداود: کتاب الاضاحی، باب فی النهی ان تصبر البهائم والرفق بالذبیحة۔ مسند احمد ۳/ ۱۲۳۔

(۲۷) ابوداود: کتاب الدیات، باب دیة الجنین۔ مسند احمد ۴/ ۲۴۵۔

(۲۸) مسلم: کتاب القسامة، باب دیة الجنین ووجوب الدیة فی قتل الخطاء۔ نسائی: کتاب القسامة، باب دیة جنین المراة۔

(۲۹) نسائی: کتاب البیوع، سقوط القود من المسلم للکافر۔ ابن ماجة، ابواب الدیات، باب لایقتل مسلم بکافر۔

(۳۰) والتفصیل فی: الشرح الکبیر للدردیر ۲۳۸/۴۔ المهذب ۱۷۳/۲۔ کشاف القناع ۲۰۹/۵۔ اعلاء السنن ۹۸/۱۸۔

(۳۱) ابوداود: کتاب الدیات، باب من قتل عبده اومثل به ایقادمنه۔ ابن ماجة: ابواب الدیات، باب هل یقتل الحربالعبد۔

(۳۲) مصنف عبدالرزاق ۳۹۸/۹۔ مصنف ابن ابی شیبة ۹/ ۳۱۳)۔

(۳۳) ابوداود: کتاب الدیات، باب فی الرجل یقاتل الرجل فیرفعه عن نفسه۔ ابن ماجة: ابواب الدیات، باب من عض رجلا فنزع یده فندرثنایاه۔

(۳۴) ابوداود: کتاب الاقضیة۔ باب فی الحبس فی الدین وغیره۔

(۳۵) نسائی: کتاب المحاربة، باب من قتل دون ماله۔ ابوداود: کتاب الادب، باب فی قتال اللصوص۔

(۳۶) والتفصیل فی: بخاری: کتاب الدیات، باب القسامة۔ مسلم: کتاب القسامة، باب القسامة۔

(۳۷) والتفصیل فی: بدائع، ۲۸۶/۷، ۲۷۷۔ الشرح الکبیر ۲۸۷/۴۔ مغنی المحتاج ۱۱۱/۴۔ المهذب ۳۱۸/۲۔ کشاف القناع ۶۸/۶، ۷۴۔ تکملة فتح الملهم ۳۷۶/۲۔

(۳۸) السنن الکبری للبیهقی ۲۵۲/۱۰۔ تکملة فتح الملهم ۵۴۸/۲۔

(۳۹) والتفصیل فی: بدائع ۲۹۴/۷۔ درالمختار ۶۲۷/۶۔ الشرح الکبیر ۲۹۳/۴۔ مغنی المحتاج ۱۱۵/۴۔ کشاف القناع ۷۴/۶۔ تکملة فتح الملهم ۲۸۰/۲۔

(۴۰) مسند احمد ۱۱۲/۱، ۱۱۸، ۱۴۰۔ المسند الجامع ۲۸۶/۱۳۔

(۴۱) المسند الجامع ۴۱/۲۰۔

(۴۲) مسند احمد ۲۵۲/۲۔ مستدرک حاکم ۳۸۳/۴۔

(۴۳) ابوداود: کتاب الادب، باب المواخاة۔ مسند احمد ۹۱/۲۔

(۴۴) ابوداود: کتاب الحدود، باب رجم ماعزبن مالک۔ مسند احمد ۱/ ۲۴۵۔
(۴۵) بخاری: کتاب الحدود، باب لا یرجم المجنون۔
(۴۶) والتفصیل فی: بدائع ۷/ ۴۹۔ المبسوط ۹/ ۹۱۔ حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۱۸۔ مغنی المحتاج ۴/ ۱۵۰۔
(۴۷) بخاری: کتاب الحدود، باب رجم المحصن۔
(۴۸) بخاری: کتاب الحدود، باب اقامۃ الحد علی الشریف والوضیع۔ مسلم: کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنهی"۔
(۴۹) مسند احمد ۱/ ۲۳۔ مسلم: کتاب الحدود، باب رجم الثیب۔
(۵۰) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۶/ ۴۷۔ تکملۃ فتح الملهم ۲/ ۴۳۳۔
(۵۱) مسند احمد ۱/ ۳۶۔ المسند الجامع ۱۳/ ۵۸۸۔
(۵۲) ابوداود: کتاب الحدود، باب فی المراۃ التی امر النبی صلی الله علیه وسلم برجمها۔ ابن ماجۃ: ابواب الحدود، باب حد الزنا)۔
(۵۳) بخاری: کتاب المحاربین، باب اذا زنت الامۃ۔ ابوداود: کتاب الحدود، باب فی الامۃ تزنی ولم تحصن۔
(۵۴) مسلم: کتاب الحدود، باب حد الزنا۔ ابوداود: کتاب الحدود، باب فی الرجم۔
(۵۵) والتفصیل فی: المبسوط ۹/ ۴۴۔ بدائع ۷/ ۳۹۔ مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۷۔ المهذب للشیرازی ۲/ ۲۶۷۔ حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۲۲۔ تکملۃ فتح الملهم ۲/ ۴۰۷۔ اعلاء السنن ۱۱/ ۵۶۲۔
(۵۶) مسلم: کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنا۔ ابوداود: کتاب الحدود، باب المراۃ التی امر رسول الله صلی الله علیه وسلم برجمها۔
(۵۷) المسند الجامع ۱۰/ ۵۱۶۔
(۵۸) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۶/ ۴۲۔ المبسوط ۹/ ۳۹۔ بدائع ۷/ ۳۸۔ ردالمختار ۴/ ۱۶۔ حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۲۰۔ مغنی المحتاج ۴/ ۱۴۷۔ المهذب ۲/ ۲۶۷۔

(۵۹) المسند الجامع ۱۰/۵۱۶۔

(۶۰) بخاری: کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار۔ مسلم: کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لاهلها۔

(۶۱) المسند الجامع ۱۳/۲۸۹۔ مسند احمد ۱/۱۵۶۔

(۶۲) والتفصیل فی: تکملۃ فتح الملهم ۲/۴۷۹۔

(۶۳) المسند الجامع ۶/۳۵۳۔ مسند احمد ۳/۳۲، ۹۸۔

(۶۴) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۶/۱۵۱۔ البدائع ۵/۱۱۳۔ حاشیۃ الدسوقی ۴/۳۵۲۔ المنتقی علی الموطا ۳/۱۳۲۔ تکملۃ فتح الملهم ۲/۴۸۸۔

(۶۵) المسند الجامع ۲/۷۱، ۷۲۔ مسند احمد ۳/۱۱۵، ۱۷۶۔

(۶۶) ابوداود: کتاب الحدود، باب اذا تتابع فی شرب الخمر۔ ابن ماجۃ: ابواب الحدود، باب من شرب الخمر مرارا۔

(۶۷) بخاری: کتاب الحدود، باب قول الله تعالی والسارق والسارقۃ۔ مسلم: کتاب الحدود، باب حد السرقۃ ونصابها۔

(۶۸) مصنف ابن ابی شیبۃ ۹/۴۷۴۔ مصنف عبدالرزاق ۱۰/۲۳۳۔

(۶۹) المسند الجامع ۲۰/۵۵۔

(۷۰) والتفصیل فی: المبسوط ۹/۱۳۷۔ بدائع ۷/۷۷۔ حاشیۃ الدسوقی ۴/۳۳۳۔ المهذب ۲/۲۷۷۔ مغنی المحتاج ۴/۱۵۸۔

(۷۱) ابوداود: کتاب الحدود، باب فی السارق تعلق یده فی عنقه۔ ابن ماجۃ: کتاب الحدود، باب تعلیق الید فی عنقه۔

(۷۲) المسند الجامع ۴/۱۸۹۔ نسائی: ابواب الحدود، باب ما لا قطع فیه۔

(۷۳) نسائی: ابواب الحدود، باب ما لا قطع فیه۔ ابن ماجۃ: ابواب الحدود، باب لا یقطع فی ثمر ولا کثر۔

(۷۴) مسند احمد ۴/۱۸۱۔ المسند الجامع ۳/۲۴۷۔

(۷۵) ابن ماجۃ، ابواب الحدود، باب من وقع علی جاریۃ امراته۔ ابوداود: کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بجاریۃ امراة۔

(۷۶) المسند الجامع ۱۵/ ۲۹۵- مسند احمد ۳/ ۳۱۸-

(۷۷) ابوداود: كتاب الحدود، باب في صاحب الحديجيئى فيقر- مسند احمد ۶/ ۳۹۹-

(۷۸) ابن ماجة، ابواب الحدود، باب من اتى ذات محرم ومن اتى بهيمة- المسند الجامع ۹/ ۲۶۵- مسند احمد ۱/ ۲۶۹-

(۷۹) ابوداود: كتاب الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط- ابن ماجة: ابواب الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط-

(۸۰) ابوداود، كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد- نسائی: كتاب تحريم الدم، الحكم فيمن ارتد-

(۸۱) والتفصيل فی: المبسوط للسرخسی ۱۰/ ۹۸- بدائع ۷/ ۱۳۴- ردالمحتار ۴/ ۲۲۶-

(۸۲) نسائی: كتاب المحاربة، باب من شهر سيفه- ابن ماجة: ابواب الحدود، باب من شهر السلاح-

(۸۳) المسند الجامع ۵/ ۲۱-

(۸۴) كنز العمال ۳/ ۳۹۳-

(۸۵) والتفصيل في: الفقه الاسلامی وادلته ۶/ ۲۰۱- بدائع ۷/ ۶۳- ردالمحتار ۳/ ۶۱- مغنی المحتاج ۴/ ۱۹۱- حاشية الدسوقی ۴/ ۳۵۴- اعلام الموقعين ۲/ ۹۸-

(۸۶) مشکوة المصابيح- كتاب الحدود، باب التعزير، الفصل الثانی-

(۸۷) ابوداود: كتاب الحدود، باب فی التعزير- ابن ماجة: ابواب الحدود باب التعزير-

(۸۸) والتفصيل فی: المغنی لابن قدامة ۸/ ۳۲۴، ۳۲۶- المجموع ۲۰/ ۱۲۱-

(۸۹) صحيح بخاری: كتاب الذبائح والصيد، باب التسمية على الصيد- صحيح مسلم: كتاب الصيد والذبائح: باب صيد الكلاب المعلمة والرمی-

(۹۰) والتفصيل فی: مغنی المحتاج ۴/ ۲۷۴، كشاف القناع ۶/ ۲۱۸، الدر

المختار ۶/ ۴۷۲، الشرح الکبیر ۲/ ۱۰۵۔

(۹۱) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۳/ ۷۰۳، بدایة المجتهد ۱/ ۴۴۱، مغنی المحتاج ۴/ ۲۷۳، کشاف القناع ۶/ ۲۱۷۔

(۹۲) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۳/ ۷۰۳، رد المحتار ۶/ ۴۷۱۔

(۹۳) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید، باب ماجاء فی التصید۔ صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح، باب صید الکلاب المعلمة والرمی۔

(۹۴) سنن ابن ماجة: ابواب الصید باب صید کلب المجوس۔ السنن الکبری للبیهقی ۹/ ۲۴۵۔

(۹۵) المصنف لابن ابی شیبة ۵/ ۳۶۶۔

(۹۶) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۳/ ۷۰۵، بدائع الصناع ۵/ ۵۲ و ۵۴)۔

(۹۷) سنن نسائی: کتاب الصید والذبائح، فی الذی یری الصید فیغیب عنه۔ سنن ابن ماجة: ابواب الصید، باب الصید یغیب لیلة۔

(۹۸) سنن نسائی: کتاب الصید والذبائح: فی الذی یری الصید فیقع فی الماء۔

(۹۹) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید، باب اذا وجد مع الصید کلبا آخر۔ صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح: باب صید الکلاب المعلمة والرمی۔

(۱۰۰) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب صید المعراض۔ صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح: باب صید الکلاب المعلمة والرمی۔

(۱۰۱) سنن نسائی: کتاب الضحایا: اباحة الذبح بالمروة۔ سنن ابن ماجة: ابواب الاضاحی: باب ما یذکی به۔

(۱۰۲) سنن نسائی: کتاب الضحایا: النهی عن المجثمة۔ المصنف لابن ابی شیبة: ۵/ ۳۹۷۔ المصنف لعبد الرزاق ۴/ ۴۵۳۔

(۱۰۳) مسند احمد ۴/ ۱۲۷۔ المسند الجامع ۱۲/ ۵۳۵۔

(۱۰۴) سنن ابن ماجة: ابواب الذبائح: باب النهی عن صبر البهائم وعن المثلة۔ سنن نسائی: کتاب الضحایا: النهی عن المجثمة۔

(۱۰۵) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب ماجاء فی ذکوة الجنین۔ سنن ابن

ماجۃ : ابواب الاضاحی : باب ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ۔

(۱۰۶) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامۃ ۵۷۹/۸۔ حاشیۃ الدسوقی ۱۱۴/۲۔ البحر الرائق ۱۷۱/۸۔ بدائع الصنائع ۴۲/۵۔

(۱۰۷) السنن الکبری للبیھقی ۱۲۰/۲۔ مجمع الزوائد ۱۱۱/۲۔

(۱۰۸) سنن نسائی: کتاب الصید: باب تحریم اکل السباع۔ سنن ابن ماجۃ : ابواب الصید: باب کل ذی ناب من السباع۔

(۱۰۹) مجمع الزوائد ۴۷/۵۔

(۱۱۰) مسند ابی یعلی موصلی ۳۶۱/۱۰۔ مسند احمد ۴۱۸/۲۔ السنن الکبری للبیھقی ۳۳۱/۹۔

(۱۱۱) سنن ابی داود: کتاب الصید: باب اذا قطع من الصید قطعۃ۔ سنن ابن ماجۃ : ابواب الصید: باب ما قطع من البھیمۃ وھی حیۃ۔

(۱۱۲) سنن ابی داود: کتاب الاضاحی: باب ماجاء فی ذبیحۃ المتردیۃ۔

(۱۱۳) سنن ابی داود: کتاب الادب: باب فی قتل الوزغ۔ السنن الکبری للبیھقی: ۲۶۷/۲۔

(۱۱۴) سنن ابن ماجۃ: ابواب الطب: باب قتل ذی الطفیتین۔ مسند احمد ۱۲۱/۲۔ مجمع الزوائد ۴۶/۴۔

(۱۱۵) مجمع الزوائد ۲۰۷/۵۔ مسند احمد ۴۳۰/۳۔

(۱۱۶) کنز العمال ۴۷/۱۵۔

(۱۱۷) مشکوۃ المصابیح: کتاب الصید والذبائح: باب ما یحل اکلہ وما یحرم۔ کنز العمال ۶۲/۱۰۔

(۱۱۸) سنن نسائی: کتاب الصید والذبائح: صفۃ الکلاب التی امر بقتلھا۔ سنن ابن ماجۃ : ابواب الصید: باب النھی عن اقتناء الکلب۔

(۱۱۹) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب من اقتنی کلبا لیس بکلب صید۔ سنن ابن ماجۃ : ابواب الصید: باب النھی عن اقتناء الکلب۔

(۱۲۰) سنن نسائی: کتاب الصید والذبائح: الامر بقتل الکلاب۔ سنن ابن ماجۃ : ابواب الصید: باب قتل الکلب الا کلب صید او زرع۔

(۱۲۱) سنن ابی داود: کتاب الصید: باب فی اتخاذ الکلب للصید وغیرہ۔ السنن الکبری للبیہقی ۱/۲۵۱۔

(۱۲۲) سنن نسائی: کتاب الصید والذبائح: صفة الکلاب التی امر بقتلها۔ سنن ابن ماجة: ابواب الصید: باب النهی عن اقتناء الکلب۔

(۱۲۳) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب التسمیة علی الذبیحة۔ صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ماانهر الدام الاالسن الخ۔

(۱۲۴) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۳/۶۰۲، بدائع الصنائع ۵/۴۲۔ الدرالمختار ۶/۲۹۶۔

(۱۲۵) سنن ابن ماجة: ابواب الاضاحی: باب زکوة النادمن البهائم، مجمع الزوائد ۴/۳۴۔

(۱۲۶) والتفصیل فی: بدائع الصنائع ۵/۴۳۔ الدرالمختار ۶/۳۰۴۔ مغنی المحتاج ۴/۲۶۵۔ کشاف القناع ۶/۲۰۵۔

(۱۲۷) سنن ابن ماجة: ابواب الاضاحی: باب ثواب الاضحیة۔ السنن الکبری للبیهقی ۹/۲۶۱۔

(۱۲۸) صحیح بخاری: کتاب الاضاحی: باب اضحیة النبی صلی الله علیه وسلم۔ صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب استحباب الضحیة وذبحها مباشرة۔۔

(۱۲۹) سنن ابی داود: کتاب الضحایا، باب الاضحیة عن المیت۔ السنن الکبری للبیهقی ۹/۲۸۸۔

(۱۳۰) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب مایستحب من الضحایا۔ سنن نسائی: کتاب الضحایا: الکبش۔

(۱۳۱) سنن نسائی: کتاب الضحایا: باب مانهی عنه من الاضاحی العجفاء۔ سنن ابن ماجة: ابواب الاضاحی: باب مایکره ان یضحی۔

(۱۳۲) سنن ابن ماجة: ابواب الاضاحی: باب مایکره ان یضحی به۔ سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب مایکره من الضحایا۔

(۱۳۳) السنن الکبری للبیهقی ۲۷۱/۶ - مسند احمد ۴۴۵/۲ - کنز العمال ۸۷/۵ -
(۱۳۴) سنن ابی داود : کتاب الضحایا : باب مایجوز من الضحایا من السن - سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب من یجزی من الاضاحی -
(۱۳۵) سنن نسائی : کتاب الضحایا : باب مایجزی عنه البدنة فی الضحایا - سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب عن کم تجزی البدنة والبقرة -
(۱۳۶) والتفضیل فی : المغنی لابن قدامة ۶۱۹/۸ ، الدر المختار ۳۱۵/۶ -
(۱۳۷) سنن ابی داود : کتاب الضحایا : باب البقر والجزور عن کم تجزی - سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب عن کم تجزی البدنة والبقرة -
(۱۳۸) سنن ابی داود : کتاب الاضاحی : باب مایکره من الضحایا وباب فی البقر والجزور عن کم تجزی - مسند احمد ۱۵۲/۱ -
(۱۳۹) سنن ابی داود : کتاب الضحایا : باب مایکره من الضحایا - سنن نسائی : کتاب الاضاحی : العضباء -
(۱۴۰) سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب من ضحی بشاة عن اهله -
(۱۴۱) والتفصیل فی : بدائع الصنائع ۷۰/۵ - کشاف القناع ۶۱۷/۲ - المجموع شرح المهذب ۳۹۸/۸ - المغنی لابن قدامة ۶۲۰/۸ -
(۱۴۲) سنن ابی داود : کتاب الضحایا : باب فی الشاة یضحی بها عن جماعة - السنن الکبری للبیهقی ۲۸۷/۹ -
(۱۴۳) سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب الاضاحی واجبة -
(۱۴۴) والتفصیل فی : مغنی المحتاج ۲۸۲/۴ - فتح القدیر ۴۲۵/۸ - المغنی لابن قدامة ۶۱۷/۸ -
(۱۴۵) سنن ابن ماجة : ابواب الاضاحی : باب الاضاحی واجبة هی ام لا - السنن الکبری للبیهقی ۲۶۰/۹ -
(۱۴۶) الفتح الربانی ۶۵/۱۳ -
(۱۴۷) سنن ابی داود : کتاب الضحایا : باب مایجوز من الضحایا من السن - سنن نسائی : کتاب الاضاحی : باب ذبح الضحیة قبل الامام -
(۱۴۸) صحیح بخاری : کتاب الاضاحی : باب مایوکل من لحوم الاضاحی وما

ینزودمنھا۔ صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلث۔

(۱۴۹) صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب بیان ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی۔ سنن نسائی: کتاب الاضاحی: باب الاذن فی ذلک۔

(۱۵۰) صحیح بخاری: کتاب الاطعمۃ: باب ماکان السلف یدخرون فی بیوتھم۔ صحیح مسلم: کتاب لاضاحی: باب بیان ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی۔

(۱۵۱) صحیح بخاری: کتاب العقیقۃ: باب الفرع وباب العتیرۃ۔ سنن ابی داود: کتاب الاضاحی: باب فی العتیرۃ۔

(۱۵۲) والتفصیل فی: تکملۃ فتح الملھم: ۳/۵۸۴۔ المغنی لابن قدامۃ ۸/۶۵۰۔

(۱۵۳) سنن ابی داود: کتاب الاضاحی: باب العقیقۃ۔ سنن ابن ماجۃ: ابواب الذبائح: باب العقیقۃ۔

(۱۵۴) والتفصیل فی: اعلاء السنن ۱۷/۱۰۱۔ المغنی لابن قدامۃ ۸/۶۴۳۔ بدائع الصنائع ۵/۶۹۔ ردالمحتار علی درالمختار ۶/۳۲۶۔

(۱۵۵) سنن ابی داود: کتاب الاضاحی: باب العقیقۃ۔ سنن نسائی: کتاب العقیقۃ۔

(۱۵۶) صحیح بخاری: کتاب العقیقۃ: باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقۃ۔ سنن ابی داود: کتاب الاضاحی: باب العقیقۃ۔

(۱۵۷) سنن ابی داود: کتاب الادب: باب فی المولود یوذن فی اذنہ۔ مجمع الزوائد: باب الاذان فی اذن المولود ۴/۵۹۔

(۱۵۸) صحیح بخاری: کتاب الاضاحی: باب اضحیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سنن ابی داود: باب مایستحب من الضحایا: کتاب الضحایا۔

(۱۵۹) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی۔ سنن ابن ماجۃ: ابواب الاضاحی: باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا۔

(۱۶۰) المصنف لابن ابی شیبۃ: ۸/۴۷۔ السنن الکبری للبیھقی ۹/۳۰۴۔

(۱۶۱) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ۔

صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب استحباب الاضحیۃ وذبحها مباشرۃ۔

(۱۶۲) والتفصیل فی: الدرالمختار: ۵۹۵/۲۔ فتح القدیر ۶۵/۳۔ الفتاوی الهندیۃ ۳۵۷/۱۔البحرالرائق ۵۹/۳۔

(۱۶۳) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب العقیقۃ۔ سنن ابن ماجۃ: ابواب الاضاحی: باب العقیقۃ۔

(۱۶۴) سنن ابی داود: کتاب الضحایا: باب الرجل یاخذ من شعرہ فی العشر۔ صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب نهی من دخل علیه عشر ذی الحجۃ۔

(۱۶۵) والتفصیل فی: تکملۃ فتح الملهم ۵۸۵/۳۔ المغنی لابن قدامۃ ۶۱۹/۸۔ مغنی المحتاج ۲۸۲/۴۔المجموع ۳۹۲/۸۔

(۱۶۶) السنن الکبری للبیهقی ۲۳۳/۵۔فتح الباری ۵۴۴/۳۔

(۱۶۷) صحیح مسلم: کتاب النذر: باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ۔ سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذر: باب فی النذر فیما لا یملک۔

(۱۶۸) والتفصیل فی: اعلاء السنن ۲۹۷/۱۱۔ تکملۃ فتح الملهم ۱۵۷/۲۔ المبسوط للسرخسی ۱۳۹/۸۔بدائع الصنائع ۸۲/۵۔

(۱۶۹) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب النذر فی المعصیۃ۔سنن ابن ماجۃ: کتاب الکفارات: باب النذر فی المعصیۃ۔

(۱۷۰) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب النذر فیما لا یملک۔ السنن الکبری للبیهقی ۸۳/۱۰۔

(۱۷۱) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب من نذر نذرا لم یسمه۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب الکفارات: باب من نذر نذرا ولم یسمه۔

(۱۷۲) صحیح بخاری: کتاب کفارات الایمان: باب الکفارۃ قبل الحنث۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب من حلف علی یمین فرای غیرها خیرا۔

(۱۷۳) والتفصیل فی: المبسوط للسرخسی ۱۴۷/۸۔ المغنی لابن قدامۃ مع

الشرح الکبیر ۲۲۳/۱۱- فتح الباری: ۵۲۶/۱۱- اعلاء السنن ۳۶۷/۱۱-
تکملۃ فتح الملہم: ۱۸۷/۲-

(۱۷۴) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب الحنث اذاکان خیرا- سنن ابن ماجۃ: ابواب الکفارات: باب من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا-

(۱۷۵) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب الاستثناء فی الیمین- سنن ابن ماجۃ: ابواب الکفارات: باب الاستثناء فی الیمین-

(۱۷۶) صحیح بخاری: کتاب الجہاد: باب من طلب الولد للجہاد- صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الاستثناء فی الیمین-

(۱۷۷) صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب لاتحلفوا بابائکم- صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب النہی عن الحلف بغیر اللہ تعالی-

(۱۷۸) صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب النذر فیما لا یملک- صحیح مسلم: کتاب النذور: باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ-

(۱۷۹) صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب النذر فیما لا یملک- صحیح مسلم: کتاب النذور: باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ-

(۱۸۰) والتفصیل فی: تکملۃ فتح الملہم ۱۶۷/۲- المبسوط للسرخسی ۱۳۷/۸- مغنی المحتاج ۳۶۲/۴- المغنی لابن قدامۃ ۱۶/۹- البحر الرائق ۳۵۶/۴-

(۱۸۱) صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب الوفاء بالنذر- سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب النہی عن النذر-

(۱۸۲) صحیح بخاری: کتاب الاعتکاف: باب الاعتکاف- صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب نذر الکافر وما یعقل فیہ اذا اسلم-

(۱۸۳) والتفصیل فی: اعلاء السنن ۴۳۸/۱۱- المبسوط للسرخسی ۱۴۶/۸-

(۱۸۴) والتفصیل فی: المبسوط للسرخسی ۱۱۵/۳- المغنی لابن قدامۃ ۱۸۵/۳-

(۱۸۵) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب ما جاء فی یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم- سنن ابن ماجۃ: کتاب الکفارات: باب یمین النبی صلی

اللہ علیہ وسلم۔

(۱۸۶) صحیح مسلم: کتاب العتق: باب فضل العتق۔ سنن ابی داود: کتاب العتق: باب فی ثواب العتق۔

(۱۸۷) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب صحبۃ الممالیک۔ سنن ابی داود: کتاب الادب: باب فی حق المملوک۔

(۱۸۸) سنن ابی داود: کتاب الایمان والنذور: باب ماجاء فی الحلف بالبراءۃ۔ سنن ابن ماجۃ: ابواب الکفارات: باب من حلف بملۃ غیر الاسلام۔

(۱۸۹) والتفصیل فی: اعلاء السنن ۳۴۸/۱۱۔ مغنی المحتاج ۳۲۰/۴۔ المغنی لابن قدامۃ ۶۷۷/۸۔ بدائع الصنائع ۲۰/۳۔

(۱۹۰) صحیح بخاری: کتاب الحج: باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔ صحیح مسلم: کتاب النذور: باب من نذر ان یمشی الی الکعبۃ۔

(۱۹۱) صحیح بخاری: کتاب التفسیر: سورۃ النجم باب افرایتم الات والعزی۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الحلف باللات والعزی۔

(۱۹۲) صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب من مات وعلیہ نذر۔ صحیح مسلم: کتاب النذر: باب الامر بقضاء النذر۔

(۱۹۳) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامۃ ۳۰/۹۔ تکملۃ فتح الملہم ۱۳۹/۲۔

(۱۹۴) مسند احمد ۴۴۰/۵ و ۴۴۱۔

(۱۹۵) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامۃ ۳۶۱/۸۔ المہذب للشیرازی ۲۳۱/۲۔ بدائع الصنائع ۱۰۰/۷۔

(۱۹۶) سنن ابی داود: کتاب الجہاد: باب فی دعاء المشرکین۔ مسند احمد ۴۴۸/۳۔

(۱۹۷) صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ خیبر۔ مسند ابی یعلی موصلی ۴۳۱/۶۔

(۱۹۸) سنن ابی داود کتاب الجہاد: باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بعرصتہم، صحیح بخاری: کتاب الجہاد: باب من غلب العدو فاقام علی عرصتہم ثلاثا۔

(۱۹۹) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب حرق الدور والنخیل - صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقها -

(۲۰۰) مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد: باب قسمة الغنائم والغلول فیهما کنز العمال: ۳۱۵/۱۱ -

(۲۰۱) صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوة - مسند احمد ۱۱۱/۲ -

(۲۰۲) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب سهام الفرس - صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب کیفیة قسمة الغنیمة بین الحاضرین -

(۲۰۳) والتفصیل فی: الدر المختار ۱۳٦/۳ - بدائع الصنائع ۱۲٦/۷ - المغنی لابن قدامة ۴۰۳/۸ -

(۲۰۴) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فیما یستحب من الجیوش والرفقاء - مسند احمد ۲۹۴/۱ -

(۲۰۵) صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب النساء الغازیات یرضخ - سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی المراة والعبد یحذیان من الغنیمة -

(۲۰٦) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی المراة والعبد یحذیان من الغنیمة - سنن ابن ماجة ابواب الجهاد: باب العبید والنساء یشهدون مع المسلمین -

(۲۰۷) صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب کراهة الاستعانة فی الغزو بکافر - مسند احمد ٦۷/٦ و۱۴۸ -

(۲۰۸) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامة ۴۱۴/۸ - البحر الرائق ۹۰/۵ -

(۲۰۹) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل الاشعریین رضی الله عنهم - سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فیمن جاء بعد الغنیمة لاسهم له -

(۲۱۰) سنن ابی داود: کتاب الاطعمة: باب الاکل فی آنیة اهل الکتاب - مسند احمد ۱۹۳/۴ -

(۲۱۱) صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب آنیة المجوس والمیتة - صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح ومایوکل من الحیوان، باب الصید

بالکلاب۔

(۲۱۲) المصنف لابن ابی شیبة ۱۴/۴۵۶۔ مسند احمد ۳/۱۹۰۔

(۲۱۳) سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب السلاح۔ مسند احمد ۱/۲۷۱۔

(۲۱۴) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب من لم یخمس الاسلاب۔ صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب استحقاق القاتل سلب القتیل۔

(۲۱۵) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۶/۴۵۳۔ بدائع الصنائع ۷/۱۱۵۔ مغنی المحتاج ۳/۹۹۔

(۲۱۶) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامه ۸/۳۸۱۔ المجموع شرح المهذب ۱۹/۳۵۰۔

(۲۱۷) مصنف ابن ابی شیبة ۱۲/۴۳۶۔ مسند احمد ۳/۴۲۔

(۲۱۸) مسند احمد ۳/۱۲۷۔

(۲۱۹) سنن ابی داود: کتاب الاطعمة: باب فی کراهیة التقذر للطعام۔ سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب الاکل فی قدور المشرکین۔

(۲۲۰) مسند احمد ۵/۴۱۲: سنن دارمی ۲/۱۳۶۔

(۲۲۱) السنن الکبری للنسائی ۵/۲۰۰۔ جامع المسانید والسنن ۲۰/۱۴۳۔

(۲۲۲) السنن الکبری للنسائی ۵/۲۰۱۔ سنن الدارمی ۲/۱۴۲۔

(۲۲۳) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب قتل النساء فی الحرب۔ صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب۔

(۲۲۴) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی قتل النساء۔ مسند احمد ۴/۳۸۔

(۲۲۵) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب لایعذب بعذاب الله۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی کراهیة حرق العدو بالنار۔

(۲۲۶) سنن ابن ماجة: کتاب الصدقات: باب التشدید فی الدین۔ مسند احمد ۵/۲۷۶۔

(۲۲۷) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب غلظ تحریم الغلول وانه لایدخل۔ مسند احمد ۱/۳۵۔

(۲۲۸) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب غزوة النساء مع الرجال- سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی النساء یغزون-

(۲۲۹) مسند احمد ۱/۹۶، ۱۳۵- المسند الجامع ۱۳/۳۲۲-

(۲۳۰) سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارة والفئی: باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین-

(۲۳۱) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی سجود الشکر- سنن ابن ماجة: کتاب الصلوة: باب ما جاء فی الصلوة والسجدة عند الشکر-

(۲۳۲) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی امان المراة- مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد: باب الامان-

(۲۳۳) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی امان المراة- مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد باب الامان-

(۲۳۴) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب فکاک الاسیر- صحیح مسلم: کتاب العتق: باب تحریم تولی العتق غیر موالیه-

(۲۳۵) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الامام یکون بینه وبین العدو عهد فیسیر الیه- مسند احمد ۴/۱۱۱-

(۲۳۶) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الم الغادر للبر والفاجر- صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب تحریم الغدر-

(۲۳۷) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب لکل داء دواء واستحباب التداوی- مسند احمد ۳/۳۱۲-

(۲۳۸) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی قتل النساء- مسند احمد ۵/۱۲-

(۲۳۹) سنن ابی داود: باب فی الغلام یصیب الحد: کتاب الحدود- سنن ابن ماجة: باب من لا یجب علیه الحد: کتاب الحدود-

(۲۴۰) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامة ۴/۵۰۹- مغنی المحتاج ۲/۱۶۷- المبسوط للسرخسی ۱۰/۲۷- اعلاء السنن ۱۲/۱۹۳- تکملة فتح الملهم ۳/۳۸۴-

(۲۴۱) مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد: باب الامان، الفصل الثانی- کنز

العمال۱۶/ ۷۰۴۔

(۲۴۲) سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارة والفئی، باب فی اخذ الجزیة من المجوس۔ مسند احمد: ۱/ ۱۹۰۔

(۲۴۳) سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارة والفئی، باب فی اخذ الجزیة من المجوس۔ مسند احمد: ۱/ ۱۹۰۔

(۲۴۴) صحیح بخاری: کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمته ایاه بنفسه۔ صحیح مسلم: کتاب اللقطة، باب الضیافة ونحوها۔

(۲۴۵) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب لاهجرة بعد الفتح۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة، باب المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجهاد۔

(۲۴۶) المسند الجامع ۳/ ۳۴۵۔

(۲۴۷) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب البیعة فی الحرب ان لا یفروا۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة، باب استحباب مبایعة الامام الجیش۔

(۲۴۸) صحیح مسلم: کتاب الامارة، باب البیعة علی السمع والطاعة فیما استطاع۔ سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارة والفئی، باب ما جاء فی البیعة۔

(۲۴۹) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب استحباب مبایعة الامام الجیش۔ سنن نسائی: کتاب البیعة: البیعة علی ان لا نفر۔

(۲۵۰) سنن ابی داود: کتاب البیوع: باب فی منع الماء۔ سنن ابن ماجه: کتاب التجارات، باب ما جاء فی کراهیة الایمان فی الشراء۔

(۲۵۱) صحیح مسلم: کتاب البیوع: باب جواز بیع الحیوان بالحیوان من جنسه۔ سنن نسائی: کتاب البیوع: بیع الحیوان بالحیوان یدا بید متفاضلا۔

(۲۵۲) سنن نسائی: کتاب البیعة: بیعة النساء۔ سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب بیعة النساء۔

(۲۵۳) صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب عدة اصحاب بدر۔ سنن ابن ماجة:

کتاب الجهاد: باب السرایا۔

(۲۵۴) صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب اداء الخمس من الایمان۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الامر بالایمان باللہ تعالی ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۵۵) سنن ابن ماجۃ: کتاب الاضاحی: باب کم تجزی من الغنم عن البدنۃ۔

(۲۵۶) مسند احمد ۱۴۰/۳۔ مجمع الزوائد ۳۲۷/۵۔

(۲۵۷) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام۔ سنن ابی داود: کتاب الادب: باب فی السلام علی اھل الذمۃ۔

(۲۵۸) سنن ابی داود: کتاب الجھاد: باب النھی عن قتل من اعتصم بالسجود۔

(۲۵۹) مستدرک حاکم ۱۴۱/۲۔

(۲۶۰) سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ: باب اخراج الیھود من جزیرۃ۔ صحیح مسلم: کتاب الجھاد: باب اخراج الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب۔

(۲۶۱) مسند احمد ۳۲/۱۔ المسند الجامع ۱۷/۱۴۔

(۲۶۲) مسند احمد ۱۳/۱۔ المسند الجامع ۶۲۷/۹۔

(۲۶۳) صحیح مسلم: کتاب الجھاد والسیر: باب حکم الفیٔ۔ سنن ابی داود: کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ: باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۶۴) مسند احمد ۴۱۲/۳۔ مستدرک حاکم ۶۲۷/۳۔ مجمع الزوائد ۲۸۴/۳۔

(۲۶۵) المسند الجامع ۵۴۳/۱۵۔

(۲۶۶) سنن ابی داود: کتاب الطب: باب فی الطیرۃ۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب الطب: باب من کان یعجب الفال ویکرہ الطیرۃ۔

(۲۶۷) سنن ابی داود: کتاب الطب: باب فی الطیرۃ۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب الطب: باب من کان یعجب الفال ویکرہ الطیرۃ۔

(۲۶۸) مشکل الآثار ۳۴۴/۲۔ المسند الجامع ۱۹۴/۲۔

(۲۶۹) صحیح مسلم: کتاب الجھاد والسیر: باب تامیر الامام الامراء علی

البعوث۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی دعاء المشرکین۔

(۲۷۰) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الشهادة فی سبیل الله عزوجل۔ مسند احمد ۲/ ۳۲۴۔

(۲۷۱) کنز العمال ۴/ ۲۹۴۔

(۲۷۲) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی فضل الرباط۔ مسند احمد ۶/ ۲۰۔

(۲۷۳) سنن ابن ماجة: کتاب الصیام: باب فی صیام یوم فی سبیل الله۔ سنن نسائی: کتاب الصیام: باب ثواب من صام فی سبیل الله۔

(۲۷۴) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب فضل الصوم فی سبیل الله۔ صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب فضل الصیام فی سبیل الله لمن یطیقه بلاضرر۔

(۲۷۵) جامع المسانید والسنن ۱۳/ ۱۴۷۔ جامع الاصول ۹/ ۴۵۷۔

(۲۷۶) سنن نسائی: کتاب الجهاد: فضل النفقة فی سبیل الله۔ مسند احمد ۴/ ۳۴۵۔

(۲۷۷) المسند الجامع ۱۲/ ۵۰۷۔

(۲۷۸) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب فضل من جهز غازیا اوخلفه بخیر۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل اعانة الغازی۔

(۲۷۹) صحیح بخاری: کتاب الجمعة، باب المشی الی الجمعة وقول الله۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من اغبرت قدماه فی سبیل الله۔

(۲۸۰) سنن نسائی: کتاب الجهاد: فضل من عمل فی سبیل الله علی قدمه۔ المسند الجامع ۱۸/ ۲۸۔

(۲۸۱) سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من رمی بسهم فی سبیل الله۔ مسند احمد ۴/ ۲۳۵۔

(۲۸۲) مسند احمد ۴/ ۱۱۳۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من رمی بسهم فی سبیل الله۔

(۲۸۳) سنن نسائی: کتاب الخیل۔

(۲۸۴) سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب الرمی فی سبیل الله۔

(۲۸۵) سنن ابی داود: کتاب العتق: باب ای الرقاب افضل - سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من رمی بسهم فی سبیل الله عزوجل -

(۲۸۶) مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد: الفصل الثانی- مجمع الزوائد ۲۸۸/۵-

(۲۸۷) الترهیب ۳۱۶/۲- کنزالعمال ۳۹۹/۴-

(۲۸۸) مسند احمد ۴۲۵/۲- السنن الکبری للبیهقی ۸۲/۴-

(۲۸۹) کنزالعمال ۳۰۰/۴-

(۲۹۰) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الشهادة فی سبیل الله تعالی- صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الحور العین وصفتهن-

(۲۹۱) مسند احمد ۲۲/۱- المسند الجامع ۱۶/۱۴-

(۲۹۲) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الغزو فی البحر- صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب غزو المراة فی البحر-

(۲۹۳) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا- سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب النیة فی القتال-

(۲۹۴) صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة- صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب قوله صلی الله علیه وسلم انما الاعمال بالنیة وانه یدخل-

(۲۹۵) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب الغدوة والروحة فی سبیل الله- صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل الله-

(۲۹۶) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب الغدوة والروحة فی سبیل الله- صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الغدوة والروحة فی سبیل الله-

(۲۹۷) مسند احمد ۲۵۶/۱- المسند الجامع ۴۷۶/۹-

(۲۹۸) مسند احمد ۴۴۶/۲ و ۵۲۴- المسند الجامع ۳۲/۱۸-

(۲۹۹) مسند احمد ۲۳۷/۱- کنزالعمال ۲۸۷/۴-

(۳۰۰) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فیمن سال الله تعالی الشهادة۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من قاتل فی سبیل الله فواق ناقة۔

(۳۰۱) سنن ابی داود: کتاب الصلاة: باب فی الاستغفار۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: مسالة الشهادة۔

(۳۰۲) سنن نسائی: کتاب الجهاد: فضل الروحة فی سبیل الله عزوجل۔ سنن ابن ماجة: کتاب العتق: باب المکاتب۔

(۳۰۳) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فیمن سال الله تعالی الشهادة۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: ثواب من قاتل فی سبیل الله فواق ناقة۔

(۳۰۴) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب من یجرح فی سبیل الله تعالی۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل الله۔

(۳۰۵) صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب من قال ان الایمان هوالعمل۔ صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون الایمان بالله تعالی افضل۔

(۳۰۶) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب ثبوت الجنة للشهید۔ مسند احمد ۳۹۶/۴۔

(۳۰۷) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر: باب افضل الناس مومن۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الجهاد والرباط۔

(۳۰۸) سنن ابن ماجة: ابواب الجهاد: باب فضل الشهادة فی سبیل الله۔ مسند احمد ۱۳۱/۴۔

(۳۰۹) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الشهادة فی سبیل الله۔ صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب تمنی المجاهد ان یرجع الی الدنیا۔

(۳۱۰) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب فضل رباط یوم فی سبیل الله۔

(۳۱۱) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضل الرباط فی سبیل الله عزوجل۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: فضل الرباط۔

(۳۱۲) سنن ابن ماجة: ابواب الجهاد: باب التغلیظ فی ترک الجهاد۔ المسند الجامع ۲۱/۱۸۔

(۳۱۳) سنن نسائی: کتاب الجهاد: فضل الرباط - مسند احمد ۱/ ۶۲ -

(۳۱۴) سنن نسائی: ابواب الجهاد: مایجد الشهید من الالم - سنن ابن ماجة: ابواب الجهاد: باب فضل الشهادة فی سبیل الله -

(۳۱۵) مشکوة المصابیح: کتاب الجهاد الفصل الثانی - کنز العمال ۱۵/ ۸۶۶ -

(۳۱۶) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب سقوط فرض الجهاد عن المعذورین - مسند احمد ۴/ ۲۹۹ -

(۳۱۷) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والاداب: باب برالوالدین وانهما احق به -

(۳۱۸) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الرجل یسافر وحده - مسند احمد ۲/ ۱۸۶ -

(۳۱۹) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الحرب خدعة - صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب جواز الخداع فی الحرب -

(۳۲۰) صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة العشیر - صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب عدد غزوات النبی صلی الله علیه وسلم -

(۳۲۱) المسند الجامع ۱۲/ ۳۴۷ - جامع المسانید والسنن ۸/ ۳۰۶ -

(۳۲۲) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب لاتمنوا لقاء العدو وغیره - صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب استحباب الدعاء بالنصر -

(۳۲۳) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الرایات والالویة - سنن ابن ماجة: کتاب الجهاد: باب فی الرایات والالویة -

(۳۲۴) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الرایات والالویة -

(۳۲۵) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الرجل ینادی بالشعار - مسند احمد ۴/ ۲۵ -

(۳۲۶) المسند الجامع ۷/ ۲۱۰ - مسند احمد ۵/ ۲۰ -

(۳۲۷) مسند احمد ۳/ ۲۹ - صحیح ابن خزیمة ۳/ ۲۶۴ -

(۳۲۸) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الشجاعة فی الحرب وغیره - صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فی شجاعة النبی صلی الله علیه وسلم -

(۳۲۹) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الشجاعة فی الحرب وغیره۔ صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فی شجاعة النبی صلی الله علیه وسلم۔

(۳۳۰) صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب قول الله تعالی ویوم حنین اذاعجبتکم۔ صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب غزوة حنین۔

(۳۳۱) فتح الباری ۲۹/۸۔ جامع الاصول ۳۰۱/۸۔

(۳۳۲) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الشجاعة فی الحرب وغیره۔ صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فی شجاعة النبی صلی الله علیه وسلم۔

(۳۳۳) المسند الجامع ۱۲۸/۱۵۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد باب فی السیف بحلی۔ سنن نسائی: کتاب الزینة، باب حلیة السیف۔

(۳۳۴) مسند احمد ۱۶۵/۱۔ المسند الجامع ۲۶۹/۵۔

(۳۳۵) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب المغفر۔ صحیح مسلم: کتاب المناسک: باب جواز دخول مکة بغیر احرام۔

(۳۳۶) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الخیل معقود بنواصیها الخیر الی یوم القیامة۔ صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب فضیلة الخیل وان الخیر معقود۔

(۳۳۷) مسند احمد ۲۷۲/۱۔ السنن الکبری للبیهقی ۳۳/۶۔

(۳۳۸) السنن الکبری للبیهقی ۳۳۰/۶۔ کنز العمال ۳۲۷/۱۲۔

(۳۳۹) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب ما یکره من صفات الخیل۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب ما یکره من الخیل۔

(۳۴۰) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب السبق بین الخیل۔ صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب المسابقة بین الخیل وتضمیرها۔

(۳۴۱) سنن نسائی: کتاب الخیل والسبق والرمی، باب السبق۔ السنن الکبری للبیهقی ۱۶/۱۰۔

(۳۴۲) سنن نسائی: کتاب الخیل والسبق والرمی: باب التشدید فی حمل الحمیر۔ السنن الکبری للنسائی ۳۰/۳۔

(۳۴۳) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب الاستنصار برزل الخیل والضعفة۔ سنن

نسائی: کتاب الجهاد: باب الاستنصار بالضعیف۔

(۳۴۴) صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: باب کراهۃ الکلب والجرس فی السفر۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی تعلیق الاجراس۔

(۳۴۵) المسند الجامع ۱۸۰/۳۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۳۶۵/۱۱۔

(۳۴۶) صحیح بخاری: کتاب الاحکام: باب قول اللہ تعالی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الا میرا لعادل وعقوبۃ الجائر۔

(۳۴۷) مسند احمد ۳۰۲/۶۔ سنن نسائی: کتاب البیع: باب الحض علی طاعۃ الامام۔

(۳۴۸) والتفصیل فی: الفقه الاسلامی وادلته ۶۹۸/۶۔ الاحکام السلطانیۃ للماوردی ۶/۱۔ احکام القرآن لابن العربی ۱۷۲۱/۴۔

(۳۴۹) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۰/۱۲۔ کنز العمال ۳۸/۶۔

(۳۵۰) صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب السمع والطاعۃ للامام۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی الطاعۃ۔

(۳۵۱) سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فی التحریش بین البهائم، المعجم الکبیر للطبرانی ۸۵/۱۱۔

(۳۵۲) صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ: باب النهی عن ضرب لحیوان فی وجهه۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب النهی عن الوسم فی الوجه۔

(۳۵۳) صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ الخندق۔ صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب بیان سن البلوغ۔

(۳۵۴) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت۔ سنن نسائی: کتاب الجهاد: باب من قاتل فی سبیل اللہ۔

(۳۵۵) السنن الکبری للبیهقی ۴۴/۴۔ جامع الاصول ۱۳۴/۱۱۔

(۳۵۶) صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسیر: باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر۔ سنن ابی داود: کتاب الجهاد: باب فداء الاسیر بالمال۔

(۳۵۷) السنن الکبری للبیهقی ۱۳۳/۹۰۔

(۳۵۸) مسند احمد ۲/ ۱۱۱ - السنن الکبری للبیهقی ۹/ ۷۸ -

(۳۵۹) السنن الکبری للنسائی : کتاب الجنائز: باب این یدفن الشهداء - سنن ابن ماجة : کتاب الجنائز: باب ما جاء فی الصلوة علی الشهداء ودفنهم -

(۳۶۰) صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب استقبال الغزاة - سنن ابی داود : کتاب الجهاد : باب فی التلقی -

(۳۶۱) صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب المجن ومن یتترس بترس صاحبه وغیره - صحیح مسلم : کتاب الجهاد والسیر: باب حکم الفئی -

(۳۶۲) سنن ابی داود: کتاب اللباس : باب فی الحریر للنساء - سنن نسائی: کتاب الزینة : باب تحریم الذهب علی الرجال -

(۳۶۳) صحیح بخاری : کتاب اللباس : باب لبس الحریر للرجال - صحیح مسلم : کتاب اللباس والزینة : باب تحریم استعمال اناء الذهب -

(۳۶۴) صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الحریر فی الحرب -

(۳۶۵) والتفصیل فی : المغنی لابن قدامة ۱/ ۵۸۹ - البحر الرائق ۸/ ۱۹۰ - الفتاوی الهندیة ۵/ ۳۳۱ -

(۳۶۶) سنن نسائی: کتاب الزینة : باب لبس الدیباج المنسوج بالذهب - السنن الکبری للنسائی ۵/ ۴۷۲ -

(۳۶۷) صحیح بخاری : کتاب الانبیاء : باب صفة النبی صلی الله علیه وسلم - صحیح مسلم: کتاب الفضائل : باب فی صفة النبی صلی الله علیه وسلم -

(۳۶۸) والتفصیل فی : المغنی لابن قدامة ۱/ ۵۸۶ - الدرالمختار مع ردالمحتار ۶/ ۳۵۸ -

(۳۶۹) سنن ابی داود: کتاب اللباس : باب من کره لبس الحریر - السنن الکبری للبیهقی ۲/ ۸۷ -

(۳۷۰) سنن ابن ماجة : کتاب الاطعمة : باب اکل الجبن والسمن - المسند الجامع ۷/ ۶۳ -

(۳۷۱) صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب جلود المیتة - صحیح مسلم : کتاب

الطهارة: باب طهارة جلود الميتة بالدباغ۔

(۳۷۲) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامة ۱/۶۶۔ الانصاف للمرداوی ۱/۸۶۔ البحرالرائق ۱/۹۹۔ فتح القدیر ۱/۸۱۔

(۳۷۳) سنن ابن ماجة: کتاب للباس باب لبس جلود المیتة۔ مسند احمد ۱/۲۱۹۔

(۳۷۴) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب من جر ثوبه من الخیلاء وغیره۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة: باب تحریم جرالثوب خیلاء۔

(۳۷۵) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب من جر ثوبه من الخیلاء۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة: باب تحریم جرالثوب خیلاء۔

(۳۷۶) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب الاکیسة والخمائص۔ صجیح مسلم: کتاب اللباس والزینة: باب التواضع فی اللباس۔

(۳۷۷) الترغیب والترهیب ۳/۱۰۹۔

(۳۷۸) سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی العمائم۔ سنن نسائی: کتاب الزینة: باب لبس العمائم السود۔

(۳۷۹) السنن الکبری للبیهقی ۱/۴۶۹۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی العمائم۔

(۳۸۰) صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة: باب النهی عن لبس الرجل الثوب۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب من کره لبس الحریر۔

(۳۸۱) صحیح مسلم: کتاب اللباس: باب فی خاتم الورق فصه حبشی۔ سنن ابی داود: کتاب الخاتم: باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم۔

(۳۸۲) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب فص الخاتم۔ سنن ابی داود: کتاب الخاتم: باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم۔

(۳۸۳) صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب خواتیم الذهب وغیره۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة، باب تحریم خاتم الذهب۔

(۳۸۴) سنن ابی داود: کتاب الخاتم، باب ماجاء فی التختم فی الیمین۔ مصنف ابن ابی شیبة ۸/۲۸۵۔

(۳۸۵) مصنف ابن ابی شیبة ۸/۲۸۳۔

(۳۸۶) صحیح مسلم: کتاب اللباس: باب فی خاتم الورق فصه حبشی۔ سنن ابن ماجة: کتاب اللباس: باب التختم بالیمین۔
(۳۸۷) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب نقش الخاتم۔ دلائل النبوة للبیهقی ۲۷۶/۷۔
(۳۸۸) مسند احمد ۱۶۱/۳۔ صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب نقش الخاتم۔
(۳۸۹) مسند احمد ۳۳۵/۳۔
(۳۹۰) سنن نسائی: کتاب الزینة: باب التصاویر۔ السنن الکبری للنسائی ۴۹۸/۵۔
(۳۹۱) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامة ۶/۸۔ الانصاف ۴۷۴/۱۔ تکملة فتح الملهم ۱۵۶،۱۵۵/۴۔
(۳۹۲) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب من صور صورة۔ شرح السنة للبغوی ۱۳۰/۱۲۔
(۳۹۳) سنن نسائی: کتاب الزینة: باب الاذن فی الخضاب، مسند احمد ۱۶۵/۱۔
(۳۹۴) والتفصیل فی: المغنی لابن قدامة ۹۱/۱۔ المجموع شرح المهذب ۲۹۱/۱، ۲۹۴۔ البحر الرائق ۱۸۳/۸۔
(۳۹۵) مسند احمد ۲۴۰/۳۔ جامع المسانید والسنن ۱۲۷/۲۲۔
(۳۹۶) سنن ابن ماجة: کتاب اللباس: باب اتخاذ الجمة والذوائب۔ مسند احمد ۳۷،۳۰/۶۔
(۳۹۷) سنن ابی داود: فی اول کتاب الترجل۔ سنن نسائی: کتاب الزینة: باب الترجل غبا۔
(۳۹۸) المعجم الکبیر للطبرانی ۶۶/۱۲۔ مسند احمد ۳۵۴/۱۔
(۳۹۹) مسند احمد ۴۱۹/۲۔ مصنف ابن ابی شیبة ۲۹۹/۸۔
(۴۰۰) صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب وصل الشعر وباب الموصولة۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلة۔
(۴۰۱) صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب المیثرة الحمراء۔ صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال اناء الذهب۔

(۴۰۲) صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ، باب التواضع فی اللباس والفراش۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس، باب فی لبس الصوف۔

(۴۰۳) سنن ابی داود: کتاب للباس، باب ماجاء فی القمیص۔ سنن نسائی: کتاب الزینۃ، باب لبس القمیص۔

(۴۰۴) سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی الانتعال۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب الطھارۃ: باب التیمن فی الوضوء۔

(۴۰۵) مجمع النزوائد ۱۲۱/۵۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس باب ماجاء فی القمیص۔

(۴۰۶) مسند احمد ۵۰/۳۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب مایدعی لمن لبس ثوبا جدیدا۔

(۴۰۷) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب لبس جبۃ ضیقۃ الکمین فی السفر۔

(۴۰۸) شرح السنۃ ۴۲/۱۲۔ مجمع الزوائد ۱۳۹/۵۔

(۴۰۹) سنن ابی داود: کتاب الخاتم: باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذھب۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۱۱/۸۔

(۴۱۰) سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی جلود النمور۔ السنن الکبری للبیھقی ۲۱/۱۔

(۴۱۱) سشرح السنۃ ۷۴/۱۲۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳۱/۸۔

(۴۱۲) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب لایمشی فی نعل واحد۔

(۴۱۳) سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی الانتعال۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب اللباس: باب الانتعال قائما۔

(۴۱۴) شرح السنۃ للبغوی ۷۸/۱۲۔ مجمع الزوائد ۱۳۹/۵۔

(۴۱۵) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب ینزع نعلہ الیسری۔ سنن ابی داود: کتاب اللباس: باب فی الانتعال۔

(۴۱۶) مستدرک حاکم ۳۱۲/۴۔ الترغیب والترھیب ۱۲۵/۳۔

(۴۱۷) سنن ابی داود: کتاب الترجل: باب فی الرجل یضفر۔ سنن ابن ماجۃ: کتاب اللباس: باب اتخاذ الجمۃ والذوائب۔

(۴۱۸) جامع الاصول ۱۰/ ۶۳۳۔

(۴۱۹) سنن ابن ماجۃ کتاب اللباس : باب موضع الازار این هو۔ سنن نسائی : کتاب الزینۃ : باب موضع الازار۔

(۴۲۰) سنن ابی داود : کتاب اللباس : باب العمائم۔ المسند الجامع ۵/ ۴۴۰۔

(۴۲۱) سنن ابی داود : کتاب الخاتم : باب ما جاء فی خاتم الحدید۔ سنن نسائی : کتاب الزینۃ : باب لبس خاتم حدید ملوی علیه فضۃ۔

(۴۲۲) صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینۃ : باب النهی عن التختم فی الوسطی۔ سنن ابی داود : کتاب الخاتم : باب ما جاء فی خاتم الحدید۔

(۴۲۳) صحیح بخاری : کتاب اللباس : باب البرود والحبر والشملۃ۔ صحیح مسلم : کتاب اللباس والزینۃ : باب فضل لباس الحبرۃ۔